إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ

وقارِ حیات

یعنے

نواب وقار الدولہ وقار الملک انتصار جنگ مولوی حاجی مشتاق حسین خان بہادر سابق ریونیو سکرٹری

دولتِ آصفیہ و آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ و آنریری سکرٹری ایم اے او کالج

کی

مفصل سوانح عمری جس میں اُن کی سرکاری، ملکی اور قومی خدمات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اور اُن کے

محاسنِ اخلاق پر مفصل تبصرہ ہے

مع مقدمہ

نوشتۂ عالیجناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ و صدر الصدور امور مذہبی دولتِ آصفیہ

زیر نگرانی محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوئی

۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء

مقام اشاعت

دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سلطان جہاں منزل علیگڑھ

تعداد طبع اوّل ۱۰۰۰ جلد

قیمت پختہ فی جلد پانچ روپیہ

فہرست مضامین

حصۂ اوّل

عنوان	نمبر صفحہ	عنوان	نمبر صفحہ
ولادت، نام ونسب	۱	مسٹر کالون سے نماز پر مناقشہ	۱۳
بچپن، تعلیم وتربیت	۲	اس واقعہ کے متعلق سرسید کا ایک دلچسپ خط	۱۴
انجینیری کی تعلیم	۵	حیدرآباد میں سفارش	۱۵
شادی	۶	گورنمنٹ انگریزی کی ملازمت سے استعفا	۱۶
انگریزی ملازمت	۶		
ابتدائی ملازمت	۷	**ایام حیدرآباد**	۱۷
محرری	۷	عہد سالار جنگ کا حیدرآباد	۱۹
انتظام محتاج خانہ	۷	ریاست حیدرآباد کا انتظام عدالت	۲۶
قلیل تنخواہ کی ملازمتیں	۸	عدالت دیوانی ۱۲۳۷ھ	۲۷
سررشتہ داری محکمہ صدرالصدوری علی گڑھ	۸	عدالت فوجداری ۱۲۵۴ھ	۲۷
منصرم عدالت کے عہدہ پر ترقی	۹	عہد نواب سراج الملک اور انتظام عدالت ۱۲۶۲ھ	۲۸
امتحان تحصیلداری	۹	تصحیح تعلقات	۲۹
صیغہ دیوانی سے تبادلہ	۱۰	عدالت دیوانی خانہ یا عدالت خرد ۱۲۶۷ھ	۲۹
میونسپل بورڈ کی ممبری	۱۰	نواب مختار الملک سر سالار جنگ اور اصلاح عدالت ۱۲۶۹ھ	۳۰
مسٹر مارٹن سے جھگڑا	۱۰	صدر عدالت اضلاع مسترده اور مجلس	
خدمات خاص بکار قحط	۱۳	مرافعہ	۳۱

عنوان	نمبر صفحہ
صیغہ عدالت میں تقرر	۳۳
ناظم عدالت	۳۳
معتمد صدر المہام عدالت	۳۴
اصلاحات	۳۴
صیغہ عدالت کا مداخلت سے آزاد کرانا	۳۹
عام اصلاحات	۴۱
خدمات خاص	۴۲
صدر مجلس انتظام قحط کی رکنیت	۴۳
قیام محتاج خانہ جات کی تجویز	۴۳
ناظم محتاج خانہ جات	۴۳
کیفیت انتظام محتاج خانہ جات	۴۴
اصول انتظام	۴۴
محتاجوں کے اقسام	۴۵
محتاج خانہ کا کام اور مقصد	۴۵
انتظام کی نوعیت	۴۵
محتاج خانہ کے مکانات	۴۶
خوراک کا انتظام	۴۷
لباس و دیگر ضروریات کا انتظام	۴۸
بچوں کی پرورش کا طریقہ	۴۸
پردہ نشین عورتوں کی اعانت	۴۹

عنوان	نمبر صفحہ
ایک دلچسپ معاملہ	۴۹
نتیجہ	۴۹
سالارجنگ کی رائے	۵۰
کمیشن انسداد قحط میں شہادت	۵۱
حیدرآباد کی ملازمت سے برخاست ہونا	۵۱
معزولی کا سبب	۵۴
تحقیقات کی استدعا اور سرسالارجنگ کا جواب	۵۴
سرسالارجنگ کی مجبوری	۵۶
نواب بشیر الدولہ کی امداد اور مولوی مشتاق حسین کا انکار	۵۷
سرسالارجنگ کا ریمارک	۵۸
معاملہ کی اہمیت اور سرسالارجنگ کا آمادہ اعانت ہونا	۵۸
امداد کا قلت کے ساتھ بطور قرض قبول کرنا	۶۰
دستور العمل کی ترتیب	۶۱
الاؤنس یا تنخواہ کا مقرر ہونا	۶۱
سرسالارجنگ کی طلب پر حیدرآباد کا دوسرا سفر اور ملازمت	۶۲
سرسالارجنگ کا خط	۶۳
روانگی اور تقرر	۶۳
صدر تعلقہ داری گلبرگہ	۶۴
معتمد عدالت اور کوتوالی	۶۵

عنوان	نمبر صفحہ
سر سالار جنگ کی وفات	۶۶
یادداشت متعلق انتظام ریاست	۶۸
جدید انتظام	۷۲
ایک دوسری تجویز	۷۴
حیدرآباد کا دورِ جدید	
تقرر مدار المہام جدید	۷۵
رکنیت مجلس مال گزاری	۷۶
مولوی مشتاق حسین کا دورہ	۷۶
دورہ میں زیادہ تر کون سے امور پر توجہ کی گئی	۷۷
رعایا سے ملاقات اور تحقیقات کا طریقہ	۷۸
سرکاری ملازمین کے ساتھ طرز عمل	۷۹
تلنگانہ کے طریقۂ مال گزاری پر بحث	۸۰
تشخیص جمع کی خرابیاں	۸۱
جدید بندوبست کی ضرورت	۸۳
رعایا کا ایک خاص گروہ	۸۴
رعایا کی عام حالت	۸۴
گورنمنٹ کا رعایا کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیئے	۸۵
وسائل آبپاشی پر بحث	۸۶
دفاتر کی زبان کا مسئلہ	۹۲
اصلاح متعلق ملازمین ریاست	۹۳
سرکاری ملازمین کی حالت پر تبصرہ	۹۴

عنوان	نمبر صفحہ
اہل عملہ کی باہمی قرابت	۹۵
سرکاری ملازمت میں ایک خاص گروہ کا اقتدار	۹۷
اصلاح طلب امور	۹۷
شکریہ	۱۰۱
سر سالار جنگ ثانی کا ریمارک	۱۰۲
تخفیف مجلس مال گزاری	۱۰۴
نظامت صوبہ	۱۰۶
خطاب بہادری و جنگی	۱۰۶
صوبہ داری	۱۰۷
صوبہ شرقی	۱۰۸
صوبہ شرقی کی وسعت اور آبادی	۱۰۹
اصلاحات	۱۱۱
دورہ	۱۱۲
حکام کا طرز عمل	۱۱۳
بیگار اور دوسرے مظالم کی اصلاح	۱۱۸
اصلاح حدود	۱۲۴
قسط بندی کے اوقات کی اصلاح	۱۲۴
صوبہ کی آبادی اور اندرونی اصلاح پر توجہ	۱۲۷
حق زمینداری کا قیام	۱۲۹
مرمت و ترقی ذرائع آبپاشی	۱۳۳
مجلس کا قیام	۱۳۶
نواب انتصار جنگ کے اصلاحی احکام	۱۳۷

عنوان	نمبر صفحہ
سکندر آباد سے ورنگل تک جدید ریلوے لائن	۱۴۲
صوبہ کے صدر مقام کی تبدیلی اور جدید تعمیرات	۱۴۶
بازار راما پیٹھ	۱۵۳
انتصار گنج	۱۵۴
آبادی کی ترقی	۱۵۴
شفاخانہ	۱۵۴
لاوارث بچوں کا مدرسہ اور دارالاقامہ	۱۵۴
ملکی صنعت و پیداوار کی نمائش	۱۵۶
ایک عدالت کا افتتاح	۱۶۴
عام اصلاحات اور مفید احکام	۱۶۷
مفید احکام کی اشاعت	۱۶۸
بے ضابطہ عرائض کے ساتھ سلوک	۱۶۹
ممانعت معاملتِ قرضہ و خرید و فروخت ملازمین سرکار	۱۷۰
سرکاری محکموں اور دفاتر میں مسلح داخل ہونیکی ممانعت	۱۷۱
ریشم کے کیڑوں کے متعلق رعایا کو آزادی	۱۷۳
ترقی زراعت	۱۷۳
جانوروں کو زہر سے بچانے کی تدبیر	۱۷۴
پھل لانے والے درختوں کو رعایا کے لئے خاص کرنا	۱۷۵
ہنود کے مذہبی معاملات کا تعلق صدر الصدور سے منقطع ہونا	۱۷۵
ایک مجلس کا تقرر	۷۶
نواب انتصار جنگ کی سعی و عمل کے نتائج اور سرکاری طور پر اعتراف خدمات	۱۷۹
انقلاب وزارت اور نواب انتصار جنگ کا معتمدی مال گزاری کے عہدہ پر تبادلہ	۱۸۵
اعلیٰ حضرت اور سر سالار جنگ ثانی کے ناخوش گوار تعلقات	۱۸۷
رزیڈنٹ کی اندرونی مداخلت میں ترقی	۱۸۸
لارڈ ڈفرن کی آمد اور عام خیالات	۱۸۹
اعلیٰ حضرت کا انگریز پرائیویٹ سکرٹری	۱۹۰
سر سالار جنگ کا استعفا اور سر آسمان جاہ کا منصب وزارت پر فائز ہونا	۱۹۱
نواب انتصار جنگ کا معتمد مالگزاری مقرر ہونا	۱۹۲
پولیٹیکل پیچیدگیاں اور مشکلات	۱۹۳
کیبنٹ اسکیم	۱۹۴
مہمات ملکی اور نواب سر آسمان جاہ	۱۹۹
شملہ کا سفر اور لارڈ ڈفرن سے ملاقات	۲۰۱
انتظام مال گزاری اور مفید اصلاحات	۲۰۵
انعامات کا انتظام	۲۰۶
آبکاری کا جدید انتظام	۲۰۹
بندوبست	۲۰۹
کورٹ آف وارڈس کی اصلاح	۲۱۴

عنوان	نمبر صفحہ
درخت نصب کرنے کے متعلق مفید احکام	۲۱۶
تربیت اطفال لاوارث	۲۱۷
طب یونانی کا باقاعدہ انتظام	۲۱۸
اصلاح صیغۂ ملازمت	۲۲۱
تخفیف یافتہ ملازمین کا انتظام	۲۲۲
عہدہ دارانِ حال کی تنخواہ میں اضافہ	۲۲۳
اہل ملک کی ترقی کا خیال	۲۲۴
ایک تعلقہ دار کی معطلی	۲۲۵
ایک نائب تحصیلدار پر عتاب	۲۲۶
ایک دوم تعلقہ دار کی کارگزاری پر ریمارک	۲۲۶
عہدہ داروں کو عام تنبیہ	۲۲۷
سیاسی معاملات	۲۲۹
سردار دلیر جنگ کی ریلوے اسکیم سے اختلاف	۲۲۹
مقدمہ معدنیات	۲۳۵
نواب فتح نواز جنگ کا معاملہ اور رزیڈنٹ کی مداخلت	۲۵۵
مقدمۂ الماس	۲۶۲
امپیریل سروس ٹروپس اور نواب انتصار جنگ کی یادداشت	۲۶۸
استرداد برار کا معاملہ	۲۷۱
وظیفہ کی درخواست اور اس کے اسباب	۲۷۴
سی سالہ ملازمت کے متعلق نواب انتصار جنگ کا ایک پرمعنی بیان	۲۷۵
وظیفہ کی درخواست پر عام تعجب اور سرسید کی نارضامندی	۲۷۹
درخواست وظیفہ کا واپس لینا	۲۷۹
اضافہ تنخواہ	۲۸۱
خطاب دولہ و ملک سے سرفرازی	۲۸۱
دوبارہ سبکدوشی کا قصد	۲۸۳
ایک اور عرضداشت	۲۸۷
آخری عرضداشت اور فیصلہ	۲۹۴
نواب وقار الملک کا پرسنل اسسٹنٹ مدارالمہام مقرر رہونا	۲۹۷
حیدرآباد کا سیاسی مطلع اور آثار انقلاب	۲۹۹
اعلیٰ حضرت کی نارضامندی اور نواب وقار الملک کا زوال	۳۰۷
درخواست کی منظوری اور عتاب	۳۰۷
رزیڈنٹ کی چٹھی	۳۰۹
حیدرآباد سے روانگی	۳۱۰
وظیفہ	۳۱۲

عنوان	نمبر صفحہ
ایک سربستہ راز کا انکشاف	۳۱۳
نواب وقار الملک کا ایک پر اسرار خط	۳۱۴
ہز ہائنس نظام کی رائے سر آسمان جاہ اور اُن کے مشیروں کے متعلق	۳۱۴
ہز ہائنس کی ناخوشی کے اسباب	۳۱۵
بمبئی کا سفر اور ایک جدید انکشاف	۳۱۵
نواب سرور الملک کی ایک یادداشت	۳۱۶
سیزدہ سالہ یادداشت اور اعلیٰ حضرت کی نارضامندی	۳۱۷
یادداشت کے متعلق اعلیٰ حضرت کا خیال	۳۱۷
وفادار ملازمین کا صحیح طریق عمل	۳۱۹
سیزدہ سالہ رپورٹ کی حقیقت	۳۱۹
ہز ہائنس کو سفر انگلستان کی ترغیب	۳۲۰
نواب محسن الملک کا کاغذات لے کر رزیڈنٹ کے پاس جانا	۳۲۱
نواب افسر جنگ کا ہز ہائنس نظام کی خدمت میں حاضر ہو کر سب واقعات عرض کرنا	۳۲۲
سیزدہ سالہ یادداشت تیار کرنے والوں کا خطرناک مقصد	۳۲۲
اعلیٰ حضرت کی نارضامندی کا صدمہ	۳۲۳
عرضداشت وقار الملک بحضور نظام الملک آصف جاہ سادس	۳۲۷

عنوان	نمبر صفحہ
معذرت واستدعائے رحم	۳۲۷
بعض خیالات کے متعلق نواب صاحب کی گزارش	۳۲۸
معتمدی مالگزاری	۳۲۹
دوسرے عہدہ داروں کی وجہ سے مشکلات	۳۳۱
مدار المہام کی معروضات حضرت خداوندی میں	۳۳۲
فتح نواز جنگ سے دوستی	۳۳۳
نواب محسن الملک سے دشمنی	۳۳۴
الحب للہ والبغض للہ	۳۳۵
خیر خواہوں کے اقسام	۳۳۶
بعض تفصیل طلب واقعات	۳۳۷
مسٹر رودرا بیرسٹر کا معاملہ	۳۳۷
وقار الامرا کی واقفیت کا حوالہ	۳۴۰
الماس کا مقدمہ	۳۴۱
سردار دلیر الملک اور معدنیات کا مقدمہ	۳۴۲
حصص معدنیات	۳۴۶
ظفریاب مجرم انگریزی	۳۴۶
قتل ممتاز بی	۳۴۷
سالار جنگی اسٹیٹ کے معاملات	۳۴۷
کرنل مارشل کے خیالات نواب صاحب کی نسبت	۳۴۸
سر رچرڈ میڈ کے خیالات	۳۴۹
حیدرآباد سے علیحدگی اور بحالی کی وجہ	۳۵۱
زمانۂ بیکاری کی تنخواہ کا معاملہ	۳۵۳
علیحدگی کی وجہ نواب صاحب کو آخر تک معلوم نہیں ہوئی	۳۵۴

عنوان	نمبر صفحہ
اعلیٰ حضرت کی نارضامندی کا سبب معلوم ہونا	۳۵۶
سرڈینس کی ایک چٹھی نواب صاحب کی نسبت	۳۵۷
سرلوڈن کی چٹھی	

عنوان	نمبر صفحہ
اخیر معذرت و استدعائے ترحم شاہانہ	۳۶۰
خدمات حیدرآباد پر ایک عام تبصرہ	۳۶۴

حصّہ دوم

عنوان	نمبر صفحہ
ملکی و قومی خدمات	۳۷۹
علمی و تعلیمی خدمات	۳۸۱
سائنٹفک سوسائٹی میں شرکت	۳۸۱
ایک کتاب کا ترجمہ	۳۸۱
کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کا انعامی رسالہ	۳۸۲
مجلس خزینۃ البضاعت کی رکنیت	۳۸۴
مقام دارالعلوم کا انتخاب	۳۸۴
کمیٹی اشاعت تعلیم کی خدمت	۳۸۵
سرسید کا اعتراف	۳۸۶
بورڈنگ ہاوس کی نگرانی	۳۸۷
اعتراف خدمات	۳۸۹
مضامین تہذیب الاخلاق	۳۸۹
سرسید کی یادگار کی تحریک	۳۹۰
ٹرسٹیز بل کا معرکہ	۳۹۰
مولوی مشتاق حسین کا اختلاف	۳۹۲

عنوان	نمبر صفحہ
حیدرآباد سے کالج کی امداد	۳۹۷
نواب انتصار جنگ کی یادگار	۴۰۰
کالج کے انتظامی معاملات میں سرسید سے اختلاف اور مطالبہ اصلاحات	۴۰۳
نکتہ چینی کا آغاز	۴۰۸
آنریری سکرٹری کے اختیارات پر بحث	۴۱۱
آنریری سکرٹری کو خودمختاری سے باز رکھنے کی ضرورت	۴۱۴
سرسید کی وفات انتظامی پیچیدگیاں اور مشکلات	۴۲۲
سعی اصلاح	۴۲۳
علمی خدمت کا ارادہ	۴۲۵
سید محمود کی سکرٹری شپ سے علٰحدگی اور نواب وقار الملک کی رائے	۴۲۶

عنوان	نمبر صفحہ
جدید پریسیڈنٹ کے انتخاب کا معاملہ	۴۳۱
سلیکٹ کمیٹی کی تحریک اور ترمیم قانون میں سعی	۴۳۲
ایک جدید دشواری کا مقابلہ	۴۳۴
نواب محسن الملک سے اختلاف	۴۳۶
اسٹرانگ اور کمیشن تحقیقات	۴۴۲
آنریری سکرٹری کے عہدہ کا معاملہ	۴۵۰
نواب محسن الملک کی وفات اور بحث و اختلاف کا خاتمہ	۴۵۱
نواب وقار الملک کا آنریری سکرٹری کے عہدہ پر انتخاب	۴۵۲
خان بہادر محمد مزمل اللہ خان صاحب کی تقریر کا ملخص	۴۵۳
نواب وقار الملک کا جواب اور طلبہ کو تنبیہ	۴۵۴
کانفرنس کا اجلاس اور نواب وقار الملک کی تقریر پر اظہار مسرت	۴۵۵
مسلم لیگ کے صدر کا اظہار مسرت	۴۵۷
مولانا حالی پریسیڈنٹ کانفرنس کی رائے	۴۵۷
والیسرائے کی آمد اور نواب کا خطاب	۴۵۸
محسن الملک میموریل فنڈ	۴۵۹
نواب وقار الملک اور پرنسپل کا اختلاف اور اس کا نتیجہ	۴۶۰
اختلاف کا آغاز	۴۶۳
پرنسپل کا استعفا اور آنریری سکرٹری	۴۶۴
نواب صاحب کا طرز عمل بعد ملاقات ہز آنر	۴۶۸
مجلس مشورہ	۴۶۹
نواب صاحب کی مراسلت ہز آنر سے	۴۷۳
دوسری مجلس مشورہ اور اظہار رائے	۴۷۵
ملک کی عام رائے	۴۸۳
اسپیشل میٹنگ	۴۸۷
ہز آنر کی خدمت میں ڈپوٹیشن کا جانا	۴۸۸
اسپیشل میٹنگ کا دوبارہ منعقد ہونا	۴۸۹
فیصلہ ٹرسٹیان متعلق معاملات کالج	۴۹۰
ٹرسٹیوں کے فیصلہ پر پانیر کی رائے	۴۹۲
پرنسپل کے استعفے کا فیصلہ	۴۹۴
جدید پرنسپل کا تقرر	۴۹۵
قوم کی طرف سے اظہار اطمینان	۴۹۵
ٹرسٹیان کالج کی پالیسی کا اعلان	۴۹۶
اصلاحات و انتظامات	۴۹۸
قیام سنڈیکیٹ	۴۹۸
ٹرسٹیوں کی تعداد میں اضافہ	۵۰۱
قرض حسنہ	۵۰۳
کالج میں یونانی مطلب کا انتظام	۵۰۵
انگریزی طریقہ علاج کو ترقی	۵۰۶
فیلوشپ کا قیام	۵۰۷

عنوان	نمبر صفحہ
دینیات کا وظیفہ	۵۰۸
اسپیشل کلاس کی تجویز	۵۰۸
کالج کے وزیٹر اور مہمان	۵۱۱
پرنس حمید اللہ خاں کا داخلہ علی گڑھ کالج میں	۵۱۲
عمارات کی تکمیل و تعمیر	۵۱۳
گورنمنٹ سے مالی اعانت اور بعض حقوق کی درخواست	۵۱۴
گورنمنٹ کا عطیہ	۵۲۰
عام مالی امداد	۵۲۱
چندہ مسلم یونیورسٹی	۵۲۳
آمدنی و خرچ	۵۲۳
نماز کی تاکید اور مذہبی تعلیم کا خاص خیال	۵۲۴
نواب وقار الملک کا عہدہ آنریری سکرٹری سے استعفا	۵۳۳
وزیٹرشپ	۵۴۲
کالج کی خدمات پر مختصر تبصرہ	۵۴۴
آبزرور کی رائے	۵۴۴
ٹائمز آف انڈیا کا ریمارک	۵۴۶
اخبار محمڈن مدراس کا تبصرہ	۵۴۷
ایک معزز مقامی ٹرسٹی کا بیان	۵۴۸
نواب وقار الملک کے عہد زریں پر نکتہ چینیاں	۵۵۸

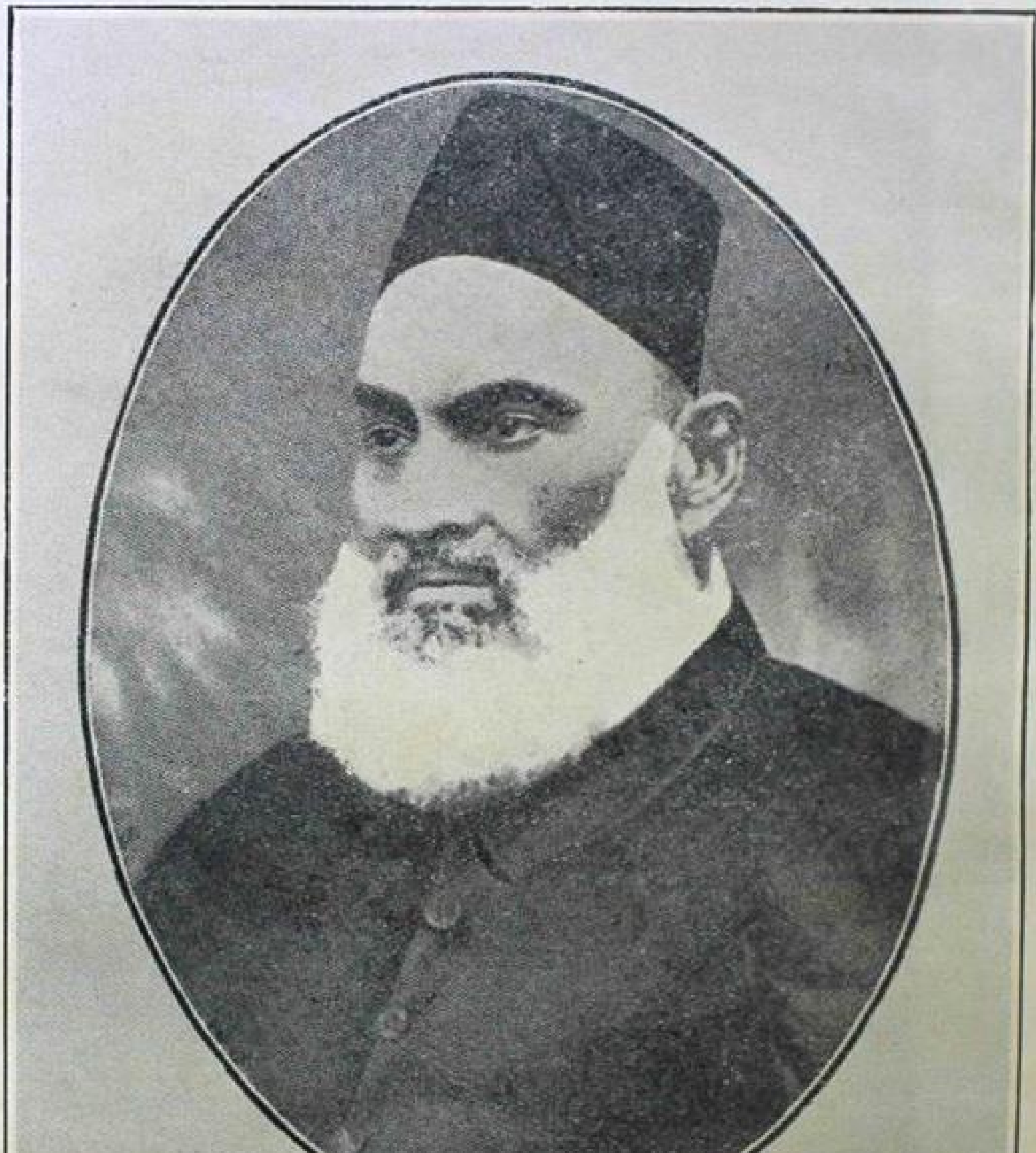
عنوان	نمبر صفحہ
مسلم یونیورسٹی کی تحریک	۵۶۱
ناگپور کانفرنس میں یونیورسٹی کی تحریک	۵۶۳
محمڈن یونیورسٹی کی تکمیل کے لئے کمیٹی کا قائم ہونا	۵۶۴
ممبر تعلیمات کی خدمت میں ڈپوٹیشن کا جانا	۵۶۶
ممبر تعلیمات کا مراسلہ	۵۶۷
نواب صاحب کا طرز عمل اور ایک یادداشت	۵۷۰
کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کے اجلاس	۵۷۷
نواب صاحب کے مخصوص خیالات	۵۷۷
سر راجہ صاحب کا علی گڑھ آنا اور مسودہ پر مباحثہ	۵۸۱
لکھنؤ کا اجلاس	۵۸۱
گورنمنٹ کا افسوسناک اعلان اور ایجی ٹیشن	۵۸۱
نواب صاحب کی جدید اسکیم	۵۸۶
فاؤنڈیشن کمیٹی کا ایک اہم اور تاریخی اجلاس	۵۹۲
نواب صاحب کی ایک پر اثر تحریر اور عام ہیجان	۵۹۶
نواب صاحب کی تحریر کے خلاف جواب کی تیاریاں	۶۰۰
فونڈیشن کمیٹی کا دوبارہ اجلاس اور نواب صاحب کا آخری پیام	۶۰۰

عنوان	نمبر صفحہ
عام تعلیمی خدمات	٦٠٤
علی گڑھ کی تعلیمی کمیٹی میں شرکت	٦٠٥
مدرسہ دیوبند کی اعانت	٦٠٧
ندوۃ العلماء کی اعانت و رکنیت	٦٠٨
انگریزی مدارس میں مذہبی تعلیم کے لئے جد و جہد ...	٦١١
دیہاتی تعلیم پر ایک مفید یادداشت	٦١٧
یونیورسٹی کمیشن میں شہادت	٦٢٠
گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی پر نکتہ چینی	٦٢٣
تعلیمی بلند نظری	٦٢٨
زنانہ تعلیم کی حمایت	٦٣٠
اسلامیہ ہائی اسکول ہوشیارپور کا سنگ بنیاد نصب کرنا ...	٦٣٣
پراونشل محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس صوبۂ بمبئی کی صدارت ...	٦٣٦
علمی خدمات	٦٤٣
اردو لٹریچر	٦٤٣
تصنیفی دماغ	٦٤٣
طرزِ تحریر	٦٤٤
انشا پردازی	٦٤٤
تخیل	٦٤٦
زورِ بیان	٦٤٧

عنوان	نمبر صفحہ
شیریں زبانی	٦٤٧
وسعتِ معلومات	٦٤٨
خوش طبعی و لطیفہ سنجی	٦٤٨
فارسی لٹریچر	٦٤٨
سیاسی خدمات	٦٥١
ایسوسی ایشن کا قیام	٦٦١
نواب محسن الملک کی رائے	٦٦٢
اردو ہندی کا جھگڑا	٦٦٣
نواب وقارالملک کی سیاسی زندگی کا آغاز ...	٦٦٤
پولیٹیکل ایسوسی ایشن کا آغاز	٦٦٥
شملہ ڈپوٹیشن	٦٧٠
مسلم لیگ کا قیام	٦٧١
آل انڈیا مسلم لیگ کی تکمیل	٦٧٩
لیگ کا دستور العمل	٦٧٩
لیگ کے اغراض	٦٨١
مشترکہ انتخاب سے اختلاف	٦٨٢
تقسیم بنگال کی منسوخی اور اسلامی سیاست کا دورِ جدید ...	٦٨٧
ہندوستان میں آئندہ مسلمانوں کی حالت	٦٨٩
نواب صاحب کے مضمون کا اثر	٦٩٤
اسلامی سیاست کے متعلق نواب صاحب کا ایک خط	٦٩٦

عنوان	نمبر صفحہ
طلبہ کو سیاسی تعلیم	۶۹۹
سیاست خارجیہ	۷۰۱
علالت و وفات مصائب و افکار اور خانگی حالات	۷۰۶
علی گڑھ میں ماتم	۷۰۸
نواب وقار الملک مغفور	۷۱۰
مسلم لیگ کا رزولیوشن	۷۱۳
تاریخ وفات نواب وقار الملک مرحوم	۷۱۴
نواب عزیز جنگ کا قطعہ	۷۱۴
اہل وعیال	۷۱۵
ترکہ و جائداد	۷۱۸
اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع کے حضور میں ایک عرضداشت	۷۲۲
عقائد	۷۲۳
عبادات	۷۲۵
نماز	۷۲۵
روزہ	۷۲۸
زکوٰۃ	۷۲۸
حج	۷۲۸
حلیہ، وضع قطع اور اندرونی معاشرت	۷۳۱
حلیہ	۷۳۱
لباس	۷۳۱
غذا	۷۳۲
خانگی معاشرت	۷۳۳
اخلاقی محاسن، عام عادات و اطوار، اور حسن معاشرت	۷۳۷
خدائے تعالیٰ پر توکل و اعتماد	۷۳۹
مخلوق سے استغنا	۷۴۰
شکر نعمت	۷۴۱
صبر	۷۴۲
رقت قلب	۷۴۴
ضبط نفس	۷۴۵
ثبات و استقامت	۷۴۶
اخلاقی جرأت	۷۴۹
آزادی رائے	۷۵۳
علو نفس	۷۵۴
انکسار	۷۵۶
خود داری	۷۶۰
استغنا	۷۶۳
غیبت سے احتراز	۷۶۳
پارٹی فیلنگ سے اجتناب	۷۶۴
نکتہ چینی کا اثر اور اعتراف خطا	۷۶۸
اختلاف رائے کی حالت میں نواب صاحب کا طرز عمل	۷۷۵

عنوان	نمبر صفحہ	عنوان	نمبر صفحہ
بے تعصبی	۷۷۹	**حسن معاشرت**	۸۰۹
مذہبی امور میں دوسروں کے احساس کا لحاظ	۷۸۲	ماتحت ملازمین کے ساتھ نواب صاحب کا طرز عمل	۸۱۰
دوسروں کے احساس و جذبات کا خیال	۷۸۳	عورتوں کی عزت	۸۱۹
انصاف پسندی	۷۸۴	اعزہ کے ساتھ حسن سلوک اور محبت	۸۲۰
مخلوق سے ہمدردی	۷۸۵	اہل وطن سے تعلقات	۸۲۴
احسان شناسی	۷۸۸	نواب صاحب کے احباب اور دوستانہ تعلقات	۸۲۷
فیاضی	۷۸۹	طلبہ کے ساتھ نواب صاحب کا طرز عمل	۸۳۱
دیانت	۷۹۴	**نواب صاحب کی اخلاقی کمزوریاں**	۸۴۰
احتیاط	۷۹۸	**محاسن اخلاق پر تبصرہ**	۸۴۹
رازداری	۸۹۹	مسٹر آرچبولڈ کی رائے	۸۵۰
اصول و قواعد کی پابندی	۸۰۰	مسٹر ٹول کی رائے	۸۵۰
احساس فرض	۸۰۲	مسٹر ڈنلاپ کی رائے	۸۵۱
ادائے فرض میں محنت	۸۰۳	صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کی رائے	۸۵۲



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

الحمدللہ دل کا ایک دیرینہ خیال عمل پزیر ہو کر آنکھوں کے سامنے ہے، دیر آید درست آید کا مصداق بنکر۔ نواب وقار الملک مرحوم زندہ تھے تو اُن کی زندگی ہر شعبۂ عمل میں وقار آفریں رہی۔ اُن کا ہر کام کارنامہ بنا۔ بعد وفات اُن کی "حیات" ادبِ اُردو کے واسطے روحِ تازہ ہے اور اُس کا وقار بڑھا رہی ہے اسی لیئے اُس کا نام "وقارِ حیات" رکھا گیا۔

مسلمانانِ ہند میں جدید خیالات کی عمومی اشاعت کا سہرا سرسید کے سر ہے یہ صور علی گڑھ میں پھونکا گیا۔ میں نے جب ہوش سنبھالا سید احمد خاں کا نام سُنا۔

کبھی تعریف سنی کبھی مذمت ۔ بسا اوقات تکفیر ۔ سر کا بِکنا اور مرنے کے بعد کاٹا جانا ایسا مسلّم واقعہ تھا جس میں چون و چرا کی مجال نہ تھی ۔ میرا نشو و نما ایسے خاندان میں ہوا جو مخالف و موافق دونو خیالوں کا مرکز تھا ۔ مذہباً مخالف، تعلیمی مقاصد میں موافق بلکہ موّید ۔ اور یہ دونوں پہلو صاف صاف عیاں تھے ۔ میرے محترم عم مولوی عبدالشکور خاں صاحب مرحوم سرسید کے تعلیمی خیالات کے موّید تھے اور تا بزیست رہے ۔ مذہبی خیالات کے علانیہ مخالف ۔ مذہبی صداقت عجب شان رکھتی ہے ۔ سرسید مرحوم کی رحلت کے بعد میں نے اُن کی نسبت چچا صاحب سے رائے پوچھی تو فرمایا "سید صاحب کی راستبازی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ۔ اسی کا اثر تھا کہ عدالتی فیصلوں میں انصاف کے مقابلے میں کبھی قانون کا لحاظ نہیں فرمایا" ۔ تائید میں خود اپنا ایک تجربہ بیان فرمایا ۔ دوسری جانب فیشن اور خودغرضی کی بے ثباتی دیکھو ۔ ایک بڑے نام نہاد نیچری سے (جو غائبانہ بھی سرسید مرحوم کی دعا پر آمین جہری سے کہتے تھے) حیات جاوید کی اشاعت پر جب میں نے سوالِ بالا کیا تو کہا "سید محمود بہت خوفناک آدمی ہیں ورنہ ریویو لکھ کر صداقت کا انکشاف کیا جاتا ۔ سید احمد خاں نہایت خودغرض اور بدباطن شخص تھا" ۔ میں اس رائے کو اُن کے منہ سے سنکر متحیر رہ گیا اور آج تک حیرت باقی ہے ۔ جب اظہارِ عقیدت اور اس رائے کا تصور بندھتا ہے انسانی باطنی کیفیت کی ایک عجیب تصویر ذہن میں پھر جاتی ہے ۔

خلاصۂ کلام، سرسید مرحوم کے ذکر کے ساتھ ساتھ اُن کے رفقا کا ذکر بھی ہوتا ۔ علی گڑھ میں تو مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم اور خواجہ محمد یوسف مرحوم کا بول بالا تھا ۔

محسن الملک مرحوم اور وقار الملک مرحوم خود ہر چند دور تھے مگر اُن کا ذکر بھی زبانوں سے قریب تھا بلکہ زبانوں پر تھا۔ ٹرسٹیز بل کے پیش ہونے پر رفقا کا تذکرہ بہت زیادہ بلند آوازہ رہا۔ بعض شدید مخالف ہو گئے، بعض شدید موافق، بعض اعتدال پسند۔ اُسی زمانے میں نواب وقار الملک مرحوم کی وہ مشہور رائے شائع ہوئی جس میں مخالفت کرتے ہوئے عمارت عدالت کی جانب اشارہ تھا۔ سر سید مرحوم نے باوجود مخالفت اس رائے کا بالاعلان احترام کیا اور صداقت پر آفریں فرمائی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وقار الملک مرحوم کی صداقت کا اثر دل نے محسوس کیا۔

سر سید مرحوم کی زندگی کے آخری دنوں میں جانشینی کا مسالہ اکثر زبانوں پر رہتا تھا۔ اس سلسلے میں نامور رفقا کے کارنامے مذکور ہوتے۔ اُن پر اظہار رائے کیا جاتا۔ میں نے دیکھا کہ مخالف و موافق دونوں رائیں اُن کی صداقت کی معترف تھیں، مخالفت تھی تو اُن کی رائے کی سختی کے خیال سے۔

صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے ایک بار فرمایا تھا اور خوب فرمایا تھا، "محسن الملک تیل ہی تیل ہیں وقار الملک لوہا ہی لوہا جب تک دونوں نہ ہیں کالج کی مشین نہیں چل سکتی"۔

بالآخر حیدرآباد کے انقلابوں نے ان دونو کو بھی علی گڑھ پہونچا دیا۔

ایک بار سر سید مرحوم نے مجھ سے وقار الملک مرحوم کی دیانت کی تعریف فرمائی کہ سر آسمان جاہ کے ساتھ علی گڑھ آئے تو تیلوں میں پیوند لگے تھے۔ اسی سلسلے میں اُن کے نامور رفیق کی نسبت فرمایا کہ جب کوٹھی بنائی تو ستر ہزار روپیہ کا فرنیچر ولایت سے آیا۔ لمپ کی

چمنیوں پر مانو گرام منقوش ہو کر ولایت سے آتا تھا۔

خلاصہ قبل اس کے کہ وقار الملک مرحوم سے نیاز حاصل ہو اُن کی دیانت و صداقت دل پر نقش ہو چکی تھی۔ سب سے اوّل نواب محسن الملک مرحوم کے یہاں ملاقات ہوئی اور اُسی موقع پر نمازِ مغرب ساتھ ادا کی۔ اس کے بعد نواب صاحب کو بہت کچھ دیکھا سکرٹری شپ کے زمانے میں تعلیمی و سیاسی دونو میدانوں میں ساتھ کام کرنے کی عزت حاصل ہوئی۔ پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ حیدرآباد ذاکر اُن کے متعلق اتنا سنا کہ اُس سے زیادہ ممکن نہیں۔ جتنا دیکھا جتنا سنا اُسی قدر دیانت و صداقت کا نقش گہرا ہوتا گیا۔ یہ اوصاف خاص نتیجہ تھے مذہبی عقیدہ کی پختگی اور فرائض مذہبی کی پابندی کا۔

سید محمود مرحوم کی سکرٹری شپ کے زمانے میں اُن کے جانشین کا انتخاب شدید ضروری ہو گیا تھا۔ کالج کے ایک بنگلہ میں ایک بار جلسۂ شوریٰ ہوا بہت سے نامور ٹرسٹی شریک تھے۔ متوفی مسٹر بیک کا اثر کام کر رہا تھا۔ دروازے بند کر کے مشورہ کیا گیا۔ سوال ہوا جدید آنریری سکرٹری کون ہو۔ کثرتِ رائے نواب محسن الملک مرحوم کے حق میں تھی۔ وقار الملک مرحوم نے مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم کا نام لیا میں نے وقار الملک کا۔ اُس وقت کی محسن الملک مرحوم کی نگاہ غلط انداز اب تک مجھ کو یاد ہے۔

خلاصۂ کلام۔ تجربہ کی مضبوط بنیاد پر میرا یہ عقیدہ ہے کہ رفقائے سر سید مرحوم میں وقار الملک صداقت و دیانت میں پایۂ بلند رکھتے تھے۔

سنہ ۱۹۱۷ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب انڈیا کونسل کے ممبر ہو کر انگلستان

تشریف لے گئے۔ اُن کی جگہ میں کانفرنس کا جنٹ سکرٹری مقرر ہوا۔ مجھ کو اب تک اقرار نہیں کہ یہ انتخاب بجا ہوا۔ اس انتخاب کے بعد میں نے کانفرنس کے مقاصد قواعد میں دیکھے ادبی پہلو میں ترقی کی گنجائش پائی۔ اہلِ علم و قلم کو متوجہ کیا۔ ذرائع محدود تھے۔ تاہم بعض نادر نمونے پیش نظر آگئے۔ مثلاً تاریخ گجرات پر مولوی سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم کا رسالہ "یادِ ایام"۔ اس کو تاریخی مضامین کا نمونہ کہہ سکتے ہیں۔ یا مذہب و عقل کی بحث پر مولوی عبدالباری صاحب ندوی کا رسالہ "مذہب و عقلیات" اس نازک بحث میں قول فیصل کہ یہ رسالہ سنگ بنیاد ہی بلکہ بنیاد۔

کانفرنس کا ایک مقصد مشاہیر کی حیات لکھوانا بھی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ رفقائے سرسید مرحوم سب سے اوّل (بلحاظ اپنی قومی خدمات کے) توجہ کے مستحق ہیں۔ یہ علمی خدمت بھی ہے اور ادائے شکر بھی۔

نواب وقار الملک مرحوم کے اسلامی خصائل ملک و ملت کے واسطے کامل رہنما ہیں اس لیئے میں نے رفقا میں سے اوّل حیات نگاری کے لیئے منتخب کر کے کانفرنس کے سامنے پیش کیا۔ اس تجویز کو کانفرنس کے اجلاس نے بالاتفاق منظور فرمایا۔

اب سوال تھا سرمایہ، مواد تاریخی اور حیات نگاری کا۔ سرمایہ تو واجبی ہی ملا۔ مواد بمشکل دستیاب ہوا۔ اس کے لیئے عزیز سعید مولوی مشتاق احمد صاحب سلمہ دلی سپاس بلکہ تحسین کے مستحق ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً۔

مولوی محمد امین صاحب زبیری مہتمم دفتر تاریخ بھوپال کی مدد بھی لائق شکر ہے۔ ایک

معمر بزرگ ایسے ملے جنھوں نے وقار الملک مرحوم کا شباب دیکھا تھا۔ جن ابتدائی حالات سے کاغذ ساکت تھا اُن کی زبانی معلوم ہوئے۔ اُسی عرصہ میں اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ نے بکمال ذرہ نوازی اس ناچیز کو حیدرآباد طلب فرمالیا۔ یہاں کی حاضری گویا تکمیل وقار حیات کا مقدمہ تھی۔ یہاں دو صاحب ایسے ملے جنھوں نے سالہاسال وقار الملک مرحوم کی پیشی میں کام کیا تھا۔ ایک نواب عزیز جنگ دوسرے نواب لطیف یار جنگ بہادر۔ یہ دونوں صاحب واقفیت کے ساتھ ساتھ صاحب نظر اور صاحب الرائے بھی تھے۔ گراں بہا مدد اُن کی رہنمائی اور بیان سے ملی۔ اول الذکر اب مرحوموں کی فہرست میں داخل ہو چکے غفرلہٗ۔ دوسرے زندہ ہیں۔ سلامت رہیں۔ دلی سپاس قبول فرمائیں۔ صوبہ دریگل وقار الملک مرحوم کی انتظامی کوششوں کا دار العمل رہ چکا ہے۔ وہاں سے بھی مواد فراہم کیا گیا۔ ایک بوڑھے ہندو جو وقار الملک مرحوم کے زمانہ میں تحصیلدار رہ چکے تھے ملے۔ اُنھوں نے جب سنا کہ وقار الملک کے حالات لکھے جاتے ہیں تو جوش عقیدت میں یہ کہہ کر سوانح نگار کے ہاتھ چومے کہ جو ہاتھ ایسے بزرگ کے حالات لکھیں وہ چومنے کے لائق ہیں اس کے بعد با چشم پر نم چشم دید حالات بیان کیے۔ غرض جس مواد تاریخی پر اس حیات کی بنیاد ہے وہ تمامتر تحریری اور مستند تحریری ہے یا خود نواب صاحب مرحوم کی یادداشتوں اور محفوظ خطوط سے لیا گیا ہے۔ یا سرکاری مثلوں اور کتابوں سے بہت سا حصہ معتمد اور واقف کار اصحاب کی زبانی شہادت ہے جو عینی شاہد ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو مواد استعمال ہوا ہے وہ اتنا ہی معتمد ہے جو کسی سوانح عمری کا ہو سکتا ہے۔

کیسی خوش قسمتی تھی کہ حیات نگار مولوی محمد اکرام اللہ خاں صاحب ندوی ملے۔ مولوی صاحب قدرتاً متین، صاحب فکر اور جفاکش واقع ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ وقائع نگاری میں ملکہ رکھتے تھے۔ رسالہ الندوہ کے ایڈیٹر رہ چکے تھے۔ عجب اتفاق ہے کہ جسماً بھی وہ اپنے ہیرو سے بہت مشابہ ہیں۔ نواب لطیف یار جنگ بہادر نے دیکھ کر فرمایا کہ ان کا تبسم بالکل نواب صاحب مرحوم کا تبسم ہے۔

مولوی صاحب نے نہایت انہماک اور محنت سے اس کام کو انجام دیا ہے۔ حیدرآباد پہنچ کر میں نے ان کو بھی یہاں آجانے کی زحمت دی تاکہ مواد اطمینان سے فراہم ہو سکے اسی دوران میں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا۔ موسم نہایت گرم یعنی جون کا تھا۔ مولوی صاحب صبح سے تلاش مقصود میں نکل جاتے شام کو واپس آتے۔ اس اثنا میں کاغذات گھنٹوں پڑھتے۔ لوگوں سے ملتے۔ ضرورت ہوتی تو میلوں پیدل چلتے۔ شام کو یہ حالت ہوتی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا۔ میں نے اس اندیشہ سے کہ بیمار نہ پڑ جائیں محنت کم کرنے کی فرمایش کی۔ بے سود۔ ہدایت کی بیکار۔ تاکید کی اب اثر ہوا اور مولوی صاحب نے سواری کی مدد لی۔ محنت و انہماک کے ساتھ مولوی صاحب کی نظر بالغ ہے تحریر بلیغ مورخانہ، واضح، مسلسل اور فضول نویسی سے پاک۔ اُن کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ صدہا صفحے پڑھیں، نگاہ کو ثابت قدم رکھیں کارآمد باتیں اخذ کر لیں اور بیکار باتوں سے متاثر نہ ہوں اس کے بعد صورتِ واقعہ و معاملہ مورخانہ لکھ دیں۔ ایک حیات نگار ایسا ہی ہونا چاہیے مولوی صاحب کا شکر حسب قدر ادا ہو کم ہے بلکہ بہت کم۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

غرض نہایت مستند مواد اور فاضل وقائع نگار کی کئی برس کی جانکاہ محنت کا ثمرہ وقار حیات کی شکل میں جلوہ فرما ہے۔ اہلِ خدمت اپنا کام کر چکے اب قدر اہلِ نظر کے ہاتھ ہے۔ وقار حیات کی شان بے تکلف یہ کہنے کی اجازت دیتی ہے کہ حیات جاوید کی بہترین رفیق ہے۔ یہی مرتبہ رفقا میں اُس کے ہیرو کا تھا۔ خدا کرے دوسرے رفقا کی حیات نگاری سے بزم معنوی ایسی ہی آباد ہو جیسی سر سید مرحوم کی جسمانی بزم معمور تھی۔ کانفرنس تجویز کر چکی ہے کہ وقار الملک مرحوم کے بعد نواب محسن الملک مرحوم کی حیات لکھی جائے حال میں یہ خبرِ خوش کان میں آئی ہے کہ ایک لائق اہلِ قلم کا نوشتہ قاضی رضا حسین مرحوم کی حیات کا مسودہ کانفرنس کو ملنے والا ہے۔ یاد ہوگا کہ قاضی صاحب احد نمایندے بہار کے سر سید مرحوم کی بزم عالی میں تھے کیا ادب اس کہنے کی اجازت دیگا کہ حیات جاوید اور وقار حیات قدیم تعلیم کے فرزندوں کی محنت کا ثمر ہیں۔ جدید اہل قلم بھی اپنا عالی دماغ اس جانب مائل فرمائینگے۔

بات میں بات پیدا ہوتی ہے۔ مسلم یونیورسٹی پر نظر ڈالو۔ مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم نے چھپر کے نیچے اسکول کا آغاز کیا۔ سر سید مرحوم کی کوشش نے پختہ عمارتوں میں کالج کا جلوہ دکھایا۔ محسن الملک مرحوم نے چار دانگ ہندوستان کو سر سید کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا۔ وقار الملک مرحوم نے محسن الملکی فتوح کو عمیق کیا مضبوط کیا۔ سطح کو عمق بخشا۔ کالج کو اُس وقت چھوڑا جب وہ یونیورسٹی بن چکا تھا۔ تعلیم جدید کے جوہر دیکھنے کے لیے نگاہیں مشتاق ہیں۔ خداوند تعالیٰ مبارک فرمائے۔ اس دور کی ترقیوں کی فہرست اس سے

بھی طویل ہو۔

خصائل وقار الملک

مشک عطار کے تعارف کا محتاج نہیں ہوتا۔

وقارِ حیات اپنی داستان خود ہی سنا رہی ہے تاہم مقدمہ نگاری خلاصہ نگاری کی متقاضی ہے

وقار الملک مرحوم معمولی حیثیت کے شریف گھر میں پیدا ہوئے۔ مکتب کی تعلیم پائی ابتدائی کاروبار بھی محض معمولی تھے۔ ملازمت دس روپیہ ماہوار سے شروع کی۔ ترقی آہستگی سے کی تنخواہ میں بھی اور مراتب میں بھی۔ میدانِ عمل وسیع پایا۔ ایک وقت حیدرآباد کی سلطنت میں اصلی کارفرما اُن کی قوت تھی۔ زندگی کے کارنامے دفتر اور حکومت دونو میں عیاں ہوئے۔ حاکم بھی رہے محکوم بھی۔ ادنیٰ محکومی ایک کنارہ پر اور حاکمی دوسرے کنارہ پر اس میدان عمل کے ہیں۔

مسلمانوں کی سیاسی خدمت بورڈنگ ہوس کی سپرنٹنڈنٹی سے کالج کی اور لیگ کی آنریری سکرٹری شپ تک کی۔ کالج کا سکرٹری ہونا مسلمانانِ ہند کا سردار ہونا تھا۔ یہ مرتبہ اس منصب کو سرسید مرحوم سے لے کر وقار الملک مرحوم کے عہد تک رہا۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ نزاکتیں بڑھیں نزاکتوں کے ساتھ ذمہ داری۔ کراچی میں کانفرنس کا اجلاس نواب وقار الملک مرحوم کے اقبال کی شہادت تھا جب تمام ملک کے نمائندوں نے بالاتفاق اُن کو اپنا لیڈر (سالار) تسلیم کیا۔

اِنہی مصروفیتوں میں، فرصت ملی تو قلمی علمی خدمت بھی کی۔ نپولین کی سرگزشت اِس کی یادگار ہے۔ تہذیب الاخلاق شاہد صادق ہے۔

ایک ممتاز پہلوان کی زندگی کا سرسید مرحوم کی رفاقت ہے۔ پہلو نہیں کارنامۂ اعظم خود مجھ سے بیان فرمایا تھا کہ پہلی بار سرسید مرحوم سے اُس وقت ربط حاصل ہوا جب دونو مرادآباد کے قحط کے اہتمام میں یکجا ہوئے۔ سرسید مرحوم اعلیٰ افسر تھے یہ اہلکار۔ ایک نے دوسرے کو دیکھا جانا، مانا، ایک نے رفیق دوسرے نے سردار بلکہ پیر و مرشد۔ یہ عقیدت اور اعتقاد زندگی کے ساتھ رہا جان کے ساتھ گیا ؏

با تو آں عہد کہ در وادیِ ایمن بستیم
ہمچو موسیٰ ارنی گوئے بمیقات بریم (حافظ)

اس رفاقت کا دوران صدی کا ایک ثلث زمانہ ہے۔ اس دراز مدت میں ایک بار سے زیادہ اختلاف ہوا۔ شدید ہوا۔ اظہار اختلاف کا لہجہ بھی مریدانہ اور عقیدتمندانہ تھا۔ اختلاف پر اصرار کے وقت بھی تحریر سے تقریر سے حرکات سے سکنات سے جوش عقیدت ٹپکتا تھا۔ ہر ادا ثابت کرتی تھی کہ ایک عقیدتمند مرید اپنے مرشد کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔ مثال۔ عروج حیدرآباد کے زمانے میں ایک مجمع اکابر نے یہ سماں دیکھا کہ وقارالملک کی ترکی ٹوپی اُن کے ہاتھ میں ہے گھٹا ہوا سر سرسید کے سامنے جھکا ہے زبان سے کہہ رہے ہیں "یہ سر حاضر ہے جوتیاں ماریئے مگر عرض یہی کرونگا کہ رائے آپ کی غلط تھی"۔

سرسید مرحوم کی وفات کے بعد قریباً بیس برس زندہ رہے۔ مرشد سے بہت زیادہ مرید کو ہندوستان کے عرض و طول میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ وفاداری کی داد دیجئے کبھی مرید سے زیادہ اپنے آپ کو نہیں سمجھا۔ مرشد کا سجادہ مرشد کی طرح واجب الادب ہا

بلکہ ادب آموز جوہر وفاداری میں وقار الملک منفرد نہ تھے محسن الملک مرحوم مولوی زین العابدین خاں مرحوم۔ برکت علی خاں مرحوم۔ خلاصہ باستثنائے قلیل سرسید مرحوم کے سارے رفیق اُن کی عقیدت و محبت جان کے ساتھ لے گئے۔ ہاں اس میں منفرد تھے کہ اختلاف کی جرارت کرتے تھے، جرارت کے بعد اظہار، اظہار پر اصرار، اصرار پر استحکام۔ اسی کے ساتھ عقیدت مستحکم۔

اِن چہارگانہ خصائل میں اُن کو جب اور جہاں دیکھو گے دلیر اور مستعد پاؤ گے۔ بزدلی اور کاہلی یہ لفظ اُن کی لغاتِ زندگی میں لکھے ہی نہیں گئے۔ آخر عمر میں کمزوری ہے گھٹنوں میں درد ہے۔ تاہم بلند زینہ پر چڑھتے اُترتے ہیں۔ جب عرض کی اس زحمت فرمانے کی کیا ضرورت تھی جواب دیا بلکہ دل پر لکھدیا کہ انسان کو اپنی محنت کا خوگر رہنا چاہیئے۔

اُن کی زندگی کی کل جس طاقت سے چل رہی تھی اور چلتی رہی وہ اُن کی مذہبی زندگی تھی۔ بچپن میں نماز کے گھر میں پابند تھے۔ بڑے ہوئے تو نماز کے پیچھے انگریزی ملازمت چھوڑی۔ عروج حیدرآباد کے دور میں شاہی اسپشل اُن کی نماز کے واسطے روکی گئی۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس زندگی میں اُن کی اوّلیں سعادت یہ تھی کہ اُن کے قلب نے قوت کے ساتھ صداقتِ ایمانی کو جذب کیا اور یہ انجذاب تہ تک پہنچا۔ اسی کا نام ہے قوتِ ایمانی قوتِ ایمانی کو لازم ہے پابندیِ ارکانِ اسلام۔ قوتِ ایمان اور پابندی ارکان کا نتیجہ تھی وہ پُرعظمت زندگی جس کا کارنامہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کارنامہ کا

طرۂ امتیاز صداقت وجانفشانی تھی۔ یہی سبق تم اس شاندار زندگی سے حاصل کر سکتے ہو مگر یاد رکھو ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ (سعدیؒ)

حیدرآباد
۲۱ نومبر سنہ ۱۹۲۵ء

محمد حبیب الرحمٰن صدر یار جنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید و شکریہ

الحمد للہ کہ مدت کی سعی و کوشش کے بعد آج ہم کو یہ موقع حاصل ہوا ہے کہ نواب وقار الملک مرحوم و مغفور کی مفصل سوانح عمری ملک کے سامنے پیش کر سکیں، حقیقت تو یہ ہے کہ نواب وقار الملک کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں، گزشتہ نصف صدی میں اُن کی شاندار قومی خدمات اس قدر روشن و درخشاں رہی ہیں اور آخر زمانہ میں اُن کی ذات تمام قومی تحریکوں پر اس طرح حاوی رہی ہے کہ آج بھی اُن کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے، اگر اُن کی سوانح عمری نہ بھی لکھی جاتی جب بھی زمانہ اُن کو مدت تک یاد رکھتا، البتہ اس قوم کے لئے جس کی اُنھوں نے مسلسل پچاس سال تک خدمت کی یہ امر باعث شرم ہوتا کہ ایسے بلند پایہ رہ نما کی کوئی سوانح عمری نہ لکھی جائے۔

قومی خدمات کے سلسلہ میں نواب صاحب مرحوم نے سب سے زیادہ علی گڑھ تحریک کی خدمت کی ہے، اس لئے علی گڑھ کے ارباب حل و عقد کا یہ فرض تھا کہ وہ اس خدمت کو انجام دیتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور علی گڑھ میں سب سے پہلے جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی اور جناب ممدوح نے خاکسار کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔

سوانح عمری کی تالیف و ترتیب سے پہلے مواد فراہم کرنے کی ضرورت تھی خود نواب صاحب مرحوم کے پاس ملازمت حیدرآباد اور علی گڑھ تحریک کے متعلق معقول ذخیرہ مختلف کاغذات کا موجود تھا جو اگرچہ اُن کی وفات کے بعد کامل طور پر

محفوظ نہیں رہا، لیکن جو کچھ رہا وہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ اس میں سے ایک کافی حصہ مولوی محمد امین صاحب مہتمم دفتر تاریخ بھوپال کے پاس چلا گیا جو خود بھی نواب صاحب کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے، باقی امروہہ میں محفوظ رہا، جب مرحوم کے فرزند صاحبزادہ مشتاق احمد صاحب کو معلوم ہوا کہ جناب آنریری سکرٹری صاحب ایجوکیشنل کانفرنس نواب صاحب کی سوانح عمری تیار کرانا چاہتے ہیں، تو صاحبزادہ ممدوح نے یہ تمام مواد کانفرنس کو دینا منظور فرمایا۔ چنانچہ مولوی انوار احمد صاحب مارہروی امروہہ بھیجے گئے۔ جو تمام کاغذات فراہم کر کے لے آئے۔ اس کے بعد علی گڑھ میں مواد جمع کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، کی قریباً پچاس برس کی جلدیں، ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی رودادیں، تہذیب الاخلاق و علی گڑھ میگزین کے پرچے اور ٹرسٹیوں کے اجلاس کی رپورٹیں، فراہم کی گئیں یا نظر سے گزریں، اس کے علاوہ گزشتہ چالیس پچاس سال میں علی گڑھ کے ارباب حل و عقد نے جو تعلیمی و سیاسی لٹریچر شایع کیا اس کا بڑا حصہ بھی مطالعہ میں آیا، بہت سے کانفڈنشل خطوط بھی حاصل ہوئے جن سے اکثر مخفی واقعات پر اطلاع ہوئی۔

جب علی گڑھ میں معتد بہ مواد فراہم ہو گیا تو حسب الارشاد جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی دولت آصفیہ، حیدر آباد کا سفر کیا، ابتدا میں تو یہ سفر محض تعمیل ارشاد کے طور پر تھا لیکن وہاں قیام کے بعد تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ سفر ناگزیر تھا جس کے بغیر "وقار حیات" کی تکمیل ناممکن تھی، میں حیدر آباد کی عام حالت و سیاست سے قطعاً بیگانہ و ناآشنا تھا، اور خصوصیت کے ساتھ نواب وقار الملک کے عہد کی سیاست کو سمجھنا چاہتا تھا، موجودہ زمانہ میں اعلیٰ حضرت نظام الملک آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کے عہد میں حیدر آباد بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ہر طرف اصلاح، ترقی، بیداری، زندگی اور زندہ دلی کے آثار نمایاں ہیں، لیکن گزشتہ عہد کا

حیدر آباد کچھ اور تھا، اور جب تک اُس عہد کی حالت معلوم نہ ہو نواب وقار الملک کی خدمات کا
صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا،

غرض حیدر آباد پہنچکر حالات کی تلاش و جستجو میں مصروف ہونا پڑا، وقت کا بڑا حصہ کتب خانہ آصفیہ
اور بعض سرکاری دفاتر میں گزرا، اور باقی اُن اصحاب کی ملاقاتوں میں جو نواب صاحب کا زمانہ
دیکھ چکے یا اُن کے ساتھ کام کر چکے تھے، سب سے زیادہ مدد اس مقصد میں نواب عزیز جنگ (مرحوم) اور
نواب لطیف یار جنگ بہادر سے ملی، ان بزرگوں نے صرف یہی مدد نہیں دی کہ بعض دلچسپ واقعات
بتائے بلکہ اصلی مدد یہ تھی کہ اُنھوں نے اپنی واقفیت کی بنا پر مواد کی طرف رہنمائی کی اور یہ بتایا
کہ کون کون سی چیزیں کہاں کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں!

نواب لطیف یار جنگ بہادر کو نواب صاحب مرحوم سے خاص عقیدت ہے، اس لیے ممدوح
باوجود مصروفیت خود بھی مواد تلاش کرنے میں مصروف رہے، نواب صدر یار جنگ بہادر مولنٰا
محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کے کتب خانہ میں بھی حیدر آباد کے متعلق متعدد کتابیں تھیں وہ
بھی مطالعہ سے گزریں، اس کے بعد نواب لطیف یار جنگ بہادر کے مشورہ سے حسب الارشاد
نواب صدر یار جنگ بہادر صوبہ شرقی کا سفر کیا جہاں نواب وقار الملک نے چند سال تک صوبہ دار
کی حیثیت سے کام کیا تھا، ہنمکنڈہ میں مختصر قیام کرنے کے بعد صوبہ کے صدر مقام ورنگل میں مقیم ہوا،
جہاں تمام سرکاری دفاتر موجود ہیں، خوش نصیبی سے یہاں جناب میر ولایت علی صاحب مددگار صوبہ دار
سے ملاقات ہوئی، جناب موصوف کے بزرگوں سے اور نواب صاحب مرحوم سے خاص تعلقات
تھے، اس بنا پر اُنھوں نے اس کام میں بے حد مدد دی، اور میرے قیام و آسائش کا بھی معقول انتظام
کر دیا، اگر میر صاحب ممدوح کی توجہ نہ ہوتی تو صوبہ شرقی سے مواد کا ملنا نہایت مشکل تھا۔

یہاں صوبہ داری کے دفتر میں نواب صاحب مرحوم کے عہد کے کاغذات کا کافی ذخیرہ تھا

ہزاروں صفحے تو مختلف مقدمات کے فیصلوں کے متعلق خود نواب صاحب مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، اس طومار کا پڑھنا اور سمجھنا اور ضروری مضامین کا انتخاب کرنا آسان کام نہ تھا، لیکن مسلسل مصروفیت نے اس دشواری کو حل کر دیا، میں اس مواد کے مطالعہ اور تلخیص و انتخاب میں مصروف ہو گیا اور دو شخص نقل و کتابت کے لئے مامور کئے، دفتر میں نواب وقار الملک کے زمانہ کے سرکاری حرانید بھی محفوظ تھے وہ بھی بالاستیعاب نظر سے گزرے، اور اُن سے ضروری واقعات کا انتخاب کیا گیا غرض چند ہفتہ کی پیہم مصروفیت نے ایک کافی ذخیرہ معلومات کا فراہم کر دیا (اگرچہ بخوف طوالت کتاب میں مشکل سے اس ذخیرہ کے ایک ربع حصہ سے کام لیا گیا ہی) حیدرآباد آنے پر نواب لطیف یار جنگ بہادر نے بعض رپورٹیں اور نواب عزیز جنگ نے نواب صاحب مرحوم کے بعض احکام اور تحریریں عنایت کیں اور میں یہ ذخیرہ اپنے ہمراہ لے کر علی گڑھ آیا اور مواد کی تلخیص و کتاب کی ترتیب و تالیف میں مشغول ہو گیا۔

اگرچہ اب علی گڑھ اور حیدرآباد کے متعلق معلومات کا کافی ذخیرہ میرے پیش نظر تھا، لیکن جو لوگ تحریر و تالیف میں مشغول رہتے ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہر سوانح نگار کی طبعاً یہ خواہش ہوتی ہی کہ اپنے ہیرو کے حالات کے متعلق جو کچھ وہ زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکتا ہی اس کو حاصل کرے تاکہ لائف ہر پہلو سے مکمل ہو، اس بنا پر یہ چیز بار بار میرے دل میں کھٹکتی تھی کہ جو مواد مولوی محمد امین صاحب نے امروہہ سے حاصل کیا ہی اور جو دوسرے ذرائع سے بڑی سعی و کوشش کے بعد چند سال میں جمع کیا ہی اگر وہ سب بھی پیش نظر ہو، تو یہ کتاب زیادہ مکمل ہو سکتی ہی۔ خود مولوی محمد امین صاحب کی بھی یہ خواہش تھی کہ نواب صاحب کی جو لائف تیار ہو وہ مواد کی حیثیت سے مکمل ہو، لیکن موجودہ صورت میں جب کہ مواد دو جگہ منقسم تھا، تکمیل دشوار تھی، باہمی گفتگو و مراسلت نے اس مشکل کو حل کر دیا اور یہ طے پا گیا کہ یہ تمام مواد یکجا کر لیا جائے، چنانچہ اس غرض سے میں نے بھوپال کا سفر کیا

اور مولوی محمد امین صاحب نے وہ تمام ذخیرہ جو چار پانچ سال کی محنت و کوشش سے جمع کیا تھا میرے سامنے رکھ دیا۔

مولوی محمد امین صاحب نے نہ صرف مواد جمع کیا تھا، بلکہ اپنا مسودہ بھی تیار کر لیا تھا جو قریباً چار سو صفحہ کا تھا، اور مواد کا یہ ذخیرہ صرف نواب صاحب تک محدود نہ تھا بلکہ اس میں علی گڑھ تحریک کے دوسرے سرآوردہ مشاہیر کے متعلق بھی معلومات کا خاصہ ذخیرہ تھا، میں نے اس میں سے وہ کاغذات یکجا کر لئے جو نواب وقار الملک کے ساتھ مخصوص تھے اور میرے پاس موجود نہ تھے۔ اکثر کاغذات نہایت مفید و کارآمد تھے، مثلاً انگریزی ملازمت کے حالات، حیدرآباد کے ابتدائی تعلق کے واقعات، سرسالار جنگ و سرآسمان جاہ کے متعدد خطوط و تحریریں، نواب صاحب کے بعض اہم خطوط وعرائض، مقدمہ معدنیات کے متعلق مفید معلومات۔ وغیرہ ذلک،

مولوی محمد امین صاحب نے یہ ذخیرہ مع جملہ مسودات کے میرے حوالہ کر دیا، اس ذخیرہ کے حاصل ہو جانے کے بعد تمام ممکن الحصول مواد یکجا ہو گیا، لیکن اس کے بعد بھی بغیر کسی فریدجد وجہد کے کچھ نہ کچھ مواد اور ملتا رہا مثلاً۔ نواب عزیز جنگ (مرحوم) نے محکمہ مال گزاری کے گشتیات کی ایک جلد بھیجی، اسی طرح نواب لطیف یار جنگ بہادر نے نواب صدر یار جنگ بہادر کے ذریعہ سے ایک ضخیم جلد نواب وقار الملک کے ہاتھ کی لکھی ہوئی رپورٹوں کی بھیجی، غرض کتاب کی تالیف و تحریر کے وقت یہ پورا ذخیرہ مع مولوی محمد امین صاحب کے کاغذات و مسودات کے مجتمع تھا، اور میں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔

یہ بالکل ممکن ہی کہ بوجہ امتداد زمانہ، بعض ضروری واقعات کے متعلق مواد نہ مل سکا ہو، یہ بھی ممکن ہی کہ بعض واقعات کے متعلق جو مواد حاصل ہوا ہی وہ بہمہ وجوہ مکمل نہ ہو اور اس وجہ سے بیان واقعہ میں بعض جزئیات رہ گئی ہوں، لیکن باایں ہمہ اس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ جمع ہو گیا، مقدار کے لحاظ سے توقع سے زیادہ تھا، ہندوستان کے بہت سے ارباب کمال و مشاہیر ایسے ہیں کہ اگر آج ان کے حالات لکھنے کا قصد کیا جائے تو مشکل سے چند صفحہ کا مواد ہاتھ آتا ہی، لیکن یہ نواب صاحب مرحوم کی

خوش نصیبی ہی کہ مختلف مقامات پر متعدد اشخاص اُن کی سوانح عمری کے لئے میٹریل جمع کرنے میں مصروف تھے، ایک طرف میں علی گڑھ، حیدر آباد اور صوبہ شرقی میں حالات کی تلاش و جستجو کر رہا تھا، دوسری طرف مولوی محمد امین صاحب پوری توجہ اور محنت سے اسی کام میں منہمک تھے، گویا قدرت خود اُن کی لائف کی تکمیل کا سامان کر رہی تھی، کیونکہ آخر کار یہ تمام مواد جو متعدد اشخاص نے مختلف مقامات و ذرائع سے حاصل کیا تھا علی گڑھ میں جمع ہو گیا

مواد جمع ہو جانے کے بعد کافی زمانہ اُس کے مطالعہ و انتخاب اور تلخیص و تہذیب میں صرف ہوا، اس کے بعد ترتیب و تالیف کی نوبت آئی، ابتدا سے یہ امر پیش نظر تھا کہ ضروری و اہم واقعات لکھنے سے رہ نہ جائیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ کتاب کی ضخامت غیر معمولی نہ ہو اس لئے حتی الامکان ایجاز و اختصار کا لحاظ رکھا گیا اور اکثر طویل الذیل مضامین و یادداشتوں کی نہایت احتیاط کے ساتھ تلخیص کی گئی، مگر واقعات کی کثرت و تنوع کی وجہ سے باوجود اس احتیاط کے کتاب کی ضخامت کسی قدر بڑھ گئی، لیکن اس کے بغیر چارہ نہ تھا، کتاب کا پہلا حصہ جو حیدر آباد کی سرکاری خدمات کے متعلق ہی جب اندازہ سے کسی قدر بڑھ گیا تو دوسرے حصہ میں حتی الامکان اختصار سے کام لیا گیا، تاہم یہ امر پیش نظر رہا کہ تمام ضروری و اہم واقعات کتاب میں آجائیں

غرض مدت کی تلاش و جستجو، کوشش و کاوش اور ریزہ چینی کے بعد پراگندہ کاغذات نے ایک مرتب لائف کی صورت اختیار کی جو اس وقت ناظرین کے ہاتھ میں ہی، اس لائف کے متعلق تکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اس میں ناظرین کو بہت سے ایسے دلچسپ سبق آموز اور پُراسرار واقعات ملیں گے جواب تک پردہ خفا میں تھے، اس کے علاوہ انسانی زندگی کے متعلق بہت سے عجیب و غریب تجارب حاصل ہونگے جو بجائے خود گراں قیمت ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے

یہ بھی معلوم ہوگا کہ محنت، دیانت اور راستبازی کے ساتھ دنیا میں ترقی و کامیابی حاصل کرنے کے کیا طریقے ہیں، غرض مجموعی حیثیت سے یہ کتاب انشاء اللہ پڑھنے والوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی اس سے زیادہ کتاب کے متعلق اور کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں، باوجود اپنی بے بضاعتی و ناقابلیت کے جو کچھ موجودہ حالت میں ہم سے بن سکا ہے وہ حاضر ہے۔

آخر میں مکرر اُن اصحاب کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جن کی سعی و محنت کے نتائج سے ہم کو مستفید ہونے کا موقع ملا اور ایک مکمل لائف کے لکھنے کا سامان بہم پہنچا، واقعہ یہ ہے کہ نواب عزیز جنگ (مرحوم) نواب لطیف یار جنگ بہادر اور مولوی محمد امین صاحب کی امداد و اعانت کے بغیر یہ کتاب اس طور پر مرتب نہیں ہو سکتی تھی جیسی کہ وہ اب ہے۔

لبطور اظہار واقعہ یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ حیدرآباد میں مواد فراہم کرنے اور حالات جمع کرنے میں جو کچھ کامیابی ہوئی وہ محض نواب صدر یار جنگ بہادر کی بدولت ہوئی، میں حیدرآباد سے بالکل ناآشنا تھا، کسی سے تعارف تک نہ تھا، ایسے حالات میں دفاتر تک رسائی قطعاً ناممکن تھی، اور وہاں کے مخصوص حالات کے لحاظ سے بڑے بڑے اشخاص حالات بتانے پر بھی آمادہ نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ابتدا میں نواب عزیز جنگ مرحوم نے حالات بتانے میں تامل کیا بعد کو معلوم ہوا کہ اُن کو یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ سوانح عمری لکھنا محض ایک حیلہ ہے اور یہ کہ میں کسی خاص پولیٹیکل مقصد سے حیدرآباد آیا ہوں، اور سلطنت کے اندرونی حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں، ظاہر ہے کہ ان حالات کے اندر کس طرح کامیابی حاصل ہو سکتی تھی؟ نواب صدر یار جنگ بہادر نے ان تمام مشکلات کو حل کیا، اور میرے لئے آسانیاں بہم پہنچائیں، لوگوں سے تعارف کرایا، خطوط تحریر فرمائے۔ غرض کسی قسم کی مدد دینے میں تامل نہیں فرمایا۔ جب یہ مواد ہاتھ آیا، افسوس کہ علی گڑھ میں کسی صاحب سے مطلق کسی قسم کی مدد نہیں ملی۔ البتہ جناب مولوی

سید طفیل احمد صاحب نے مواد کی حیثیت سے مدد کی، یعنی سید صاحب ممدوح نے کالج کے متعلق مطبوعہ لٹریچر کا کافی ذخیرہ عنایت فرمایا، جس سے ہم نے جابجا کتاب میں خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا سید صاحب ممدوح کی اس عنایت کا شکرگزاری کے ساتھ اعتراف کیا جاتا ہے۔

عجلت کے خیال سے کتاب کا دوسرا حصہ متعدد کاتبوں سے لکھوایا گیا ہے، اسی وجہ سے خط میں یکسانیت نہیں ہے، لیکن اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کتاب پریس سے بہت دیر میں نکلتی، افسوس کہ سوء اتفاق سے وقت پر نواب صاحب کا کوئی اچھا فوٹو ہاتھ نہیں آیا اور بلاک کی تیاری کا بھی معقول انتظام نہیں ہوسکا، تاہم کتاب کے ساتھ جو تصویر دی گئی ہے اگر بہت بہتر نہیں ہے تو بُری بھی نہیں ہے، یہ تصویر اُس زمانہ کی ہے جب کہ وہ حیدرآباد سے واپس آچکے تھے،

آخر میں ناظرین سے باادب درخواست ہے کہ اگر وہ کتاب میں کوئی غلطی پائیں تو اُس سے ازراہِ کرم خاکسار کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں شکرگزاری کے ساتھ اس کی اصلاح کردی جائے۔

خاکسار

محمد اکرام اللہ خاں ندوی شاہجہانپوری

سلطان جہاں منزل

علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقارِ حیات

حصّۂ اوّل

ولادت، نام و نسب

مشتاق حسین ۲۹ محرم ۱۲۵۷ھ مطابق ۲۲ مارچ ۱۸۴۱ء کو موضع سراوہ (ضلع میرٹھ) میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد ملازم تھے۔ تاریخی نام "چراغ احمد" ہے۔ اُن کے والد منشی فضل حسین سنبھل ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے، اور نسب کے لحاظ سے کنبوہ تھے۔ فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور عربی سے بھی واقف تھے۔ ان کا جدی سلسلہ دیوان عبدالمومن تک پہنچتا ہے جو سنبھل کے ایک امیر تھے اور عہد شاہ جہانی میں دیوانی کے منصب پر ممتاز تھے؛ شاہ جہاں کے مشہور وزیر سعد اللہ خاں ابتدا میں انہی کے بچوں کی اتالیقی پر مقرر ہوئے تھے اور آخر انہی کی بدولت دربار شاہی میں رسائی

پائی۔

مشتاق حسین کی والدہ بتول النساء بیگم حکیم محمد منیر صاحب ساکن امروہہ کی پوتی تھیں، جو ایک قابل طبیب اور اپنے وطن و خاندان میں نہایت ممتاز تھے۔ یہ خاتون نیک نفس، پابند صوم و صلوٰۃ اور پرہیزگار تھیں اگرچہ کتابی تعلیم سے محروم رہ گئی تھیں، لیکن اس زمانہ میں شرفاء کے خاندانوں میں خانگی تربیت اور مذہبی معاشرت عورتوں میں جو پاکیزہ عادات و اطوار پیدا کر دیتی تھی، اس سے مشتاق حسین کی والدہ کو بھی حظ وافر ملا تھا۔ موجودہ زمانہ کی تعلیم و تربیت اس قسم کے شریفانہ اوصاف اور مذہبی جذبات پیدا کرنے سے قاصر ہے، اس لیے اس طرز تربیت کا اندازہ لوگوں کو نہیں ہو سکتا۔

ابھی مشتاق حسین کی عمر پورے ۶ ماہ کی بھی نہ تھی کہ اُن کے والد نے ۹ رجب ۱۲۵۷ھ (۲۷ راگست ۱۸۴۱ء) کو انتقال کیا، اس لئے اُن کی والدہ اس یتیم بچے کو اپنے والد مولوی انور علی صاحب کے مکان پر امروہہ لے آئیں۔

بچپن، تعلیم و تربیت عموماً بچپن کے زمانہ میں بچے لاڈ پیار کی وجہ سے بے ادب و گستاخ ہو جاتے ہیں، اور والدین کی پوری اطاعت نہیں کرتے، خصوصاً جو بچے یتیم ہو جاتے ہیں اُن کی دلجوئی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ماں اور تمام عزیز خود اُن کی اطاعت کرنے لگتے ہیں۔ لیکن بتول النساء کی حالت اس کے برعکس تھی، وہ سچی محبت اور لاڈ پیار کی بے جا شفقت میں امتیاز رکھتی تھیں۔ اس لئے اُنھوں نے اس یتیم بچے کی تربیت کا ابتدا ہی سے خیال رکھا۔ سب سے پہلے مشتاق حسین کو اطاعت و فرمانبرداری کی تعلیم دی، چنانچہ وہ ماں کے تمام احکام کی بلا چون و چرا تعمیل کرتے، اور ہمیشہ اُن کی ہدایات پر بلا تامل عمل پیرا ہوتے تھے، لہٰذا اُن کو کبھی سختی اور تشدد سے پیش آنے کی نوبت نہیں آئی۔ مشتاق حسین کا مزاج ضدی تھا مگر جب کسی بات پر ضد کرتے اور ماں نرمی اور شفقت سے سمجھا دیتیں تو پھر ضد چھوڑ دیتے۔

بچپن میں اُن کو مٹھائی کا خاص شوق تھا، ان کی والدہ بتاشے منگوا کر رکھ لیتیں۔ جب کم بتاشے اُن کو دیئے جاتے تو وہ اکثر ضد کرتے تھے کہ "بوا میں تو بیس لونگا" اگر اُس وقت اُن کی "بوا" کچھ کم بتاشے دینا چاہتیں تو اُنہی بتاشوں کو مکرر سہ کرر گن کر بیس کی گنتی پوری کر دیتیں، خواہ کیسی ہی ضد کرتے ہوں جہاں بیس کی آواز سنتے فوراً راضی ہو جاتے۔

بچپن میں پتنگ اُڑانے کا بہت شوق تھا، شام کو مکتب سے آنے کے بعد ماں کی اجازت سے بالاخانہ پر پتنگ اُڑاتے تھے۔ چونکہ چھت پر چہار دیواری تھی اس لیے گرنے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔

والدہ کبھی سبق سُن کر یا کسی اچھی بات پر خوش ہو کر انعام دیتیں تو یہ اُس کو جمع کرتے اور اس سے قلم روشنائی وغیرہ خرید لیتے، یا کسی اندھے، لولے، محتاج فقیر کو والدہ سے اجازت لے کر اس میں سے کچھ دیدیتے۔

کھیلنے کے لیے اُن کو باہر جانے کی ممانعت تھی اس لیئے گھر ہی میں کھیلا کرتے، اُن کا نہ کوئی حقیقی بھائی تھا نہ بہن، البتہ اعزہ کے بہت سے بچے تھے، یہ اُن سب کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے، کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرتے، یہاں تک کہ اگر اُن کا کوئی بزرگ کوئی چیز دیتا تو اس میں بھی جو بچہ موجود ہوتا اُس کو شریک کر لیتے۔

زمانۂ طفولیت میں چند ماہ تک مارہرہ رہنے کا بھی اتفاق ہوا تھا، مارہرہ میں اُن کے بہت سے عزیز تھے، اور سب ایک ہی محلہ میں آباد تھے جس میں کوئی غیر نہیں رہتا تھا اس لیے یہاں زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ تھی لہذا اُن کو باہر جا کر ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت تھی۔

حکیم ابو الحسن صاحب کا جو اُن کے ہم عمر ہیں بیان ہے کہ:۔

"اس زمانہ میں اُن کا جسم نہایت پھرتیلا تھا، اور درخت پر نہایت تیزی سے چڑھتے تھے، نہایت حلیم الطبع تھے کبھی کسی سے برائے نام بھی جھگڑا نہیں ہوا، سب کے ساتھ نہایت محبت و ہمدردی سے پیش آتے اگر کھیل میں کوئی بات بچپن کے تقاضے سے ناگوار ہوتی تو کھیل چھوڑ دیتے لیکن جھگڑا فساد نہ کرتے لیجانا اگر کوئی بزرگ بلا وجہ خفا بھی ہو جاتا تو خاموش رہتے۔ صوم وصلوٰۃ کے پورے پابند تھے، جب نماز کا وقت آتا تو سب کام چھوڑ کر مسجد چلے جاتے"۔

جب چار سال اور ۴ ماہ کی عمر ہوئی تو حافظ غلام نبی صاحب قریشی نے رسم بسم اللہ خوانی ادا کی اور مشتاق حسین کی والدہ نے چاندی کی تختی اُستاد کو نذر کی اس کے بعد وہ مکتب میں بٹھائے گئے، اس زمانہ میں باقاعدہ مدارس نہ تھے شرفا کے محلوں میں مکتب ہوا کرتے تھے، جہاں میاں جی بچوں کو اردو فارسی کی تعلیم دیتے۔ بعض مکتب کسی قدر بڑے پیمانہ پر بھی ہوتے تھے جہاں عربی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ چٹائی، ٹاٹ، یا زیادہ سے زیادہ ایک دو چوبی تخت کسی کمرہ یا دالان میں بچھے ہوتے تھے، بس اسی کا نام مکتب تھا۔ طلبہ عموماً علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے، درجہ بندی کا زیادہ رواج نہ تھا۔ بڑی عمر کے طالب علم میاں جی کی خدمت بھی کرتے تھے، طلبہ کو اُستاد کی کسی خدمت میں عار نہ تھا اطاعت و فرماں برداری اس زمانہ کی تعلیم کا اصلی جوہر تھا، طرزِ تعلیم اگرچہ نہایت سادہ تھا لیکن اخلاقی حیثیت سے اس کے نتائج نہایت خوشگوار تھے اس تعلیم و تربیت اور ماحول سے طلبہ کے عادات و اطوار میں پختگی، طرزِ عمل میں اعتدال، اور امتیاز مدارج پیدا ہوتا تھا۔

غرض مشتاق حسین نے اس طرز کے مکتب میں تعلیم کی ابتدا کی، اور چھ سال کی عمر میں قرآنِ مجید ختم کر لیا، اس کے بعد اردو اور فارسی کی درسی کتابیں شروع ہوئیں۔

وہ صبح کو ۷ بجے مکتب جاتے اور گیارہ بجے واپس آجاتے، اس کے بعد کھانا کھاکر تھوڑی دیر کھیلتے، پھر تختی دھو کر خشک ہونے کے لیئے رکھ دیتے، اب نماز ظہر کا وقت آجاتا، وضو کرکے ماں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیئے کھڑے ہو جاتے، نماز سے فارغ ہو کر مکتب چلے جاتے اور نماز عصر پڑھ کر وہاں سے گھر آتے، اور کھڑے ہو کر ماں کو سبق سناتے، اور تختی دکھاتے (اگرچہ وہ پڑھی لکھی نہ تھیں مگر یہ اپنے بھولے پن کی وجہ سے اُن کو پڑھا لکھا سمجھتے تھے) موسم سرما میں بعد نماز مغرب چراغ کے سامنے بیٹھ کر آموختہ یاد کرتے۔

مکتب کی معمولی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امروہہ کے ایک عالم جن کا نام مولوی سید رافت علی صاحب تھا خانگی طور پر کسیقدر عربی بھی پڑھی[1]، اسی زمانہ میں ضلع مراد آباد میں تحصیلی مدارس قائم ہوئے تو مشتاق حسین بھی ۱۸۵۴ء یا ۱۸۵۵ء میں تحصیلی مدرسہ میں داخل ہوئے، اگرچہ درمیان میں کچھ مدت کے لیئے تعلیم کا سلسلہ منقطع بھی ہو گیا، تاہم اوائل ۱۸۵۹ء تک یہاں تعلیم پاتے رہے۔

انجنیری کی تعلیم مکتب اور تحصیلی اسکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۸۵۹ء کے کسی مہینہ میں رڑکی انجنیرنگ کالج میں داخل ہوئے۔ صحیح طور پر نہیں معلوم کہ اُنھوں نے یہاں کس زمانہ تک تعلیم پائی، البتہ مارچ ۱۸۶۰ء کے امتحان میں شریک تھے، لیکن چونکہ اس تعلیم سے اُن کو مناسبت نہ تھی، اس لیے کوئی نمایاں کامیابی نہ حاصل کر سکے، اور اس کے بعد اُن کا تعلیمی زمانہ ختم ہو گیا۔

---

[1] امروہہ کے مولوی سید احمد حسین صاحب نینی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خود مولوی مشتاق حسین صاحب نے اُن سے فرمایا کہ:-

"میں نے عربی کتابیں تفسیر جلالین تک مولوی رافت علی صاحب سے پڑھی ہیں۔"

شادی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے پھوپا منشی امام الدین صاحب[1] کے پاس کام سیکھنے کے لیئے بھیجدیئے گئے، جو اس زمانہ میں مراد آباد میں تحصیلدار تھے۔ یہاں پہنچکر اُنھوں نے کلکٹری میں امیدوارانہ طریقہ پر کام سیکھنا شروع کیا۔ اسی زمانہ میں منشی صاحب نے مراد آباد ہی میں اپنی منجھلی لڑکی سے ان کا عقد کردیا، بیوہ ماں کے بڑے حوصلے تھے اور وہ اپنے دل کے تمام ارمان کو نکالنا چاہتی تھیں، لیکن منشی امام الدین صاحب نے فضول مراسم کو ترک کرنے کا عزم کرلیا تھا۔ اس لیے کسی کا اثر کارگر نہوا، اور تقریب نہایت سادگی سے انجام پذیر ہوئی، یہاں تک کہ معمولی طریقہ پر برات بھی نہیں گئی، صرف دولہا اور دولہا کے چچا امروہہ سے مراد آباد چلے گئے اور نکاح ہوگیا۔ اگرچہ خاص اعزا اور اُن کی والدہ کو تقریب کے اس طرح سادہ طور پر عمل میں آنے سے نہایت رنج ہوا، تاہم برادری میں اس سادہ تقریب نے ایک قابل تقلید مثال قایم کردی۔

انگریزی ملازمت

اسلامی عہدِ حکومت میں اکثر شریف اور معزز خاندانوں کی کسب معاش کا ذریعہ شاہی ملازمت تھی، انقلاب حکومت کے بعد بھی یہ دستور اور شوق باقی رہا۔ ابتدائے عہد حکومت

---

[1] منشی امام الدین صاحب کے والد بریلی کے رہنے والے تھے لیکن چونکہ شادی امروہہ میں ہوئی تھی اس لیئے زیادہ تر امروہہ میں قیام رہتا تھا اُنھوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے کانسٹبلو نمیں بھرتی ہوکر سب انسپکٹری تک ترقی حاصل کرلی تھی انقلاب کے زمانہ میں اُنھوں نے گورنمنٹ کی جو خیر خواہی کی تھی اسکے صلہ میں پرگنہ حسنپور ضلع مرادآباد کے تین مواضع سرکار سے عنایت ہوئے اور تحصیلداری پر ترقی دیگئی اسکے بعد ۱۸۶۲ء میں ڈپٹی کلکٹر ہوکر یہاں تک مرادآباد میں کام کرتے رہے ابھی پنشن کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔ منشی امام الدین صاحب کو فارسی میں بڑی لیاقت تھی فارسی عبارت نہایت عمدہ لکھتے تھے نستعلیق خط بھی اچھا تھا زود نویس ایسے تھے کہ دو تین جزو روز لکھ لیتے تھے فارسی کے اشعار نہایت کثرت سے یاد تھے صحت جسمانی بھی اچھی تھی کئی کئی میل روزانہ بلا تکلف چلے جاتے تھے، ساٹھ ساٹھ میل تک ایرانی گھوڑے پر سفر کرنیکا اتفاق ہوا ہے ڈنڑ مگدر کی ورزش ابتدائے عمر سے شروع کی اور آخر عمر تک کرتے رہے اور یہ ورزش خاندان میں بھی جاری رہی گھوڑوں سے بہت شوق تھا سرسید مرحوم سے خاص مراسم تھے، سائنٹفک سوسائٹی کے ابتدائی ممبر تھے، ایم اے او کالج کے قیام میں معاون و مددگار تھے سرسید کے ساتھ

برطانیہ میں جب انگریزی کی قید نہ تھی اکثر قدیم طرز کے تعلیم یافتہ شرفا سرکاری ملازمت اختیار کرتے تھے، اور عموماً معزز عہدوں پر مقرر ہوتے تھے۔ مشتاق حسین کے خاندان میں بھی ملازمت کا دستور زمانہ دراز سے چلا آتا تھا۔ اُن کے بزرگوں نے دربار شاہی میں ملازمت ہی کے ذریعہ سے رسوخ حاصل کیا تھا، اس لیئے اب تک سرکاری ملازمت ذریعہ عزت تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خود اُن کو یا اُن کے بزرگوں کو ملازمت کا خیال پیدا ہوا۔

ابتدائی ملازمت ملازمت کی ابتدا سررشتہ تعلیم سے ہوئی، امر وہہ کے جس سرکاری مدرسہ کے وہ طالب علم تھے، اُسی مدرسہ میں ۔ ار جون ۱۸۵۹ء کو دس روپیہ ماہوار پر قائم مقام نائب مدرس مقرر ہوئے، لیکن یہ محض چند روزہ ملازمت تھی، یعنی صرف پندرہ روز کے لیئے اُن کا تقرر ہوا تھا۔ ابھی اُن کا تعلیمی زمانہ باقی تھا، کیونکہ اس کے بعد وہ سول انجنیرنگ ٹامسن کالج رڑکی میں داخل ہوئے جہاں وہ مارچ ۱۸۶۰ء تک موجود تھے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ یہ اُن کی سب سے پہلی سرکاری ملازمت ہے۔ اس کا تذکرہ نظر انداز کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

محرری منشی مشتاق حسین کا باقاعدہ سلسلہ ملازمت ستمبر ۱۸۶۰ء سے شروع ہوا جب کہ وہ تحصیل مراد آباد میں ۲۰ روپیہ ماہوار پر محرر انکم ٹیکس مقرر ہوئے مگر قریباً ۷ ماہ بعد آخر اپریل ۱۸۶۱ء میں بوجہ کام ختم ہوجانے کے تخفیف میں آگئے۔ لیکن کام ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا کہ جان اسٹریچی صاحب کلکٹر نے فارسی کا ایک پروانہ عطا کیا جس میں اُن کی محنت اور کام جلد ختم کرنے پر اظہارِ خوشنودی کیا تھا۔

انتظام محتاج خانہ ۱۸۶۰ء میں شدید قحط تھا، اسٹریچی صاحب نے (جو اس وقت کلکٹر تھے) مراد آباد میں ایک محتاج خانہ جاری کیا جس کا انتظام سید احمد خاں کے متعلق تھا اور اُنھوں نے اپنے ساتھ منشی امام الدین صاحب کو بھی انتظام میں شریک کرلیا تھا، منشی مشتاق حسین بھی موخر الذکر کے ساتھ محتاج خانہ کا کام کرتے تھے اسی زمانہ میں سرسید سے اُن کا تعارف

(بقیہ صد) ۱۸۶۱ء کی قحط سالی میں بھی کام کیا تھا، پبلک کے ہمدرد اور گورنمنٹ کے وفادار تھے اس سبب سے دونوں کی نظروں میں وقعت تھی۔

ہوا، اور محتاج خانہ کے کام میں سرسید کا انہماک دیکھ کر اُن سے حسنِ ظن پیدا ہوا۔

اس کے بعد جب ضلع کے دوسرے مقامات پر بھی محتاج خانہ کھولے گئے تو امروہہ میں منشی مشتاق حسین نے بذاتِ خود ایک محتاج خانہ کا پورا انتظام کیا۔

قلیل تنخواہ کی ملازمتیں

۱۵؍مئی ۱۸۶۲ء سے دوبارہ سلسلہ ملازمت شروع ہوا، اور تحصیل امروہہ میں اطلاق نویسی کی جگہ پر پندرہ روپیہ ماہوار پر تقرر ہوا۔ لیکن چونکہ یہاں ان کی رشتہ داری تھی اس لیئے فروری ۱۸۶۲ء میں ضلع بجنور کو تبدیل کر دیئے گئے۔ یہاں مذکورۂ بالا تنخواہ پر واصلباقی نویس مقرر ہوئے، ۱۶؍اپریل ۱۸۶۲ء تک اس جگہ پر کام کیا، ازاں بعد ۱۷؍اپریل سے اہلمد تحصیل سررشتہ بجنور مقرر ہوئے، تنخواہ بدستور پندرہ روپیہ رہی۔ یہاں قریباً ایک سال ۸؍اپریل ۱۸۶۳ء تک کام کرتے رہے۔ ۹؍اپریل سنہ مذکور کو بیس روپیہ ماہوار پر اہلمد نیلام کلکٹری ضلع بجنور مقرر ہوئے، یہاں انھوں نے ۸؍جنوری ۱۸۶۴ء تک کام کیا، ۹؍جنوری سے صاحب کلکٹر ضلع بجنور کے اجلاس پر قائم مقام روبکار نویس مقرر ہوئے یہاں اُن کو بیس روپیہ تنخواہ کے اور دس عوض خدمت کے ملتے تھے۔ ۱۶؍جولائی ۱۸۶۵ء تک اس جگہ پر کام کرتے رہے۔ ۱۷؍جولائی سے پینتیس روپیہ ماہوار پر قائم مقام نائب سررشتہ دار کلکٹری ضلع بدایوں مقرر ہوئے۔ ۲۵؍اکتوبر ۱۸۶۵ء تک انھوں نے یہ خدمت انجام دی لیکن جب اصل نائب سررشتہ دار آگیا تو ۲۶؍اکتوبر سے ان کو تیس روپیہ ماہوار پر محکمہ ڈپٹی کلکٹر بندوبست ضلع بدایوں کا سررشتہ دار مقرر کر دیا گیا۔ یہاں انھوں نے صرف چند روز ۲۱؍نومبر ۱۸۶۵ء تک کام کیا، لیکن ایسی خوش اسلوبی اور دیانت سے کام کیا کہ مولوی محمد کریم صاحب ڈپٹی کلکٹر بندوبست نے ان کو ایک عمدہ سارٹیفکیٹ دیا۔

سررشتہ داری محکمہ صدر الصدوری علی گڑھ

بدایوں سے منشی مشتاق حسین ترقی پا کر علی گڑھ آئے، اور پچاس روپیہ ماہوار پر محکمہ صدر الصدوری کے سررشتہ دار مقرر ہوئے، اور نہایت محنت و دیانت سے کام کیا۔ یہاں اُن کو سرسید کی ماتحتی میں (جو اس زمانہ میں

علی گڑھ کے صدر الصدور تھے) کام کرنے اور اُن کے خیالات سے مستفید ہونے کا پورا موقع ملا، جس نے اُن کی آیندہ زندگی میں ایک خاص تبدیلی پیدا کر دی، جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا۔

منصرم عدالت کے عہدہ پر ترقی

یکم جولائی ۱۸۶۰ء سے دس روپیہ ماہوار کے اضافہ پر جج ماتحت کی عدالت میں منصرم مقرر ہوئے، اور نہایت لیاقت اور خوش اسلوبی سے ۳۱ مئی ۱۸۶۲ء تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔

علی گڑھ کے زمانہ ملازمت میں سرسید کو منشی مشتاق حسین کے کام اور اُن کی قابلیت اور دیانت کا پورا تجربہ حاصل ہوا، چنانچہ جب سرسید علی گڑھ سے تبدیل ہو کر بنارس جانے لگے تو انھوں نے منشی مشتاق حسین کی سروس بک پر حسب ذیل ریمارک کیا۔

"منشی مشتاق حسین سررشتہ دار عدالت ہذا نہایت لائق، نہایت محنتی اور نہایت کارگزار اور نہایت فہیم، اور نہایت زود نویس و خوش خط یہ افسر ہیں۔ اس افسر کی دیانت داری پر مجکو ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ اپنی موت پر۔ حقیقت میں جناب مسٹر بیلے صاحب بہادر کا اس محکمہ پر بہت بڑا احسان ہے جو ایسے لایق اور دیانت دار شخص کو اس محکمہ کی افسری کے لیئے مقرر کیا جس عہدہ پر یہ شخص نوکر ہے اس سے بہت زیادہ بڑے عہدہ کی نہایت عمدہ لیاقت اس میں موجود ہے۔"

سید احمد خاں صدر الصدور ۱۰ اگست ۱۸۶۲ء

جو لوگ سرسید کے طرز عمل اور اُن کی محتاط طبیعت سے واقف ہیں، وہ اس ریمارک کی قدر و قیمت کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ سرسید کے علاوہ دوسرے افسروں نے بھی ان کی قابلیت و دیانت پر عمدہ ریمارک کیئے ہیں، جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا گیا۔

امتحان تحصیلداری

عہدہ منصرمی کی حالت میں وہ تحصیلداری کے امتحان کی بھی تیاری کرتے رہے۔ چنانچہ اپریل ۱۸۶۲ء کے پہلے ہفتہ میں اُنھوں نے میرٹھ ڈویژن سے تحصیلداری کا امتحان دیا، اور شعبہ فوجداری میں کامیاب ہوئے۔ اسی زمانہ میں جب کہ وہ صیغہ مال میں

جاناچاہتے تھے، مسٹر بریملے نے اُن کے متعلق حسب ذیل ریمارک کیا:-

"مشتاق حسین منصرم ججی ماتحت کا تین برس سے زیادہ مقرر ہے، اور یہ شخص محکمہ مال میں داخل ہونے کی خواہش کرتا ہے، جہاں ہم یقیناً کہتے ہیں کہ وہ اپنی لیاقت اور محنت سے ترقی حاصل کریگا۔ اور میری رائے میں یہ شخص کماحقّہ تحصیلداری کے قابل ہے۔"

ڈبلو بریملے جج علی گڑھ ۱۰ر اپریل ۱۸۷۲ء

صیغۂ دیوانی سے تبادلہ

منشی مشتاق حسین امتحان کے بعد منصرمی سے صیغۂ مال میں آ گئے۔ وہاں اُن کو ترقی کی اُمید نہ تھی، صیغۂ دیوانی میں امتحان منصفی کے لئے انگریزی دانی کی شرط ہو گئی تھی لیکن مال میں ہنوز ترقی کی اُمید تھی۔ چنانچہ وہ سررشتہ دار کلکٹری مقرر ہوئے، اور کچھ مدّت پیش کار یعنی نائب تحصیلدار بھی رہے، اور اوائل ۱۸۷۴ء میں قایم مقام تحصیلدار کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

میونسپل بورڈ کی ممبری

اوائل ۱۸۷۳ء میں حسب الحکم گورنمنٹ ممالک مغربی وشمالی میونسپلٹی کول (علی گڑھ) کی ممبری پر دو سال کے لیے اُن کا تقرر ہوا، اور حسب معمول گورنمنٹ گزٹ میں اس کا اعلان ہوا۔ اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق اس کام کو بھی نہایت توجہ اور انہماک سے کیا۔

مسٹر مارٹن جج سے جھگڑا

زمانہ منصرمی میں جج ماتحت خود یا فریقین مقدمہ کی استدعا پر منشی مشتاق حسین کو بطور اہلِ کمیشن مقرر کرتے تھے اور جو کیفیت وہ لکھتے تھے عموماً اُسی کے مطابق جج ماتحت کا فیصلہ ہوتا تھا۔ یہ مسٹر بریملے کی ججی کا زمانہ تھا۔ لیکن جب اُن کا تبادلہ ہو گیا، تو اُن کی جگہ پر مسٹر مارٹن آئے جو کسی خاص سبب سے مسٹر بریملے کے ہر کام کو ناپسند کرتے اور جن اہلکاروں پر مسٹر بریملے کی نظر عنایت تھی اُن کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اُنھوں نے کمیشن کے متعلق منشی مشتاق حسین کی گزشتہ کارگزاریوں پر اعتراض کیا اور ۴ر جنوری ۱۸۷۳ء کو سروس بک میں خراب ریمارک درج کر دیا۔ منشی مشتاق حسین اس زمانہ میں پیشکار تھے اور عہدہ منصرمی سے استعفا دے چکے تھے۔ جب اُن کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس ریمارک کے خلاف سخت احتجاج

کیا۔ پے در پے چند درخواستیں پیش کیں اور بہ اصرار یہ خواہش کی کہ صاحب جج اُن وجوہ کو ظاہر کریں جن کی بنا پر اُنھوں نے سخت ریمارک لکھا ہے، یا اس ریمارک کو واپس لیں لیکن جب جج نے اِس پر بھی توجہ نہ کی تو آخر میں اُنھوں نے ۲۳ر جنوری ۱۸۷۳ء کو ایک مفصل درخواست دی جس میں واقعات پر مدلل بحث کرنے کے بعد آخر میں یہ خواہش کی کہ :-

"اب حضور ایک سخت سے سخت تحقیقات میری نسبت عمل میں لاویں، حضور کی عدالت کے تمام وکلار اور تمام عملہ وغیرہ حاضرین عدالت میرے حال سے بخوبی واقف ہیں اُن سب سے میرا حال دریافت کیا جاوے اور میری تمام کیفیتیں جو میں نے بحیثیت اہل کمیشن پیش کی ہیں اُن کو آپ خود ملاحظہ کریں، اور آپ کے مزید اطمینان کے واسطے میں یہاں تک بھی بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ جن جن لوگوں کو میری کیفیتوں سے نقصان پہنچا ہے اُنھیں کا اظہار آپ میری صفائی چال چلن کی نسبت قلمبند کریں، حالانکہ یہ ایک ایسا خطرناک راستہ ہے کہ مشکل سے کوئی ملزم اُس کے اختیار کرنے پر راضی ہو سکتا ہے لیکن میں اِس طریقہ تحقیقات پر بھی نہایت دل سے رضامند ہوں۔ پس حضور مہربانی سے جلد کوئی تاریخ اس تحقیقات کے واسطے مقرر فرمادیں، اور مجھکو بھی اس میں حاضری کی اجازت دیں مجھکو یقین ہے کہ اس تحقیقات کے بعد حضور خود مناسب سمجھ کر اس تحریر کو جو میری نسبت عمل میں آئی ہے، اپنے قلم سے کاٹ دینگے اور پھر جو سارٹیفکیٹ آپ مجھکو عنایت کرینگے وہ میرے حق میں نہایت مفید ہوگا۔"

مسٹر مارٹن نے یہ درخواست واپس کردی اور زبانی طور پر تحقیقات سے انکار کردیا، اس پر اُنھوں نے ۲۸ر جنوری کو پھر ایک درخواست دی جس کے آخر میں لکھا :-

"نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ میں اس باب میں حتی الامکان کوشش کرونگا کہ حضور کی تحریر اور میری معروضات کے نسبت اس طریقہ کی تحقیقات عمل میں آوے جو میں نے اپنی درخواست واپس شدہ میں بیان کیا ہے، یا اور جس طرح سے تحقیقات کرنے والے

حاکم مناسب سمجھیں لیکن حضور عنقریب تشریف لے جانے والے ہیں اس لیئے ایک تردد ہے کہ اگر حضور کے بعد کمیشن قایم ہوئی تو شاید اس کے کسی ممبر کو یہ خیال ہو کہ صاحب جج بہادر اگر تشریف رکھتے ہوتے تو وہ ذریعہ بتلا دیتے جن سے سائل کے برخلاف رائے قائم ہو سکتی۔ پس میں گزارش کرتا ہوں کہ اگر حضور ممبران کمیشن کی ہدایت و رہنمائی کے واسطے وہ ذریعہ تحریر فرماتے جاویں تو زیادہ مفید ہوگا۔"

مسٹر مارٹن نے ۲۹ جنوری کو اس درخواست کے داخل دفتر کرنے کا حکم دیا، لیکن منشی مشتاق حسین جن کو اپنے طریق عمل پر پورا اعتماد تھا خاموش کیوں کر رہ سکتے تھے۔ مسٹر مارٹن کے طرز عمل سے مایوس ہو کر اب اُنھوں نے ایک درخواست ۲۱ جنوری ۱۸۷۳ء کو صاحب کلکٹر کے سامنے (جن کے وہ اس زمانہ میں ماتحت تھے) پیش کی اور مسٹر مارٹن کے طرز عمل کو وضاحت سے بیان کرنے کے بعد لکھا کہ :-

"اب میں ادب سے عرض کرتا ہوں کہ بار بار صاحب جج کے یہ احکام مشعر انکار تحقیقات کے میرے رویہ کی نسبت حقیقت میں مجکو بریت بخشتے ہیں، اور صاحب ممدوح کی کیفیت کی ایسی صورت میں کچھ وقعت سمجھنی نہ چاہیئے، مگر میں اب بھی خواہشمند ہوں کہ یہ کیفیت کتاب اعمال نامہ ججی میں سے بھی خارج کی جاوے اس لیے میں اس عرضی کے ساتھ اپنی اُن دو ناکامیاب عرائض کی نقل جو صاحب جج بہادر کے حضور میں حسب متذکرہ بالا گزرانی تھیں حضور میں پیش کرتا ہوں اور ادب سے یہ تمنا کرتا ہوں کہ میری ان عرضیوں کی یہ نقلیں دفتر میں رکھی جاویں اور مسٹر مارٹن صاحب کے جانشین کی تشریف آوری کے وقت اُن سے یہ تحریک کی جاوے کہ اس معاملہ کے حالات کی نسبت تحقیقات کریں۔

چونکہ میں آپ کے دفتر کا ماتحت ہوں اس لیئے آپ کے التفات کا امیدوار ہو کر عرض کرتا ہوں کہ تحقیقات جس کے واسطے میں نے صاحب جج کی عدالت میں ناکامیابی سے کوشش کی وہ آپ کی تحریک سے ہو جاوے اور مجکو موقع رد کرنے صاحب جج کے

اتہام اور منسوخ کرانے اُن کی کیفیت کا ملنا چاہیئے۔"

معلوم نہیں اس جد وجہد کا کیا نتیجہ نکلا؟ لیکن اس واقعہ سے منشی مشتاق حسین کی اُس جرأت خود داری اور اعتماد علی النفس کا پتہ چل سکتا ہے جس نے اُن کو آیندہ زندگی میں کامیاب و ممتاز بنایا۔ اب سے پچاس برس پہلے جب کہ با اختیار حکام کا اثر و اقتدار حد سے زیادہ تھا اور ماتحت ملازمین عزت نفس اور خود داری سے نا آشنا تھے (جیسا کہ اکثر اب تک بھی نا آشنا ہیں) بلا لحاظ نتائج اس طرح کی آزادانہ روش اختیار کرنا تعجب خیز ہے۔

خدماتِ خاص بکار قحط

سنہ ۱۸۷۳ء میں بنگال کے اکثر اضلاع میں قحط پڑا، جس کا اثر ممالک مغربی و شمالی کے اضلاع گورکھپور اور بستی وغیرہ میں پہنچا، جو بنگال سے متصل ہیں تو سر جان اسٹریچی نے (جو اس زمانہ میں لفٹنٹ گورنر تھے) سرسید کی درخواست پر منشی مشتاق حسین (قایم مقام سررشتہ دار) کو اُن کی امداد کے لیئے انتظام قحط پر مامور کیا۔ معمولی تنخواہ کے علاوہ سو روپیہ ماہوار الاؤنس بھی مقرر کیا، اور مقام مذکور تک بعجلت ممکنہ پہنچانے کا سرکاری مصارف سے انتظام کیا گیا یہاں پہنچکر اُنھوں نے اپنی عادت کے مطابق نہایت محنت اور انہماک سے اپنا کام انجام دیا۔

مسٹر کالون سے نماز پر مناقشہ

منشی مشتاق حسین ابتدائے عمر سے نماز کے سخت پابند تھے، ایام ملازمت میں بھی اُن کا یہی معمول رہا۔ جب نماز کا وقت آتا دفتر سے اُٹھ کر چلے جاتے، مسٹر کالون کلکٹر کو جو کسی دوسری جگہ سے تبدیل ہو کر آئے تھے، یہ طریق عمل ناگوار گزرا۔ اُنھوں نے ممانعت کی لیکن منشی مشتاق حسین نے اس حکم کی متابعت سے انکار کیا، جب اصرار حد سے بڑھا تو اُنھوں نے ۱۴ر جنوری سنہ ۱۸۷۵ء کو رخصت کی درخواست دی لیکن مسٹر کالون نے درخواست لینے سے انکار کر دیا، اور حقیقتہً یا دھمکی کے طور پر استعفا دینے کی ہدایت کی۔ چنانچہ اُنھوں نے ۱۵ر جنوری کو ایک دوسری درخواست پیش کی جس میں پہلے تو اُنھوں نے یہ لکھا کہ مذہباً میرے اوپر نماز فرض ہے اور میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا، لہذا نماز کی وجہ سے جو تھوڑی سی غیر حاضری ہوا کرتی ہے اس کی مجکو اجازت دی جائے اور اگر یہ منظور نہ ہو تو چھ ماہ کی رخصت مرحمت فرمائی

جائے جس کا مجکو حق ہے۔ آخر میں درخواست کو ان الفاظ پر ختم کیا۔

"اگر یہ درخواست بھی منظور نہ ہو تو یہ استعفا منظور فرمایا جائے جو حسب ارشاد حضور میں پیش کیا جاتا ہے"

اس درخواست کے پیش ہونے پر کلکٹر نے چھ ماہ کی رخصت یکم مارچ ۱۸۷۵ء سے منظور کر لی

اس واقعہ کے متعلق سر سید کا ایک دلچسپ خط

جب سر سید کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے ۲۹ جنوری ۱۸۷۵ء کو ایک خط لکھا:-

"بھائی مشتاق حسین! کل میں سارے دن متردد رہا کیونکہ تمہارا کوئی خط نہیں آیا تھا، آج خط آیا اور حال معلوم ہوا گو میں کسی وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور کسی وقت کی نہیں پڑھتا، اور وقت بے وقت کا بھی خیال نہیں کرتا دو دو اکھٹی بھی پڑھ لیتا ہوں، ریل میں لمبا سفر ہو تو مجھ سے ادا نہیں ہوتی، یہ سب باتیں مجھ میں ہیں اور نالائقی و شامتِ اعمال سے ایسی سستی نماز میں ہے، مگر تم نے اس معاملہ میں جو پیش آیا نہایت لچر بنا کیا، نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامتِ اعمال سے جس خرابی سے ہو ادا کریں یا قضا کریں لیکن کوئی شخص اگر کہے کہ تم نماز نہ پڑھو، اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا، یہ بات سنی بھی نہیں جا سکتی، میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا صرف گناہ ہے جس کے بخشے جانے کی توقع ہے، اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی بخشا نہ جائیگا۔ تم کو پہلے ہی اپنی طرف سے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی، اور جب ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا تو پھر لجلجانا اور گڑگڑانا، اور حضور رخصت ہی دیں، تنخواہ کاٹ لیں کہنا واہیات تھا، تڑاق پڑاق استعفا دینا تھا، اور صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کرونگا، نہ کہ آپ کی۔ کیا ہوتا، نوکری نہ میسر ہوتی، فاقہ مرجاتے نہایت اچھا ہوتا۔ والسلام

خاکسار سید احمد از بنارس ۱۹ جنوری ۱۸۷۵ء"

حیدرآباد میں سفارش

اس زمانہ میں مشہور و نامور مدبر سرسالار جنگ اوّل، دولتِ آصفیہ کے مدار المہام تھے۔ اُنھوں نے سرسید سے شمالی ہند کے چند قابل اور تجربہ کار اشخاص کو ریاست کے انتظام کے لئے حیدرآباد بھیجنے کی خواہش کی تھی، مولوی مہدی علی اور مولوی نذیر احمد وغیرہ جا چکے تھے، اور منشی مشتاق حسین کے متعلق بھی ایک موقع پر سرسید تحریک کر چکے تھے اور اب از سرِ نو اُنھوں نے یاددہانی کی۔ سب سے پہلے ۱۸۷۳ء میں اُنھوں نے سرسالار جنگ کو لکھا تھا۔

"میں خوشی کے ساتھ یہ کہونگا کہ مشتاق حسین ذہین، محنتی، ایماندار، اور قابل حاکم ہے جس کو تجربہ کافی ہو چکا ہے۔ مختصراً یہ شخص حضور والا کی ضرورت کے لئے بالکل موزوں ہے یہ صرف فوجداری، دیوانی، اور حساب کے صیغوں ہی میں کام نہیں کر سکتے، بلکہ ہمیشہ اس کام کے کرنے کو آمادہ ہیں جس کے لیے حکم دیا جائے۔ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان کا تقرر ریاست کے لیے فائدہ کا باعث ہوگا، اور حضور والا کو اُس وقت معلوم ہو جائیگا کہ مشتاق حسین کے متعلق میں نے جو کچھ کہا ہے، اس میں مبالغہ سے کام نہیں لیا۔"

غرض اِدھر مسٹر کالون سے یہ مناقشہ ہوا، اور اُدھر یاوری قسمت نے اُن کے لیے حیدرآباد میں سروسامان بہم پہنچایا۔

سرسالار جنگ نے کسی قدر مراسلت کے بعد اُن کو حیدرآباد طلب کیا، اور چار سو روپیہ ماہوار پر اُن کا تقرر منظور کر لیا۔ یہ اُن کی رخصت کا زمانہ تھا، اس لیئے بلا تامل حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ جب وہ حیدرآباد جا رہے تھے، تو مسٹر ٹی ایل کالون کلکٹر نے ۲۸ مارچ ۱۸۷۵ء کو حسب ذیل سارٹیفکیٹ اُن کو دیا۔

"مشتاق حسین اس ضلع کے سررشتہ دار چھ مہینہ کے لیئے حیدرآباد دکن جا رہے ہیں جہاں اُن کو یہاں سے زیادہ تنخواہ کی اُمید ہے۔ میں نے چار مہینہ سے اُن کا کام دیکھا ہے اور میں اُن کے کام سے بالکل مطمئن ہوں یہ فرائض میں چست اور ذہین ہیں۔ میں نے اُن کو نماز کے لیئے پابندی سے اُٹھتے ہوئے پایا جس سے مجھے سخت تکلیف تھی اور میں اجازت نہیں

دے سکتا، اور چونکہ وہ اپنے خیال کو تبدیل نہیں کرتے، اس لیئے خوش قسمتی ہو کہ دیسی ریاست میں اُن کو جگہ مل گئی"۔

گورنمنٹ انگریزی کی ملازمت سے استعفا

حیدرآباد میں جس تنخواہ پر اُن کا تقرر ہوا تھا، وہ سررشتہ داری سے بہت زیادہ تھی، وہاں کام کے لیئے وسیع میدان اور اُن کی دقیقہ رس نگاہ کے سامنے ایک شاندار مستقبل تھا۔ تاہم جب رخصت کے اختتام کا زمانہ قریب پہنچا، تو اُن کو اس معاملہ میں فی الجملہ تردد ہوا۔ اس زمانہ تک کسی خاص عہدہ پر اُن کو نامزد نہیں کیا گیا تھا، تاہم اُن کی آئندہ اُمیدیں حکومت آصفیہ کے دامن دولت سے وابستہ تھیں، اس لیئے اُنھوں نے سرسالار جنگ کی رائے سے انگریزی ملازمت سے استعفا دے دیا۔ جیسا کہ وہ ۲۲ راگست ۱۸۷۵ء کے ایک پرائیویٹ خط میں جو استعفے کے ساتھ مسٹر کالون کو بھیجا، لکھتے ہیں:۔

"میری کیفیت یہاں بدستور ہے، ابھی تک کوئی خاص عہدہ نامزد نہیں ہوا، پچھلے دورہ میں جو اضلاع باقی رہ گئے تھے، اُن کے دیکھنے کے واسطے اور حکم ملا ہے۔ چنانچہ غالباً ختم برسات پر دورہ شروع ہو جائیگا۔ میں نے جناب نواب سر سالار جنگ بہادر سے عرض کیا تھا کہ میری رخصت آخر اگست کو ختم ہو جاویگی اس پر اُنھوں نے ارشاد فرمایا کہ استعفا بھیجدو، چنانچہ استعفا حسب ضابطہ علحدہ آج ہی حضور میں روانہ کیا ہے"۔

غرض یکم ستمبر ۱۸۷۵ء سے اُن کا استعفا منظور ہو گیا، اِسی زمانہ میں اُنھوں نے بوجہ قیام حیدرآباد میونسپلٹی کی ممبری سے بھی استعفا دیدیا۔ حیدرآباد جاتے وقت اُنھوں نے ۶ ماہ کے لیئے ایک تلوار اور ایک بندوق کا لائسنس بھی لیا تھا، اور یہ اسلحہ حیدرآباد لے گئے تھے، چونکہ وہاں لائسنس کی ضرورت نہ تھی، اس لیئے اُنھوں نے میعاد کے اندر ۲۲ راگست ۱۸۷۵ء کو لائسنس واپس کر دیا۔

ایامِ حیدرآباد

گورنمنٹ نظام کی ملازمت

ہر شخص کی قابلیت اور جوہر فطری کا اظہار میدانِ عمل میں ہوتا ہے۔ اگر نا مساعدت روزگار سے کسی کو کام کرنے کا موقع اور میدان میسر نہ آئے تو اُس کی دماغی قابلیت اور قوتِ عمل کا اظہار نہیں ہو سکتا، ہزاروں شخص ہیں جن کو بدنصیبی سے اس ہنگامۂ رستخیز میں کام کرنے اور دنیا کی کش مکش میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا اس لیئے عزلت و گمنامی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کس کو خبر ہے کہ اگر زمانہ اُن کی مساعدت کرتا تو وہ کیا انقلاب برپا کرتے اور اپنے نتائج فکر و عمل سے دنیا کو کسقدر فائدہ پہنچاتے۔

گورنمنٹ ہند کا انتظام حکومت ایک مخصوص نظام کے ماتحت ہے۔ عنانِ حکومت ایک ایسی اعلیٰ جماعت کے ہاتھ میں ہے جس کے اجزائے ترکیبی حکمراں قوم کے افراد ہیں جو اپنے مخصوص اغراض کے ماتحت انتظام مملکت کرتے ہیں اُن کے نزدیک قابلیت کا ایک خاص معیار ہے اور ماتحت اقوام کی ترقی اور حکومت میں مداخلت کی ایک حد ہے۔ جس سے تجاوز کرنا ممکن نہیں۔

رفارم اسکیم سے پہلے تو محکوم اقوام کے افراد کو انتظام مملکت میں حصہ لینے اور جوہر قابلیت کے نمایاں کرنے کا بالکل موقع نہ تھا خصوصاً غیر انگریزی داں تو اس کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے، زیادہ سے زیادہ اُن کا معراج کمال ڈپٹی کلکٹری یا سب ججی کا عہدہ تھا مگر روز افزوں قیود و شرائط نے غیر انگریزی دانوں کے لیئے یہ دروازہ بھی بند کر دیا تھا، ان حالات اور

مخصوص طرزِ حکومت کی وجہ سے اکثر اعلیٰ دماغی و عملی اوصاف رکھنے والے اشخاص کو اُبھرنے اور کام کرنے کا موقع نہیں ملا، اور ہندوستان اُن کی خدمات سے محروم رہ گیا۔

البتہ دیسی ریاستوں میں قابل اشخاص کے لیے میدانِ عمل موجود تھا اور ترقی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جہاں کبھی کبھی کسی خوش نصیب کو اپنی دماغی قوت اور انتظامی قابلیت ظاہر کرنے کا موقع ملجاتا تھا۔ اگرچہ یہاں بھی مشکلات کا سامنا تھا اور آزادانہ طریقہ پر کام کرنا دشوار کیونکہ ایک طرف ایجنسی اور رزیڈنسی کی مداخلت، وائسرائے کا مشورہ اور کسی معاملہ کا پسند یا ناپسند کرنا، فرمانروائے ملک کی ناخوشنودی کا خیال مختلف الاغراض پارٹیوں اور گروہ بندیوں کا طوفان، اور حکام ریاست کی منافست؛ دوسری طرف ضمیر کی متابعت، قوت ایمانی اور قابلیت کا زور، ملک کی ترقی واصلاح کا حوصلہ، اور مذہب وملّت کی خدمت کا ولولہ، ایک حوصلہ مند شخص کو بھی کش مکش میں مبتلا کر دیتا ہے، یہی سبب ہے کہ مشکل سے کسی ہندوستانی ریاست کی اعلیٰ عہدہ دار کی زندگی اس کش مکش اور تصادم افکار واغراض سے پاک نظر آتی ہے۔

مولوی مشتاق حسین نے گورنمنٹ انگریزی کی حکومت میں محرری سے قایم مقام تحصیلدار کے عہدے تک ترقی کی اور ان تمام مدارج میں محنت، دیانت، اور عزتِ نفس کے ساتھ کام کیا مگر اُن کو اپنی مخصوص قابلیت اور فطری خصوصیات کے نمایاں کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ لیکن اِسی زمانہ میں ایک طرف تو انگریزی حکومت مضبوط و مستحکم بنیاد پر قایم ہو چکی تھی اور جدید آئین وقوانین جاری ہو رہے تھے، دوسری طرف ہندوستانی ریاستوں میں تحریک اصلاح کا آغاز تھا اور قدیم طرزِ حکومت میں تبدیلیاں ہو رہی تھیں، اور جدید اصلاحات کے عمل میں لانے کے لیئے ہندوستان کے قابل اشخاص کی ضرورت ہر ریاست میں محسوس کی جاتی تھی اس لیے مولوی مشتاق حسین جیسے قابل اور دیانت دار افسر کے لیئے کسی ہندوستانی ریاست میں کام کرنے کا عمدہ موقع حاصل ہونا ناممکن نہ تھا۔

ہندوستانی ریاستوں میں حیدرآباد کو اپنے رقبہ (آبادی، اور اعزاز و وقار کے لحاظ

سے ایک خاص رتبہ حاصل ہے، اور اس کی گزشتہ تاریخ بھی شاندار واقعات کا مرقع ہے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی جب ہندوستان میں ہر طرف اصلاحات کا آغاز ہو رہا تھا۔ مملکت آصفیہ میں بھی ایک جنبش پیدا ہو رہی تھی۔ خوش قسمتی سے اس زمانہ میں ملک کی عنانِ حکومت سر سالار جنگ اعظم کے ہاتھ میں تھی جن کو اعلیٰ درجہ کی انتظامی قوت اور قابلیت حاصل تھی، اور جدید اصول پر ملک کی ترتیب و تنظیم کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیئے اُن کو قابل اور تجربہ کار اشخاص کی ضرورت تھی جو اصلاحات کی ترویج اور نظم و نسق مملکت میں اُن کے معین و مددگار رہوں، چنانچہ اُنھوں نے نہایت احتیاط و بیدار مغزی سے متعدد اشخاص کا انتخاب کیا جن کی خدمات سے دولتِ آصفیہ کو معتدبہ فائدہ پہنچا، اسی سلسلہ میں مولوی مشتاق حسین کا انتخاب بھی عمل میں آیا جو ایک تجربہ کار، متدین، پُراحتیاط، پابند مذہب اور راستباز شخص تھے، محنت و مستعدی اُن کی فطرت میں داخل تھی، اور مضبوطی کے ساتھ کام کو اپنے گرفت میں لینا اُن کی ایک نمایاں خصوصیت تھی، اور اس زمانہ میں حیدرآباد کو اسی قسم کے لوگوں کی ضرورت تھی جو استقلال و جراءت دیانت و امانت اور غیر متزلزل ارادہ کے ساتھ ملک کا انتظام کریں۔ چنانچہ واقعات مابعد نے بتادیا کہ اُن کا وجود حیدرآباد کے لیئے کس قدر مفید و قیمتی ثابت ہوا، اور اُن کو اپنے جوہر قابلیت اور قوتِ عمل کے نمایاں کرنے کا کیسا نادر موقع ہاتھ آیا۔

عہد سالار جنگ کا حیدرآباد

اِس زمانہ میں اعلیٰ حضرت نظام آصف جاہ سادس نوعمر تھے، حکومت کے اختیارات کونسل آف ریجنسی کو حاصل تھے، سر سالار جنگ ریجنٹ تھے، اہم معاملات میں گورنمنٹ آف انڈیا سے استصواب کیا جاتا تھا جس کو انتظام مملکت پر نگرانی کا اعلیٰ منصب حاصل تھا۔

سر سالار جنگ کا زمانہ حیدرآباد میں تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ اِس خاندان کے متعدد افراد عہدۂ وزارت اور مناصب جلیلہ پر مامور ہو چکے تھے سر سالار جنگ اپنے چچا نواب سراج الملک کی وفات کے بعد ۱۸۵۳ء میں نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع کے عہد حکومت میں عہدۂ مدار المہامی پر سرفراز ہوئے اور نواب افضل الدولہ آصف جاہ خامس کے زمانہ میں بھی اس منصب پر مامور رہے اور نہایت احتیاط و ہوشمندی کے ساتھ انتظام مملکت اور ترویج اصلاحات میں کوشش کرتے رہے۔

۱۸۵۷ء کے نازک زمانہ میں چند ماہ تک ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نواب افضل الدولہ اور اُن کے وزیر اعظم سر سالار جنگ کی چشم و ابرو کے ایک اشارہ پر منحصر تھا لیکن اس نکتہ شناس اور عاقبت اندیش مدبر نے نہایت وفاداری اور استقلال کے ساتھ انگریزوں کا ساتھ دیا، اور جب کہ فوجی افسروں اور رزیڈنٹ کو یہ خطرہ تھا کہ

"اگر نظام باغیوں کے ساتھ مل گیا تو سب کچھ جاتا رہا"

تو نظام نے جاتے رہنے کے بجائے اپنی دوستانہ امداد اور استقامت سے سب کچھ انگریزوں کو دلا دیا، لیکن با این ہمہ سر سالار جنگ اپنے خود مختارانہ انداز اور صوبہ برار حاصل کرنے کی پیہم خواہش و ارادہ کی وجہ سے رزیڈنٹ یا گورنمنٹ ہند کے دل میں جگہ نہ حاصل کر سکے بلکہ بقول لارڈ لٹن

"گورنمنٹ کے لئے خطرہ بنے رہے"

چونکہ استرداد برار گورنمنٹ ہند کے اغراض کے خلاف تھا، اور دلائل کی قوت یا استحقاق سے بحث نہ تھی، اس لئے مختلف مواقع پر ہوشیاری کے ساتھ سر سالار جنگ کے اقتدار کو کمزور کیا گیا، اور اُن کو کامل اختیارات حاصل نہ ہو سکے۔ اگرچہ وہ ریجنٹ تھے، لیکن اُن کو پورے اختیارات نہ تھے، شمس الامرا نواب رفیع الدین خاں امیر کبیر ثانی اُن کے شریک کار تھے، جن کے مشورہ سے سلطنت کا کام انجام پاتا تھا۔

بدقسمتی سے سر سالار جنگ اور امیر کبیر کے تعلقات شگفتہ نہ تھے، دونوں کے نصب العین اور اغراض میں بھی اختلاف تھا، اس لیئے سر سالار جنگ کو اپنے شریک کار کی تائید و رضامندی اور رزیڈنٹ کی موافقت و منظوری حاصل کرنے میں سخت دشواریاں پیش آتی تھیں مزید برآں یہ کہ ملک اصلاحات کے لیے تیار نہ تھا، جن لوگوں کو اصلاحات سے نقصان پہنچنے اور ناجائز وسائل معاش کے بند ہونے کا احتمال تھا وہ انتظام میں مشکلات پیدا کرتے تھے، لیکن باوجود ان مشکلات کے سر سالار جنگ اپنی استقامت اور حسن تدبیر سے اکثر مشکلات پر غالب آئے، اور ملکی فلاح کی خاطر نہایت وفاداری اور استقلال سے اپنے مجوزہ پروگرام پر عمل کرتے رہے اور ایک حد تک کامیاب ہوئے۔

سر سالار جنگ کو سب سے زیادہ ایسے قابل اشخاص کی ضرورت تھی جو انگریزی حکومت میں انتظام کا تجربہ اور ہر صیغہ سے اعلیٰ واقفیت حاصل کر چکے ہوں اور مقامی اثرات اور حالات سے آزاد ہوں تاکہ اُن کے ارادہ اور تجویز کے مطابق آزادانہ طور پر کام کر سکیں بدقسمتی سے خود حیدرآباد میں اِس قسم کے اشخاص نہ تھے۔ اس لیئے خواہ مخواہ باہر سے تجربہ کار لوگوں کے بلانے کی ضرورت ہوئی۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو لوگ مختلف خدمات پر مامور ہو کر حیدرآباد آگئے، اُن میں سے اکثر نے اس خیال سے کہ حیدرآباد ایک اسلامی حکومت ہے، اپنی خدمت کو ایک مذہبی فرض کے طور پر انجام دیا، اور تمام ہندوستان میں دولتِ آصفیہ اور اس کے فرماں روا کی عظمت و شوکت کی داستانیں پھیلادیں، اگر سالار جنگ ملکی اصلاح کے کام کو اس زمانہ تک ملتوی رکھتے کہ خود ملک کے لوگ قابلیت اور تجربہ حاصل کر کے کام کرنے کے لیئے تیار ہو جائیں تو ملک کو نقصان پہنچتا اور سر سالار جنگ کو ناکامی ہوتی۔ اس لیئے انھوں نے نہایت فراخ حوصلگی سے اپنے گرد قابل لوگوں کو جمع کیا اور اُن کی قابلیت اور تجربہ سے فائدہ اٹھایا اور یہی انکی کامیابی اور شہرت کا راز ہے۔

مولوی مشتاق حسین جب حیدرآباد پہنچے اُس وقت انتظام حکومت کی جو صورت تھی

اس کو خود اُنھوں نے اپنے ایک خط میں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے اس زمانہ کے واقعات کسی قدر روشنی میں آتے ہیں اور طرزِ حکومت کے متعلق بھی اجمالاً اندازہ ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:-

"جس روز آپ کا نوازش نامہ پٹن کے مقام پر پہنچا، اُسی روز مولوی سید مہدی علی صاحب وہاں آگئے اور جو کام چند روز کے لیے میرے سپرد ہوا تھا وہ میں نے اُن کو سپرد کر دیا اور اب میں خاص اورنگ آباد چلا آیا ہوں جہاں جناب صدر المہام عدالت کے ایما سے اس قسمت کے اضلاع میں دیوانی و فوجداری عدالتوں اور جیل خانوں کا کام محکو دیکھ کر ایک رپورٹ کرنا ہے۔ پس میں اپنے اس جدید کام میں مصروف ہوں اور کل ہی یہاں آیا ہوں لیکن اس کام کو بالفعل شروع کرتا ہوں اور کچھ مختصر سی کارروائی کے بعد ارادہ ہے کہ ہفتہ عشرہ میں رخصت پر روانہ ہوں، اس موقع پر انشاء اللہ حصول ملازمت کے لیے حتی الامکان کوشش کروںگا۔

اوپر میں نے صدر المہام عدالت کا ایک عہدہ بیان کیا ہے اس لیے یہ تبلا دینا ضرور ہے کہ جناب نواب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر کل ریاست کے منتظم اعلےٰ ہیں جن کا لقب ہے مدار المہام، اُن کے ماتحت چار صدر المہام ہیں ایک صیغہ مال گزاری، دوم صیغہ عدالت، (جس میں دیوانی فوجداری دونوں شامل ہیں اور جیل خانہ جات) سوم کوتوالی (یعنی پولیس) چہارم متفرقات (اس میں تعلیم اور تعمیرات، اور طبابت، اور صفائی وغیرہ مراتب شامل ہیں) پھر ہر ایک صدر المہام کے متعلق کافی تعداد کے اور افسر ہیں اور اسی طرح درجہ بدرجہ سب قسم کے عہدہ دار موجود ہیں۔ مثلاً صدر المہام مال گزاری کے ماتحت جو انتظام ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کل ریاست چھ قسمتوں پر منحصر ہے اور ہر ایک قسمت میں کم سے کم تین ضلع ہیں ہر ایک قسمت میں ایک صدر تعلقہ دار گویا کمشنر اور ہر ایک ضلع میں ایک تعلقہ دار اول ہے۔ یعنی

کلکٹر، اور اس کے ماتحت ایک دوم تعلقہ دار (گویا اسسٹنٹ) ہی- سوم تعلقہ دار مہتمم خزانہ بھی ہوتا ہی- پھر ان ضلع کے ہر سہ حاکموں کے ماتحت ایک ایک دو دو بلکہ تین تین تحصیلیں ہیں جن میں تحصیلدار اور پیشکار وغیرہ ضروری عملہ شامل ہی-

بعض اور محکمہ جات ہیں جو کسی صدر المہام کے ماتحت نہیں ہیں بلکہ صرف مدار المہام سے علاقہ رکھتے ہیں ان میں سے ایک محکمہ تنقیح ہی اس کا کام ہی تمام حسابوں کا جانچنا گو کسی صیغہ کے ہوں اور جب تک وہ کسی خرچ کو اور اس کے حساب کو درستی سے جانچ کر اور رسیدوں سے مقابلہ کر کر منظور نہیں کر لیتا، تب تک وہ خرچ پکا خرچ نہیں کہا جاتا، اور محکمہ خرچ کنندہ اس کا ذمہ دار رہتا ہی- یہ محکمہ اس بات کو بھی دیکھتا ہی کہ جس محکمہ نے جو خرچ کیا اُس کو اس کا اختیار بھی تھا یا نہیں ؟-

خلاصہ یہ ہی کہ ہر ایک صیغہ نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ قایم کیا گیا ہی اور اس سے جناب مدار المہام کی لیاقت کا اندازہ نہایت آسانی سے ہو سکتا ہی، کیونکہ یہ اُنھیں کا کام تھا- مگر جس قدر کمی اس انتظام میں ہی، وہ عمدہ آدمیوں کی کمی ہی- جس کا تدارک مدار المہام دفعتہً نہیں کر سکتے، اور جو ایک ایسی بات ہی کہ ہر جگہ کم و بیش اُس کی شکایت رہتی ہی، تاہم ہمارے جناب مدار المہام اس خرابی کو بھی حتی الامکان دور کرتے جاتے ہیں، اور اس وقت جس قدر عمدہ اور اعلےٰ تنخواہیں اس ریاست کے عہدہ داروں کی ہیں ایسی کسی اور ہندوستانی ریاست میں نہیں ہیں لیکن جناب مدار المہام اس کو بھی کافی نہیں سمجھتے اور بتدریج اس میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تا کہ لائق لائق آدمیوں کو جمع کر سکیں اور اب سب سے زیادہ اُن کو اس بات کا خیال ہی کہ خود اپنی ہی ریاست میں سے عمدہ آدمی پیدا کریں اور اس لیے تھوڑے عرصہ میں یہاں کے سررشتہ تعلیم میں شاید ایک بڑی تبدیلی ہونے والی ہی-

مولوی مہدی علی صاحب کو ایک ہزار تنخواہ ملتی ہی، اور ابھی کوئی مستقل خدمت

اُن کو بھی سپرد نہیں ہوئی اُن کا کام بالفعل تمام اضلاع میں صیغہ مال کا دیکھنا ہے لیکن چند روز بعد اُن کو ایک بہت عمدہ خدمت ملنے والی ہے میں سب طرح خوش ہوں اور خدا کا شکر کرتا ہوں، کوئی کام بھی مجکو سپرد ہو میں اس پر راضی ہوں۔"

یہ اس زمانہ کی انتظامی حالت کا مختصر خاکہ ہے جب کہ مولوی مہدی علی خاں اور مولوی مشتاق حسین کا ابتدائی دور تھا، زمانہ ماقبل کے لحاظ سے یہ عہد ایک حد تک غنیمت تھا لیکن ابھی بہت کچھ کرنے کے لیے باقی تھا، ریاست میں اگرچہ مختلف محکمے اور صیغے قایم ہو چکے تھے لیکن کسی محکمہ کی حالت قابل اطمینان نہ تھی ہر صیغہ کا طریق عمل اسقدر پیچیدہ اور ناقص تھا کہ روزمرہ انتظامی دشواریاں پیش آتی تھیں امرا کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُن کے برخلاف انصاف کا حاصل کرنا ناممکن تھا، اضلاع میں انتظامی حالت اور بھی زیادہ ابتر تھی، عدالتیں خارجی اثرات سے آزاد نہ تھیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملک کی مالی حالت نازک تھی، ریاست پر قرضہ کا بار تھا، تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، آبپاشی کے ذرایع محدود تھے، ملک کی صنعت وحرفت مردہ ہو چکی تھی، رشوت خواری اور سازش کا بازار گرم تھا اور ملک ایسے اشخاص سے خالی تھا جو کسی قسم کی انتظامی صلاحیت اور قابلیت رکھتے ہوں۔

نواب مختار الملک سر سالار جنگ نے اپنی وفات سے چند ماہ پہلے جو غیر معمولی اعلان آخر سنہ ۱۲۹۹ھ میں شائع کر کے اصلاحات کی جدید اسکیم پیش کی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سر سالار جنگ کے ابتدائی زمانہ میں ملک کی انتظامی حالت کسقدر قابل اصلاح تھی اور باوجود اُن کی سی سالہ جد وجہد کے اصلاح کی مزید ضرورت وگنجائش اُن کے آخر عہد میں بھی موجود تھی۔ سر سالار جنگ فرماتے ہیں:

"ازانجا کہ سرکار عالی راہمیشہ خواہش آں بودہ است کہ در صلاح و فلاح رعایا انتظام محکمہ جات وعدالت ہا کہ ازاں سود و بہبود رعایا، و آبادی و سرسبزی مملکت و ترقی مکاسب و تجارت متصور است ترقی روز افزوں کردہ آید نظر برآں تاحال بو ادنی تبدیلات

مملکت ؔ فوقتاً فوقتاً در ہر شتہ و ہر محکمہ ترقیات نمایاں و انتظامات ضروری بعمل آمد کہ اگر حالات چند سالہائے گزشتہ را با انتظام موجودہ (حالانکہ آں ہم بلحاظ حالات ایں ماں قابل اصلاح و ترقی بنظر می آید) مقابلہ کردہ شود تو اں دریافت کہ در ہمیں چند سالہائے گزشتہ آں قدر اصلاح و ترقی بعمل آمدہ است کہ گزشتہ را با موجودہ ہیچ نسبتے نتواں داد۔"

سر سالار جنگ نے جن "چند سالہائے گزشتہ" کی ترقی کے متعلق اپنے اعلان میں اشارہ کیا ہے۔ یہ درحقیقت وہ زمانہ ہے جب کہ قابل اور تجربہ کار ہندوستانی سر سالار جنگ کے ظلِّ عاطفت میں ملک کی اصلاح میں جوش و سرگرمی سے مصروف تھے، لیکن جیسا کہ مولوی مشتاق حسین نے اپنے مندرجہ بالا خط میں لکھا ہے اسی زمانہ میں سر سالار جنگ کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے ملک میں لائق آدمی سرکاری خدمات کے لیے پیدا کیے جائیں چنانچہ خود سر سالار جنگ لکھتے ہیں:۔

"امرے کہ بسرکار عالی از ہمہ اہم تر متصورست و بارہا غور و لحاظ در آں رفتہ تعلیم و تربیت اہل ایں ملک از اولاد معززین ایں ریاست بودہ است، سرکار عالی راہمیشہ مد نظر بودہ است کہ رعایا و باشندگان ایں ملک عموماً و معززین ایں ریاست خصوصاً آں چناں تعلیم و تربیت یابند کہ بر عہدہ ہائے سرکاری مقرر تواند شد۔"

غرض سر سالار جنگ کے عہد مدار المہامی کا آخری عشرہ اور اصلاحات و بیداری کا زمانہ تھا جب کہ مولوی مشتاق حسین حیدرآباد پہنچے، اور ان کا تعلق صیغہ عدالت سے ہوا۔ آئندہ مطالب کے سمجھنے اور اس زمانہ کے حالات کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بالاختصار ریاست حیدرآباد کے انتظام عدالت پر ایک تاریخی تبصرہ کر دیا جائے۔

ریاست حیدر آباد کا انتظامِ عدالت

۱۲۳۷ھ سے پہلے حیدر آباد میں عدالت کا انتظام ناقص اور ابتر تھا بلکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ در حقیقت کوئی انتظام نہ تھا اور جو ناقص انتظام تھا بھی وہ صرف بلدہ (دار الریاست) میں تھا، اضلاع میں کوئی محکمہ عدالت کے نام سے نہ تھا۔ نہ انصاف حاصل کرنے کا کوئی معقول ذریعہ تھا۔

بلدہ میں اکثر اشخاص بلا لحاظ اس امر کے کہ اُن کا معاملہ کس صیغہ سے تعلق رکھتا ہے اپنے مقدمات خاص مدار المہام کے یہاں پیش کرتے تھے لیکن مقدمات کے تصفیہ کے لیئے کوئی واجب العمل دستور یا ضابطہ نہ تھا، مدار المہام اپنے طور پر مناسب فیصلہ کر دیتے تھے، بڑے بڑے اضلاع میں اکثر اوقات قاضی مقدمات کا تصفیہ کرتے تھے، معمولی اضلاع اور قصبات میں پنچایت یا پٹیل اور پٹواری کے ذریعہ سے مقدمات کا فیصلہ ہوتا تھا۔

تاجر اور بیوپاری اپنا مال دو چند وسہ چند قیمت پر بطور قرض فروخت کرکے سودی دستاویز لکھوا لیتے، یہ لوگ اپنی حفاظت کے لیے عربوں اور روہیلوں کو ملازم رکھتے اور اُنہی ملازموں کے ذریعہ سے نہایت سخت گیری اور تنگ طلبی سے اپنا قرضہ وصول کرتے تھے، یہاں تک کہ بر وقت ضرورت اپنے قرضداروں کو طرح طرح کی جسمانی تکلیفیں پہنچاتے تھے، بلکہ اُن کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ بہ اختیار خود قرضداروں کا سامان خانہ داری اور ہتیار وغیرہ ضبط کر لیتے تھے، اور اس پر مزید ظلم یہ کہ ان ملازمون کی تنخواہیں بھی اپنے قرضداروں سے وصول کرتے تھے جن کو وہ تقاضا کرنے یا اپنی ذات کی حفاظت کے لیئے ملازم رکھتے تھے۔

عرب بھی لوگوں کو سنگین شرح سود پر قرض دیا کرتے تھے، اُن کے مظالم اور بھی حیرت انگیز تھے، وہ اپنے قرضداروں کو اذیت پہنچانے میں نہایت دلیر تھے، یہاں تک کہ قرضداروں کے جسم کو جابجا داغ دینے میں بھی اُن کو تامل نہ ہوتا تھا، اُن کی دغابازی کی انتہا یہ تھی کہ بعض اوقات کسی دیسمکھ یا زمیندار سے ناراض ہو کر اس کو بے آب و دانہ کسی حجرہ میں بند کر دیتے، اور بغیر

کسی داد وستد کے اس سے قرضہ کی فرضی دستاویز تحریر کرا لیتے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قانون اور عدالت کی اُس وقت کیا حالت تھی۔

حسنِ انتظام کی یہ کیفیت تھی کہ قتل و غارت گری کے مقدمات میں جو مجرم یا مشتبہ اشخاص گرفتار ہوتے تھے، وہ سالہا سال تک حوالات میں پڑے رہتے تھے اور کوئی اُن کا پرسان حال نہ ہوتا تھا اور جو لوگ سزایاب ہوتے تھے وہ مدتِ معینہ پر رہائی نہیں پاتے تھے، دفتری انتظام کی یہ حالت تھی کہ مقدمہ کے متعلق اہم اور ضروری کاغذات بھی دفتر میں موجود نہیں رہتے تھے، اصل فیصلہ اکثر اوقات اہل مقدمہ کے حوالہ کر دیا جاتا یا زبانی فیصلہ سنا دیا جاتا تھا، اس لیے یہ معلوم کرنا قریباً ناممکن تھا کہ کس عدالت میں کسقدر مقدمات ایک سال کے اندر پیش ہوئے۔

ہم نے ان حالات کو حتی الامکان اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تاہم اس سے ایک حد تک حیدر آباد کی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

عدالت دیوانی سنہ ۱۲۳۷ھ سنہ ۱۲۳۷ھ سے انتظام عدالت میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں شروع ہوئیں، یعنی اس سنہ میں دولتِ آصفیہ کے مشہور مدار المہام مہاراجہ چندو لال نے بلدہ کی پرانی عدالتوں کے علاوہ ایک جدید عدالت بنام "عدالت دیوانی" قائم کی۔ اسی عدالت کا نام بعد کو "عدالتِ بزرگ" بھی مشہور ہوا، یہ عدالت خود مہاراجہ کی ڈیوڑھی میں تھی اور اس کا طریق عمل یہ تھا کہ جو لوگ کوئی استغاثہ مہاراجہ کے پاس لے جاتے متعدد داروغہ جو وہاں متعین تھے اُن کے عرایض لے لیتے اور کیفیت معاملہ مہاراجہ سے عرض کرتے اور جو کچھ ایما مہاراجہ کا ہوتا اس کے مطابق حکم دیتے، تمام مقدمات دیوانی اور فوجداری اور دار القضا کے بغیر کسی ضابطہ اور امتیاز کے اس محکمہ میں فیصل ہوتے تھے۔

عدالت فوجداری سنہ ۱۲۵۴ھ مہاراجہ چندو لال کی پیشکاری کے زمانہ میں ایک اور عدالت (بلدہ میں) بنام عدالت فوجداری ۲۷ رمضان سنہ ۱۲۵۴ھ کو قایم ہوئی جس کا نام بعد کو "عدالت العالیہ فوجداری" اور "فوجداری عالیہ بلدہ" بھی مشہور ہوا اس عدالت کے حاکم کو ناظم کہتے تھے، اسی

زمانہ میں سب سے پہلے عدالت کا ایک دستور العمل بھی بنایا گیا جو اس زمانہ کے لحاظ سے موزوں تھا۔ اس زمانہ تک حکام عدالت کو کسی قسم کا اختیار یا اقتدار نہ تھا، نہ وہ کسی مقدمہ کا فیصلہ مدارالمہام کی مرضی کے خلاف کر سکتے تھے بلکہ ہر معاملہ میں مدارالمہام کی طرف رجوع کرتے تھے۔

عہد نواب سراج الملک اور انتظام عدالت ۱۲۶۲ھ

ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ میں نواب سراج الملک بہادر عہدہ مدارالمہامی پر فائز ہوئے، اُنھوں نے صیغہ عدالت کی طرف زیادہ توجہ کی۔ یعنی

(۱) بلدہ (دارالحکومت) کی عدالتوں کے اختیارات میں اضافہ کیا۔

(۲) عدالتوں کو ممانعت کر دی کہ ایک روپیہ سینکڑہ سے زیادہ سود نہ دلائیں۔

(۳) قطع ید کو موقوف کر کے اس کے بجائے سزائے قید جاری کی۔

۱۲۶۳ھ میں اُنھوں نے اضلاع کے انتظام عدالت کی اصلاح پر توجہ کی یعنی اضلاع میں جن کو اس وقت "تعلّقہ" کہتے تھے "منصف" اور "میر عدل" مقرر کیے جو حتی الامکان اضلاع کے لائق قاضیوں کی جماعت میں سے منتخب کیے گئے تھے، اس وقت تعلّقات (اضلاع) کے انتظام کی یہ صورت تھی کہ مقتدر اشخاص تعلّقات (اضلاع) کا ٹھیکہ لے لیتے تھے، اور تعلقہ دار کے نام سے موسوم ہوتے تھے، دستور یہ تھا کہ زرِ مشخصہ میں سے حسب قرارداد ایک رقم خرچ ملازمین کے نام سے وضع کر لیتے تھے، زیادہ ترفی روپیہ ۲؍ اس غرض سے وضع کیا جاتا اور ۱۴؍ داخلِ سرکار ہوتے البتہ فوجی ملازمین کی تنخواہ جو اضلاع میں متعین ہوتے تھے، سرکاری رقم ۱۴؍ میں سے وضع ہوتی تھی اسی طرح ہر ضلع کے "منصف" اور "میر عدل" کی تنخواہ اِسی ۱۴؍ میں سے وضع ہو کر بنام اخراجات سرکاری لکھی جاتی تھی، جس کے یہ معنے تھے کہ یہ عہدہ دار سرکاری حیثیت رکھتے ہیں، تعلقہ داران کے ملازم نہیں۔

اِن عہدہ داروں کو دیوانی اور فوجداری کے غیر محدود اختیارات حاصل تھے، اور کوئی قاعدہ ان کے فیصل کردہ مقدمات کی اپیل کا نہ تھا۔ منصف اور میر عدل کے عہدے مساوی حیثیت رکھتے تھے، اُن کے مابین افسری یا ماتحتی کا تعلق نہ تھا، نہ دونوں کے اختیارات میں کوئی فرق

تھا، جو لوگ چھوٹے اضلاع میں مقرر ہوتے تھے اُن کو منصف، اور جن کا تقرر بڑے اضلاع میں ہوتا تھا اُن کو میر عدل کہتے تھے، اِن تمام حکام کا اقتدار پورے ضلع پر ہوتا تھا، ۱۹ اضلاع میں منصف مقرر تھے اور ۴ اضلاع میں میر عدل۔

تصحیح تعلقات | چند روز بعد یہ قرار پایا کہ منصف اور میر عدل اپنے تمام فیصلوں کو عام اس سے کہ دیوانی ہوں یا فوجداری، بغرض "تصحیح" عدالت فوجداری بلدہ میں بھیجا کریں چنانچہ تمام فیصلے بذریعہ عرائض، "دار الانشاء" میں جاتے تھے، وہاں سے عدالت فوجداری میں بھیجے جاتے تھے، اور بعد "تصحیح" تعلقہ داروں کے پاس واپس کیئے جاتے تھے جو ان کی تعمیل کرتے تھے۔

عدالت دیوان خانہ یا عدالت خورد ۱۲۶۷ھ | اس زمانہ میں عموماً عدالت میں جانا معیوب سمجھا جاتا تھا، ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اپنا معاملہ براہِ راست مدار المہام کے سامنے پیش کرے اس بنا پر نواب سراج الملک نے ایک سر رشتہ عرائض لینے کے لیئے اپنے مکان پر قایم کیا (تاکہ لوگوں کو اس خیال سے اس پر زیادہ اعتماد ہو کہ تمام مقدمات کا فیصلہ خود مدار المہام کرتے ہیں) اور اس پر ایک عہدہ دار کو بلقب ناظم مامور کیا، دیوانی اور فوجداری کے متعلق ہزاروں عرضیاں یہاں پیش ہونے لگیں، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس سر رشتہ عرائض نے ایک مستقل محکمہ عدالت کی صورت اختیار کر لی اور اکثر مقدمات جو دیوانی فوجداری یا دار القضا وغیرہ کے متعلق ہوتے تھے، اِسی محکمہ میں پیش ہونے لگے۔

اِس عدالت کا "ناظم" با اختیار نہ تھا، مقدمات کا فیصلہ یا تو خود مدار المہام کرتے تھے، یا جن محکموں سے اُن مقدمات کا تعلق ہوتا تھا وہاں بھیج دیتے تھے، لیکن چونکہ یہ محکمہ خاص مدار المہام کے محل میں تھا اس لیئے اُس کا رعب و اقتدار زیادہ تھا، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس محکمہ میں قابل اعتماد فیصلہ ہوتا ہے۔ اِس محکمہ کا نام بعد کو "عدالتِ دیوانی بلدہ" اور "عدالت خورد" بھی قرار پایا۔ ۱۲۷۰ھ میں نواب مختار الملک سر سالار جنگ نے اس عدالت کو عمارت چینی خانہ میں منتقل کر دیا۔ اس زمانہ سے عوام میں اس کا نام "عدالت چینی خانہ" مشہور ہو گیا

سنہ ۱۲۷۹ھ میں اس عدالت کو ایک ہزار کی مالیت تک کے دیوانی مقدمات کا اختیار دیا گیا۔

نواب مختار الملک سر سالار جنگ اور اصلاحِ عدالت سنہ ۱۲۶۹ھ

سر سالار جنگ کی مدار المہامی کا آغاز شعبان سنہ ۱۲۶۹ھ سے ہوتا ہے، اس زمانہ تک ملک میں بدنظمی اور ابتری موجود تھی رسوخ یافتہ لوگوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا نہ عدالتوں کا کوئی احترام تھا نہ اُن کے فیصلوں کی کوئی وقعت تھی۔

نواب سر سالار جنگ نے ابتدا ہی سے اس حالت کو محسوس کیا، اور خاص حیدرآباد میں ایک با اقتدار عدالت بنام "عدالت بادشاہی" قایم کی عدالت کا ایک افسر اعلیٰ ناظم اور چار عہدہ دار بطور نائب ناظم مقرر کیے اور بلحاظ ضرورت وحالات اس عدالت کو کافی اختیارات دیوانی اور فوجداری کے عطا کیے گئے، البتہ قتل اور حبس دوام کے احکام مدار المہام نافذ کرتے تھے، اس محکمہ کے نائب ناظم جو تجویز کسی مقدمہ کے متعلق کرتے پہلے اس کا مسوّدہ ناظم عدالت کی سامنے پیش کرتے، اور آخری فیصلہ ناظم کے حکم سے عمل میں آتا۔

سنہ ۱۲۷۲ف میں نواب سالار جنگ نے صیغہ عدالت کی مزید نگرانی کی غرض سے ایک عہدہ معتمد عدالت کا اضافہ کیا، اس کے بعد سنہ ۱۲۷۹ف م سنہ ۱۸۶۹ء میں صیغہ عدالت پر مزید توجہ کی، اور اُمرائے پائیگاہ میں سے نواب بشیر الدولہ بہادر کو صیغہ عدالت کا صدر المہام مقرر کیا گیا، اور اُن کے ماتحت ایک عہدہ معتمد صدر المہام عدالت کے نام سے تجویز کیا گیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اصلاحات چند در چند اس زمانہ تک بھی عدالت کے احکام کی زیادہ وقعت نہ تھی، نہ لوگ ان احکام کی تعمیل ضروری سمجھتے تھے اس لیے سر سالار جنگ نے عدالت اور سرکاری محکمہ جات کا اقتدار بڑھانے کے لیے امرائے حیدرآباد کو مختلف ذمہ داریوں کے کام پر مامور کیا جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:۔

"ازیں انتظام و تقرر محکمہ جات جدید کہ محتاج نگرانی بودند کثرت کار در دفتر مدار المہام سرکار عالی افزودہ بود۔ لہٰذا مناسب نمود کہ چند اُمرا از اُمرائے ذی وقعت و اعتبار این ریاست کہ عظمت شان و رعب و داب شان در قلوب رعایائے این ملک جا داشتہ باشند

دہر کہ دمہ برضائے قلبی در قبول تجاویز احکام شامل باشد بجہت نگرانی کارروائی محکمہ جات وتجویز وانفصال امور انتظامی کہ ازاں محکمہ جات تعلق داشتہ باشند مقرر شوند، بہ اُمید ایں کہ نگرانی جملہ امور باحسن وجوہ انجام یابد۔ چنانچہ در ۱۲۸۶ھ چہار صدرالمہاماں مع معتمدمال و دیگر عملہ ضروری مقرر شدند۔"

صدر عدالت اضلاع مستردہ اور مجلسِ مرافعہ

شورا پور کی ریاست جو بجرم بغاوت ۱۲۷۴ھ میں ضبط ہو کر گورنمنٹ انگریزی کے علاقہ میں شامل ہو گئی تھی ۱۲۷۷ھ میں نظام کو واپس کی گئی اس کے علاوہ ۱۲۷۸ھ میں چند اضلاع رائچور و نلدرگ وغیرہ مملوکہ نظام جو گورنمنٹ انگریزی کے قبضہ میں تھے دوبارہ علاقہ نظام میں شامل ہوئے، اس وقت ایک علیحدہ محکمہ "صدر عدالت اضلاع مستردہ" کے نام سے قایم کیا گیا، ۱۲۸۰ھ میں تصحیح تعلقات کا کام بھی اس محکمہ کے متعلق کیا گیا اور اس کا نام "صدر عدالت مستردہ وتصحیح تعلقات" قرار پایا۔ بعد ازاں نام کی چند تبدیلیوں کے بعد ۱۲۸۲ھ میں اس کا نام "محکمہ مرافعہ اضلاع" رکھا گیا، اِس کے علاوہ "مجلس مرافعہ" کے نام سے ایک مجلس قائم ہوئی اور محکمہ مرافعہ بھی اس میں شامل ہو گیا، مجلس مرافعہ کا ایک میر مجلس اور چار رُکن ہوتے تھے، لیکن یہ مجلس بھی صدرالمہام کے ماتحت تھی؛ اس میں ہر قسم کے مقدمات پیش ہوتے تھے اور وہ اُن کا فیصلہ کرتی تھی لیکن درحقیقت وہ مکمل طور پر آزاد نہ تھی، جب کسی مقدمہ کا فیصلہ صدرالمہام یا مدارالمہام کو ناپسند آتا تو مجلس کو نظر ثانی کا حُکم دیتے۔ اگر اس پر بھی مجلس اپنا فیصلہ نہ بدلتی تو مکرر غور کا حکم دیتے اور جب تک فیصلہ تبدیل نہ ہو جاتا برابر نظر ثانی کے لئے احکام آتے رہتے، آخر میں اس مجلس کا نام "مجلس عالیہ عدالت" قرار پایا اور رفتہ رفتہ اختیارات میں اضافہ ہوا۔

یہ حیدرآباد کے اصلاح یافتہ انتظام عدالت کا مختصر خاکہ ہے، لیکن باوجود اس کے اصلاح کی مزید حاجت تھی کیونکہ ناتجربہ کار حکام صحیح طرز عمل سے ناواقف تھے، ہر محکمہ خصوصاً صیغہ عدالت میں ایک عام عیب یہ تھا کہ ناموزوں طریق عمل کی وجہ سے ہر معاملہ میں غیر ضروری طوالت اور ناگوار تاخیر ہوتی تھی اور بلاضرورت عدالت اور اہل مقدمہ کا وقت ضائع جاتا تھا، عدالت کے

اہلِ کار اس سے بالکل ناواقف تھے کہ عدالت کی کارروائی کو کیونکر انجام دینا چاہیئے، اس لئے اکثر اوقات عدالت کا طرزِ عمل نہایت مضحکہ انگیز ہوجاتا تھا لیکن ان جزئیات کا اس موقع پر بیان کرنا دشوار ہے البتہ ایک دلچسپ تحریر شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی کی (جو اس زمانہ میں ناظم بندوبست تھے) درج کی جاتی ہے جس سے کسی قدر اس زمانہ کے طرزِ عمل کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

"در ضمن تنقیح دفاتر بسیارے از اظہار دیدم و شنیدم ہر اظہار بطوالت مثلے ست کہ ملامت افزاید و خاطر پریشان کند، پس لازم آمد طریقہ تحریر اظہار را کہ دریں ممالک جاری ست اظہار کردن اصل آنست کہ اظہار حکایت واقعہ یا واقعات بیش نیست پس باید کہ ہمچو محکی عنہ ترتیب و تسلسل داشتہ باشد و از حشو و زوائد خالی بود، و دریں ممالک چوں برائے قلمبندی اظہار نشینند ہر واقعہ را اجزائے بسیار قرار دادہ فرداً فرداً از ہر جزو پرسش آغاز کنند و برائے ہر جزو سوالے و جوابے جداگانہ ترتیب دہند کہ دریں صورت تکرار مضمون و تطویل تحریر ناگزیر می باشد و نہ برہمیں قناعت کنند بلکہ بر ایراد اعتراضات و الزام مظہر بستہ ورقہا سیاہ نمایند، دگیرندہ و نویسندہ اظہار چنداں کہ معاملہ شناس ست ایں گونہ اعتراضات کثیر تر، پس ہر اظہار رسالہ مناظرہ است کہ درمیان حاکم و مظہر بوقوع آمدہ ساعتے چند بیشتر ازیں بمقدمہ تغلب اظہار ہا دیدم و بسیار خندیدم، اولاً از شخص ملزم پرسیدند کہ تو ازیں خیانت کہ ایں قدر ہست و حسب بیان فلانے فلانے بتواریخ مختلفہ (عبارت سوال متضمن تفصیل و تصریح می باشد) خیانت کردند چہ قدر گرفتی و چہ کردی و چرا ایں گونہ جرارت بکار بردی، ملزم گوید کہ من آگاہ نیستم و ہیچ نیافتم، بار بار می پرسیدند کہ تو شریک بودی و مبلغہا در ربودی پس چگونہ انکار داری او باز می گوید کہ فلاں فلاں کہ بریں گواہی دادند دروغ می گویند، باز پرسند کہ اتفاق چندیں کس بر دروغ چہ گونہ باور داریم، الغرض معلوم می شود کہ ساعتے

چنداں گونہ مناظرہ لاطائل میاں حاکم و ملزم بود تا آں کہ باز رنگے دیگر برائے سوالات پیدا آورد ند کہ اگر دستخط تو بر فلاں کاغذ یافتہ شود پس سزائے تو چیست او جواب داد کہ ہر چہ مقتضائے انصاف باشد، باز پرسند کہ تو چندیں کساں را بدر دغ نسبت دہی و معقول و شرمندہ نہ شوی بر انصاف یک کس چگونہ اعتماد توانی کرد۔

ایں کہ گفتم نہ از مبالغہ می باشد بہ ہر اظہار کیف ما اتفق پردازند بر ہمیں منوال پابند حیرت ہا دارم کہ ازیں انبار لا معنی حرف مطلب چگونہ استنباط کنند و چہ طور بر ضبط آں قدرت یابند، نتیجہ ایں تطویل لاحاصل جز ایں نیست کہ وقت مشغول، کاغذ ضائع، ذہن منتشر، اصل مطلب فوت، ایں طریق نہ مخصوص بعدالت ست، بل فی سائر محکمات ہمیں طرز واحد شائع می باید کہ بہ اجرائے گشتی ہدایت فرمایند کہ اظہار ہر کس بطور بیان مسلسل و حکایت واقعہ نوشتہ باشند و بسوالات جرح و الزام نہ پردازند و ہموارہ نظر بر ایجاز غیر مخل دارند، البتہ اگر ضرورت بینند سوالے ضروری کردن ممنوع نیست، مدعا آں ست کہ طریق تطویل لاحاصل کہ در اظہار شائع شدہ است اصلاح یابد۔"

غرض یہ حالات تھے جب مولوی مشتاق حسین حیدرآباد پہنچے، اُنھوں نے وہاں پہنچ کر جو کچھ کیا اس کا حال آئندہ صفحات سے معلوم ہوگا۔

صیغۂ عدالت میں تقرر

ناظم عدالت ابتدا میں چند ماہ تک مولوی مشتاق حسین کسی خاص عہدہ پر نامزد نہیں کیے گئے بلکہ مختلف اضلاع میں عدالتوں اور جیل خانوں کے معائنہ پر مامور کیے گئے اس دورہ میں اُنھوں نے نہایت عمیق نظر سے انتظامی نقایص کا معائنہ کیا، اور محنت شاقہ سے اپنا کام انجام دیا۔ اس کے

بعد اُن کو چار سو روپیہ ماہوار پر عدالت خورد (عدالت دیوان خانہ یا چینی خانہ) کا ناظم مقرر کیا گیا، اس وقت تک ناظم عدالت کے متعلق صرف دیوانی مقدمات کا تصفیہ تھا، اس خدمت پر وہ چند ماہ تک مامور رہے۔

معتمد صدر المہام عدالت

مولوی مشتاق حسین کے حیدر آباد جانے سے پہلے جو انتظامی تغیرات عمل میں آئے تھے؛ اسی سلسلہ میں حیدر آباد کے مشہور امیر نواب بشیر الدولہ بہادر ۱۲۸۶ھ میں صدر المہام عدالت (گویا وزیر عدالت) مقرر ہو چکے تھے، اُن کے ماتحت ایک معتمد (سکرٹری) کا عہدہ تھا جو صدر المہام کے بعد اس محکمہ کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا، حیدر آباد پہنچنے کے ایک سال بعد ربیع الاول ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) میں سابق معتمد مولوی سید محمد مودودی کے برخاست ہونے پر مولوی مشتاق حسین بطور قایم مقام اس عہدہ پر مقرر ہوئے، اُن کے تقرر کے بعد نہ صرف صدر المہام عدالت کے عہدہ بلکہ معتمد کے عہدہ نے بھی رفتہ رفتہ ایک خاص حیثیت و شہرت حاصل کر لی۔

خوش نصیبی سے نواب بشیر الدولہ ایک نیک نفس اور پاکیزہ سیرت امیر تھے، اور اُن کو اپنے مشیر و معتمد پر پورا اعتماد تھا، دوسری طرف مولوی مشتاق حسین ایک متدین اور پر جوش جوان تھے اور ایک اسلامی حکومت کی خدمت کو اپنا مذہبی فرض خیال کرتے تھے، اس باہمی اعتماد اور اخلاص نے نہایت عمدہ نتائج پیدا کئے اور مولوی مشتاق حسین نے ایک مذہبی جوش کے ساتھ ملک کی اصلاح و فلاح کا کام شروع کیا، اور نواب بشیر الدولہ کے ذریعہ سے شعبہ عدالت میں مفید اصلاحات کا آغاز کیا۔

اصلاحات

اس زمانہ میں بد انتظامی کی یہ حالت تھی کہ اکثر مجرم سالہا سال سے حوالات میں مقید تھے لیکن اُن کا مقدمہ پیش ہونے اور حکم اخیر صادر ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی، اس کے علاوہ اکثر مقدمات مدتِ دراز سے زیر تجویز تھے مگر اُن کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا، اس سے عام طور پر ریاست کے انتظام کی بدنامی ہوتی تھی اور بجائے خود بھی یہ طریقہ انصاف و معدلت کے

خلاف تھا اس لیے اپنے جدید عہدہ پر آنے کے بعد بلا تاخیر انھوں نے اس طرف توجہ کی اور صدرالمہام کی طرف سے ایک عام حکم تمام ممالک محروسہ نظام کی عدالتوں میں بھیجا گیا جس میں اس طریقہ پر اظہار نارضامندی کے بعد ضروری احکام صادر کیے جن کا ماحصل حسب ذیل ہے :-

(۱) تمام حکام جن کو فوجداری کے اختیارات حاصل ہیں، اس حکم کے پہنچنے پر ایک ہفتہ کے اندر اُن تمام قیدیوں کی فہرست جن کے مقدمات زیر تجویز ہیں منسلکہ نقشہ کے مطابق صدرالمہام عدالت کے محکمہ میں روانہ کریں۔

(۲) جو ملزم حوالات میں نہیں ہیں بلکہ ضمانت پر رہا ہیں، یا سزاے قید کے علاوہ اور کسی سزا کے مستحق ہیں، اُن کے مقدمات کا لازمی طور پر دو ماہ کے اندر تصفیہ کر دیا جائے۔

(۳) جس قیدی کا مقدمہ زیر تجویز ہے لیکن بلحاظِ نوعیت جرم جتنی میعاد سزا کا وہ مستحق ہے اس سے زیادہ زمانہ حوالات میں گزر چکا ہے، تو فوراً اس کا مقدمہ ختم کر کے اس کو رہا کر دیا جائے۔

(۴) جو قیدی بلحاظ نوعیتِ جرم زیادہ میعاد کی سزا کا مستحق ہے لیکن حوالات میں ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے تو جس تاریخ سے وہ حوالات میں داخل ہوا ہے اُس تاریخ سے اُس کی قید کا زمانہ سمجھا جائے، اور باقی ایام پورے ہونے پر اُس کو فوراً رہا کر دیا جائے۔

(۵) جن قیدیوں کا مقدمہ عدالت مرافعہ میں زیر تجویز ہے، تو سزا کی میعاد تجویز کرنے پر عدالت ماتحت کے ابتدائی حکم کے زمانہ سے اُن کی میعاد قید شروع سمجھی جائے۔

(۶) اضلاع اور بلدہ کے ارباب کوتوالی جس قدر عجلت اور سرگرمی مقدمات کی ترتیب و تکمیل میں کرینگے سزاوار تحسین و آفریں ہونگے۔

(۷) پولس کا فرض ہے کہ جن قیدیوں کا مقدمہ زیر تجویز ہے بلا توقف اُن کے متعلق جملہ ضروری معلومات یعنی گواہ اور وجہ ثبوت وغیرہ فراہم کر کے اُن کو محکمہ مجاز کے سپرد کر دیں۔ درصورتِ غفلت سخت باز پرس کی جائے گی، بلکہ دوسروں کی عبرت کے لیئے مناسب تجاویز عمل میں لائی جائینگی۔

(۸) ملزموں کا مدت تک مقید اور مقدمات کا زیر تجویز رہنا عہدہ داروں کی غفلت کا نتیجہ ہے امید ہے کہ آیندہ تمام عہدہ دار جن کو فوجداری اختیارات حاصل ہیں کوتوالی سے مقدمہ پہنچنے پر تحقیق و ترتیب کے بعد ایک ہفتہ کے اندر فیصل کر دیا کرینگے، لیکن اگر کسی مقدمہ میں خاص وجوہ سے التوا کی ضرورت ہو تو فوراً صدر المہام عدالت کو ان وجوہ سے مطلع کریں گے۔

(۹) جملہ حکام اضلاع و بلدہ بعد اختتام ماہ اردی بہشت ۱۲۸۶ف ایک خاص نقشہ ان مقدمات کی متعلق مرتب کر کے بھیجدیں تاکہ مقدمات فیصل شدہ اور زیر تجویز کا حال وضاحت سے معلوم ہو جائے۔

(۱۰) جو حکام حرفاً حرفاً ان احکام کی تعمیل نہ کریں گے، اُن کے لیئے کوئی مناسب تجویز کی جائے گی۔

مندرجۂ بالا احکام نے ہزاروں قیدیوں اور ناکردہ گناہ لوگوں کو جو زمانہ دراز سے عالم کس مپرسی میں پڑے ہوئے تھے، آزاد کر دیا، اور غفلت شعار حکام کو اپنے فرائض میں مستعد بنا کر اصلاح کی مستقل بنیاد رکھ دی، اور جب چند روز بعد بعض حکام کی مستعدی اور مقدمات کو جلد فیصل کرنے کا حال صدر المہام کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے سرکاری اخبار (جریدۂ اعلامیہ) میں علی الاعلان خوشنودی کا اظہار کیا۔

اِسی زمانہ میں مولوی مشتاق حسین نے وہ یادداشت پیش کی جو اُنھوں نے ضلع اورنگ آباد کی چند عدالتوں کا معائنہ کرنے کے بعد تیار کی تھی اس میں اُن تمام نقائص کو بیان کیا ہے جو اس زمانہ میں عدالتوں کے طرزِ عمل میں موجود تھے۔ اور جن کی اصلاح نہایت ضروری تھی اِس یادداشت کا ضروری ملخّص حسب ذیل ہے:-

(۱) مقدمات بر تاریخ معینہ پیش نمی شوند و فریقین را از تاریخ معینہ بدرستی اطلاع نمی شود

لہذا اکثر اوقات فریقین بروقت واحد حاضر عدالت نمی شوند و اکثر اوقات تاریخ خاص مقرر نمی شود۔

(۲) شہود و بینہ یک فریق بغیر حاضری فریق ثانی و اطلاع دہی تاریخ معینہ بفریق ثانی گرفتہ می شود، فریق ثانی را موقع جرح حاصل نمی شود، وقت التوائے مقدمہ بدرخواست یک فریق اکثر است کہ بفریق ثانی اطلاع نہ دادہ اند۔

(۳) مقدمات را تا مدت ہائے دراز بہ انتظار حاضری مدعی مدعیٰ علیہ یا گواہ یا کدامی ثبوت ملتوی داشتہ اند، مگر بلا تعیین تاریخ و بغیر از صدور حکم حاضری یا در پیشی ثبوت بفریق متعلقہ، لہذا کارروائی مقدمات تا مدت ہائے دراز معطل ماندہ است۔

(۴) اظہارات گواہان بروقت نمی شوند، گاہے قبل از تاریخ معینہ و اکثر بعد از تاریخ شدہ اند، و اکثر اوقات گواہان را تا دیر حاضر داشتہ اند، چنانچہ در بعض مقدمات تا ہفتہ ہفتہ۔

(۵) دستور دہانیدن بھتہ گواہان در بعض عدالت ہا جاری نیست۔

(۶) خلاصہ اظہارات بقلم مجوزین شامل مثل نمی شود۔

(۷) بغیر از قرارداد امور تنقیح طلب ثبوت از فریقین طلب می کنند۔ ذمہ داری ثبوت بدرستی عائد نمی کنند، مثلاً مدعیٰ علیہ بگرفتن زر مدعی بہا مقبل شد و عذر کرد کہ رقم مذکورہ ادا کردہ ام، دریں حالت بار ادخال ثبوت ادائے قرضہ بذمہ مدعیٰ علیہ بود، مگر عدالت ثبوت از مدعی طلب کرد و مقدمات را تا عرصہ دراز ناحق ملتوی داشت۔

(۸) بروقت داخلہ عرضی دعویٰ اظہار مدعی تحریر می شود بلا حاضری مدعیٰ علیہ، بعد ازاں اطلاع نامہ بنام مدعیٰ علیہ جاری میشود، ایں غیر ضروری است و باعث طوالت کار۔

(۹) طریقہ تحریر اظہارات علی العموم بطور سوال و جواب فضول است و لائق موقوفی، البتہ بحالت خاص تحریر سوال مضائقہ ندارد، و ہم چنیں اگر مدعی یا مدعیٰ علیہ سوال کند ایں قدر نوشتن کافی ست کہ بجواب مدعی یا مدعیٰ علیہ بیان کرد، تا حاضری مدعی یا مدعیٰ علیہ بروقت اظہار ظاہر شود لیکن اگر بجواب بعض سوالات معلوم گردد کہ

جواب سوالات بدرستی وصفائی نمی دہد وسخن پیچیدہ می گوید البتہ ضرورست کہ اول سوال بجنبہ تحریر نمایند وجواب آں نویسند کہ مدعا علیہ سکوت کرد یا جواب برابر نداد۔

(۱۰) بعض اوقات عرائض بر کاغذ سادہ پیش شدہ قبول می شوند، وحکم بغرض وصول قیمت کاغذ ممہور از عرضی گزاراں صادر می شود، ایں کارروائی محض غلط ست اگر عرائض سادہ لائق پذیرائی نہ باشند گرفتہ نہ شوند، وجہ استعمال کاغذات ممہور سادہ موجب خرابیہاست واز یں ہم سخت لائق اعتراض ست کارروائی صدر عدالت کہ عرائض بر کاغذ سادہ گرفتہ حکم وصول کاغذ ممہور بر عدالت ضلع میشود۔

اس یادداشت کے مطابق صدر المہام عدالت نے تہدیدی احکام جاری کیئے، اور مروجہ طریق عمل پر جس سے عدالت کی کارروائی میں بلاضرورت طوالت ہوتی ہے، حسب ذیل الفاظ میں اعتراض کیا:-

"صدر المہام را معلوم شدہ است کہ ایں وقت کثرت وطوالت موصولہ ومجاریہ در عدالتہائے سرکار عالی بآں درجہ رسیدہ است کہ بسیار وقت عزیز نظمار در تحریرات فضول ضایع وبرباد رفتہ مہلت کافی از برائے فیصلہ مقدمات وتعمیل فیصلہ جات حاصل نمی شود وایں سخت موجب افسوس ست نظماکہ ذمہ دار تصفیہ خصومات وتعمیل فیصلہ جات بودہ اند حیف ست کہ اوقات شاں برایں فضولیات ضائع رود، ازیں ہم زیادہ تر موجب افسوس ایں ست کہ عدالتہا ایں کثرت موصولہ ومجاریہ را یکے از عمدہ ترین کارروائی ہائے خویش تصور نمودہ اند، در کیفیت ہائے نظم ونسق سالانہ، فخریہ ذکر آں میشود کہ دریں سال نشان موصولہ تا بایں جا ونشان مجاریہ تا بہ آں جا رسیدہ واز سال گزشتہ ایں قدر ترقی یافتہ است، اگر صدر المہام صاف صاف ظاہر مینمایند کہ ایں زعم، زعم باطل متصور خواہد شد صدر المہام کار آں عدالت پسند خواہند کرد کہ فیصلہ مقدمات وتعمیل فیصلہ جات زیادہ داشتہ باشد، وموصولہ ومجاریہ کم ازآں

عدالت را ہمیشہ بہ نظر تحقیر خواہند دید کہ در تعداد فیصلہ قاصر باشد و موصولہ و مجاریہ افزاید"۔

صیغہ عدالت کا مداخلت سے آزاد کرنا

عدالت بلدہ اور اضلاع کے مقدمات کا مرافعہ، مجلس مرافعہ میں ہوتا تھا لیکن باوجود کافی عہدہ داروں کے بعض مقدمات قابلِ اطمینان طور پر طے نہیں ہوتے تھے، یا باوجود طے ہو جانے کے صدر المہام یا مدار المہام کے یہاں اُن کا مرافعہ ہوتا یا اُن میں مداخلت کی جاتی، اس سے عدالت کے وقار میں فرق آتا تھا، اور فیصل مقدمات میں تاخیر ہوتی تھی۔ مولوی مشتاق حسین کی معتمدی کے زمانہ میں اس کی اصلاح بھی کی گئی، صدر المہام کے یہاں مرافعہ بند ہوا، اور مدار المہام کی طرف سے جو مداخلت ہوتی تھی اُس میں تخفیف ہوئی مولوی مشتاق حسین کا طریق عمل یہ تھا کہ وہ ہر چیز کو اعتدال پر رکھنا چاہتے تھے، اگر ایک طرف وہ حکام عدالت کے طریق عمل پر حرف گیری کرتے تھے تو دوسری طرف اپنے منصب سے کسی قدر تجاوز کر کے نواب بشیر الدولہ، اور سر سالار جنگ کے خود مختارانہ یا خلاف قانون طرز عمل پر بھی بہ آئین شائستہ نکتہ چینی کرتے تھے، اور ادب کے ساتھ اُن کو آئین انصاف اور اُصول معدلت کی طرف توجہ دلاتے تھے چونکہ اُن کا یہ طرزِ عمل ہمیشہ نیک نیتی، اخلاص اور سلطنت کی وفاداری پر مبنی ہوتا تھا، اس لیے کبھی اُن پر بدگمانی نہیں کی گئی۔ بلکہ اکثر اوقات اُن کے مشوروں پر تحمل و اعتماد کے ساتھ غور کیا گیا، اور اُنھوں نے بھی اس اعتماد سے فائدہ اُٹھا کر نواب بشیر الدولہ اور مدار المہام کو ہمیشہ بہت نیک نیتی اور آزادی کے ساتھ مفید مشورے دیئے، چنانچہ ایک معاملہ کے متعلق اپنے محکمہ سے لکھتے ہیں:۔

"وقتیکہ وضع آئین و قوانین و کار روائی آں از محکمۂ واحد متعلق باشد حوالہ و داخلہ نشان و تاریخ ہیچ دستور العمل سابق منتج ہیچ نتیجہ مفید نتواند شد اچہ محکمہ موصوفہ (مراد از محکمہ مدار المہام، مولف) ہر وقت مجاز ست کہ مجرد از رائے واحد خود ہر وقت ہر دستور العمل کہ خواہد تصنیف فرماید و ہر کہ را کہ خواہد منسوخ کند چنانکہ از چند روز

دیدہ میشود کہ دستور العمل کہ یک وقت بطور دستور العمل مبسوط و مکمل جاری شدہ در جریدہ ہم مشتہر شدہ اند بعد ازاں بذریعہ روبکارات متفرق در آں ترمیم و تنسیخ بہ عمل آمدہ است۔

چند روز قبل ازیں مجلس مرافعہ در یکے از مقدمات تحریر نمود کہ فلاں روبکار مدار المہام سرکار عالی مخالف فلاں دستور العمل می باشد ازیں محکمہ ہمیں جواب داشد کہ "محکمہ کہ اقتدار اجرائے دستور العمل دارد ازہماں محکمہ ایں روبکار جاری شدہ است لہٰذا وقعت مضمون دستور العمل برابر ست و حکم مابعد واجب العمل ست"۔ الغرض ایں قسم وقتہا اکثر پیش می آیند و تدارک ایں نقصانہائے موجودہ بغیر ازیں نتواند شد کہ مجلس واضع آئین و قوانین از محکمہ مدار المہام سرکار عالی علیحدہ باشد گو منظوری و عدم منظوری یا ترمیم مسودات قوانین مرتبہ مجلس بلحاظ حالات وقت، و مصالح ملکیہ بہ اختیار مدار المہام سرکار عالی باشد، و دریں قوانین، اقتدار ہر یک محکمہ صاف صاف بیان کردہ شوند تا آیندہ مدار المہام سرکار عالی ہم ازاں تجاوز نہ فرمایند، و اگر ضرورت اصلاح کدامی قاعدہ پیش آید، بغیر از مشورہ مجلس مجرد از رائے آں محکمہ تنسیخ و ترمیم آں شدن نتواند کہ بغیر از کارروائی مذکورہ، محکمجات ماتحت را گاہے آزادی نخواہد شد۔ و نہایت ضرورست کہ کارروائی صیغہ عدالت از حکومت کارفرمایان وقت آزاد باشد بریں موقع بازہماں سوال پیدا خواہد شد کہ اراکین ایں چنیں مجلس از کجا آیند! و جواب صدر المہام ہماں ست کہ زمانہ ہنوز از کار آگاہاں خالی نیست و زر کہ بر اکثر مواقع غیر ضروری صرف آں دیدہ میشود کفالت ایں امر ضروری ہم بخوبی کردن میتواند"۔

اس تحریر میں جس خوش اسلوبی سے مدار المہام کے محکمہ پر نکتہ چینی کی گئی ہے اور جیسے مفید اشارات انتظام و اصلاح کے متعلق کئے گئے ہیں ان کی ضرورت و اہمیت محتاج بیان نہیں، اس قسم کی تحریرات کا سلسلہ برابر جاری رہا جس کا نتیجہ مفید اصلاحات اور انتظامی تغیرات کی

کی صورت میں ظاہر ہوتا رہا۔

عام اصلاحات

مولوی مشتاق حسین نے مختلف اوقات میں مفصل ومدلل رپورٹیں عدالت کی اصلاح و انتظامی جزئیات کے متعلق پیش کیں اور صدر المہام و مدار المہام کو بار بار اصلاح پر متوجہ کیا۔ ان کی یہ سعی و محنت ضائع نہیں گئی بلکہ جیسا کہ زمانہ مابعد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے ان کی مساعی جمیلہ کے نہایت عمدہ نتائج برآمد ہوئے، مثلاً

(۱) عدالتوں کا مقررہ طرزِ عمل بالکل بدل گیا، مقدمات میں جو طوالت ہوتی تھی اس کی بھی بہت کچھ اصلاح ہو گئی۔

(۲) کاغذ ممہور (اسٹامپ) کے متعلق مفید اصلاحات عمل میں آئیں۔

(۳) بڑے بڑے اُمراء و جاگیرداروں کا عدالت کے حکام پر جو اثر تھا (جس سے معمولی لوگوں کے لیے انصاف کا حاصل کرنا دشوار ہو گیا تھا) وہ کلیتہً زائل ہو گیا۔

(۴) جیل خانوں میں بہت سی مادی و انتظامی اصلاحات عمل میں آئیں۔

(۵) خاص اُن کی کوشش سے قیدیوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی اجازت دی گئی اور اُن کی اخلاقی اصلاح پر بھی توجہ کی گئی۔

(۶) عام اہلکاروں اور عہدہ داروں کے اضافہ تنخواہ پر انھوں نے بار بار زور دیا تاکہ ریاست کو لائق اشخاص کام کرنے کے لیے مل سکیں۔

(۷) رشوت خواری کے انسداد کے متعلق خاص کوشش کی گئی۔

چونکہ ناظرین کو ان اصلاحات سے جو زیادہ تر مقامی حیثیت رکھتی ہیں چنداں دلچسپی نہیں ہو سکتی اس لیے جزئیات کو نظر انداز کیا جاتا ہے ان کی مساعی اصلاح اس قدر مشہور اور ضرب المثل ہیں کہ آج بھی حیدرآباد میں ہر واقف کار شخص ان کا معترف ہے، اور خاص کر صیغۂ عدالت میں انھوں نے جو اصلاح کی ہے اس کا بارہا حیدرآباد کی پبلک اور گورنمنٹ نے اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ حیدرآباد کی جوڈیشل رپورٹ ۱۲۹۴ف مرتبہ مجلس عالیہ عدالت کے حسب ذیل الفاظ اس کے شاہد ہیں:۔

"نواب صاحب مرحوم (سر سالار جنگ اوّل) نے اپنے قدیم اصول پر کہ لئیق عہدہ دار اور عہدہ داران غیر متعہد گورنمنٹ انگریزی سے پسند کر کر سرکار میں مقرر کریں پیروی کر کے مولوی مشتاق حسین صاحب کو معتمد صدر المہام مقرر فرمایا اُن کے زمانہ میں صیغۂ عدالت کی اصلاح اور رفارم کی تاریخ کی ایک نئی بنیاد پڑی اپنی بے انتہا محنت، اور فطرتی لیاقت سے اُنھوں نے ملک میں بہت سی ضروری اصلاحیں کیں، اُن کی جانفشانی سے عدالتوں کی طرز کارروائی بالکل بدل گئی، اور اُن کی تحریرات سے عدالتوں کو اپنی کارروائی میں آزادی حاصل ہوئی جو اس وقت تک انھیں میسّر نہ تھی۔

اُن ہی کی سفارش پر مدار المہام نے مقدمات کی نسبت اپنی مداخلت کو روکا، اور حکام عدالت کی تنخواہوں میں اضافہ کیا، اِس کے قبل یہ بے ضابطگی تھی کہ بعض حکام جنکی تنخواہ سو کے اندر تھی بہت بھاری اقتدارات دیوانی و فوجداری رکھتے تھے۔

اُنھوں نے عدالتہائے تحت کی نگرانی کے لئے ایک کامل انتظام جاری کیا اُن کی کامیابی کی وجہ اُن کی ذاتی اخلاقی خوبیاں تھیں جن کا حیدرآبادیوں کے دل پر بہت ہی عمدہ اثر پڑا ہوا تھا، اور جن کی وجہ سے اُنھوں نے وہ کارروائیاں کیں، جن کے جاری کرنے میں کسی دوسرے آدمی کو بہت ہی سخت مشکلات لاحق ہوتیں۔"

مندرجہ بالا الفاظ پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں، ہر شخص واقعات کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہی کہ اُن کا زمانہ معتمدی کس قدر کامیاب و شاندار رہا۔

خدماتِ خاص

تقرر کے کچھ زمانہ بعد ۱۸۷۶ء میں جب کہ مولوی مشتاق حسین معتمد صدر المہام کے عہدہ پر مامور تھے اُن کو ایک خاص خدمت کے لئے تجویز کیا گیا جو اگرچہ عارضی تھی لیکن اس کے

انجام دینے کے لیئے اعلیٰ درجہ کی انتظامی قابلیت، دل سوزی، اور جذبۂ ہمدردی کی ضرورت تھی۔

صدر مجلس انتظام قحط کی رکنیت

۱۸۷۷ءم ۱۲۸۶-۱۲۸۷ف میں ممالک محروسہ کے اضلاع جنوبی و غربی میں ایک سخت قحط رونما ہوا، گورنمنٹ نظام نے بلا تاخیر اس کی طرف توجہ کی اور قحط کے انتظام کے لیئے بلدہ میں ایک مجلس بنام صدر مجلس انتظام قحط قائم کی مولوی مشتاق حسین بھی اس مجلس کے ایک رکن قرار دیئے گئے، چونکہ اُن کو انگریزی ملازمت کے زمانہ میں دو دفعہ قحط کے انتظام کے متعلق تجربہ ہو چکا تھا، اِس لیئے ایک تجربہ کار رکن کے لحاظ سے اُن کی رائے عزت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔

قیام محتاج خانہ جات کی تجویز

مارچ ۱۸۷۷ء میں اُنھوں نے صدر مجلس کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ معذور لوگوں کے لیئے ممالک محروسہ میں مختلف مقامات پر محتاج خانے قایم کیئے جائیں اس تجویز میں اُنھوں نے تفصیل کے ساتھ اس طریق عمل کو بھی بیان کیا جس سے اس مقصد میں کامیابی ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک کمیٹی ان کی تجویز پر غور کرنے کے لیئے قایم کی گئی۔

ناظم محتاج خانہ جات

کمیٹی نے اس کو منظور کیا اور بلحاظ تجربہ اور غربا کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے خود مولوی مشتاق حسین کو ناظم محتاج خانہ جات بنایا بلکہ درحقیقت خود اُنھوں نے اپنے جذبۂ مذہبی سے متاثر ہو کر اس خدمت کے لیئے اصرار کیا تا کہ خدا کے درماندہ اور معذور بندوں کی خدمت کا موقع اُن کو حاصل ہو، چنانچہ اُنھوں نے جس محنت، اخلاص، اور خوش اسلوبی سے اس خدمت کو انجام دیا، دوسرے سے قریباً ناممکن تھا۔ اُن کا یہ کارنامہ حیدرآباد میں مدت تک یادگار رہیگا۔

جب محتاج خانے کھل گئے اور انتظام مکمل ہو گیا تو اُنھوں نے ایک مفصّل رپورٹ صدر مجلس انتظام قحط کے سامنے پیش کی جس میں نہایت وضاحت سے محتاج خانوں کے طریق انتظام کو بیان کیا ہے یہ رپورٹ چھپ گئی ہے اس کے بعد ایک دوسری طویل رپورٹ اُنھوں نے کام

ختم ہونے اور محتاج خانوں کے بند ہونے پربحث کی ہے جس میں نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کو بیان کرکے محتاج خانوں کے کاروبار پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ یہ رپورٹ قلمی ہے دونوں رپورٹوں کی مجموعی ضخامت فلسکیپ سائز پر ۱۰۰ صفحے ہے رپورٹیں فارسی زبان میں ہیں اور نہایت دلچسپ ہیں، اُن کا ماحصل لکھنے کے لیئے بھی کافی جگہ درکار ہے، اس لیئے تمام رپورٹوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرلینے کے بعد غیر ضروری امور اور جزئیات کو چھوڑ کر اُن کا ملخص و ماحصل اپنے الفاظ میں لکھا جاتا ہے۔

کیفیت انتظام محتاج خانہ جات

اُصولِ انتظام سب سے پہلے انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہمارا انتظام کس اُصول پر ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:۔

(۱) ہر عاقل، بالغ، اور آزاد بمقتضائے فطرت اس کا ذمّہ دار ہے کہ اپنی روزی خود پیدا کرے، کسی گورنمنٹ کا یہ فرض نہیں کہ وہ رعایا کے خورد نوش اور خانگی ضروریات کا انتظام کرے، اگرچہ بظاہر اس قسم کا انتظام ترحم و نیک نیتی کی علامت ہے لیکن درحقیقت یہ صحیح نہیں، روپیہ کا بغیر معقول وجہ کے ضائع کرنا اور رعایا کو کاہل بنانا کوئی پسندیدہ امر نہیں، لہٰذا صرف اُن صورتوں میں رعایا کی امداد کرنا چاہیئے جب کہ لوگوں کے لئے حصول معاش کا دروازہ بند ہوجائے اور وہ اپنی قوت و بازو سے روزی نہ پیدا کرسکیں۔

(۲) کسی شخص کو بلا معاوضہ امداد نہ دی جائے بلکہ اس کی قابلیت اور قوت کے مطابق اس سے کام بھی لیا جائے۔

(۳) حتی الامکان لوگوں کو اس پر مجبور کیا جائے کہ جب تک وہ سرکاری امداد سے مستفید ہوتے ہیں کسی دوسرے ذریعے سے روزی نہ پیدا کریں۔

محتاجوں کے اقسام محتاج تین قسم کے ہیں (۱) توانا (۲) ناتواں (۳) معذور۔ اوّل الذکر کے لیئے محتاج خانوں کا انتظام نہیں ہونا چاہیئے بلکہ امدادی کام (مثلاً سڑکوں اور تالابوں وغیرہ کی مرمّت) جاری کرنا چاہیئے، قسم دوم کے لیئے محتاج خانہ کا انتظام ہونا چاہیئے، لیکن اُن سے بقدر طاقت کام لیا جائے، اور اُن کو خوراک کی کافی مقدار دی جائے تاکہ وہ توانا ہوکر اوّل الذکر جماعت میں داخل ہو سکیں (اصطلاح کے اعتبار سے قسم اوّل کو کارگزار، قسم دوم کو نیم کارگزار کہا جاتا ہے) قسم سوم یعنی معذور لوگوں کی امداد بلا معاوضہ کار ہونا چاہیئے، چنانچہ ممالک محروسہ میں اسی اُصول پر انتظام کیا گیا، یعنی قسم اوّل کے محتاجوں کے لیئے امدادی کام جاری کیئے گئے، اور قسم دوم وسوم کے لیئے محتاج خانے کھولے گئے۔

محتاج خانہ کا کام اور مقصد محتاج خانوں میں قسم دوم سے خواہ مرد ہوں یا عورت بقدر استطاعت کام لیا گیا، عورتوں کے متعلق زیادہ تر چرخہ چلانے کا کام کیا گیا اور مردوں کے متعلق پارچہ بافی وغیرہ کا۔ عام اشخاص اس کو معیوب سمجھتے تھے کہ خیرات اور امداد کے معاوضہ میں کام لیا جائے لیکن یہ خیال ہمارے اُصول سے ناواقفیت پر مبنی تھا، ابتدا ہی میں صدر مجلس اور مدار المہام پر یہ امر واضح کردیا گیا کہ کام لینے سے یہ مقصد نہیں کہ سرکاری خزانہ کو فائدہ پہنچایا جائے یا محتاج خانہ کے مصارف میں امداد حاصل ہو، بلکہ مقصود یہ تھا کہ ہر شخص یہ باور کرے کہ بغیر مشقت و محنت کے محتاج خانہ میں بھی روزی حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیئے وہ آزادانہ طور پر روزی پیدا کرنے کی کوشش کرے، اور بلا ضرورت محتاج خانہ کے قواعد اور پابندیوں میں مبتلا نہ ہو، اس کے علاوہ یہ مقصد بھی تھا کہ سرکار جو رقم دیتی ہے وہ خیرات کے نام سے موسوم نہ ہو کیونکہ اکثر شرفا جو اگرچہ قحط و افلاس کے ہاتھوں عاجز ہو گئے ہیں باوجود اس زبوں حالت کے یہ گوارا نہیں کرتے کہ خیرات قبول کریں۔

انتظام کی نوعیت متعدد اضلاع مثلاً رائچور اور گلبرگہ وغیرہ میں محتاج خانے جاری کیئے گئے ہر ضلع میں وہاں کے عمائد اور عہدہ داروں کی ایک مجلس ترتیب دی گئی، تمام محتاج خانوں کا

انتظام ارکان مجلس کی صلاح و مشورہ سے عمل میں آیا، ارکان انجمن نے معقول خدمات انجام دیں، منجملہ ارکان کے روزانہ دو شخص محتاج خانہ جاکر مفصلۂ ذیل خدمات انجام دیتے تھے۔

(۱) جو لوگ محتاج خانہ میں داخل ہونے کے لیئے آتے تھے اُن کو اپنے اُصول کے لحاظ سے
بمشورۂ مہتمم محتاج خانہ داخل کرنا۔

(۲) جو کھانا محتاجوں کے لیئے پکتا تھا تقسیم ہونے سے پہلے اس کا معائنہ کرنا۔

(۳) اپنے سامنے محتاجوں کو کھانا تقسیم کرانا، اور اس کا اطمینان کرلینا کہ خوراک مقدارِ معیّن
کے مُطابق ہے۔

(۴) جو محتاج تقسیم طعام کے وقت غیر حاضر ہوں اُن کا نام درج رجسٹر کرانا۔

(۵) محتاجوں کی حاضری کے گوشوارہ پر بعد تقسیم طعام دستخط کرنا۔

(۶) غلّہ و اجناس کے گودام کا معائنہ کرنا اس غرض سے کہ وہ عمدہ اور لائق استعمال ہے
یا نہیں؟

(۷) نیم کارگزار محتاجوں کے کام کا معائنہ۔

(۸) صفائی کا انتظام اور نگرانی۔

(۹) بیمار محتاجوں کا معائنہ اور خبر گیری۔

(۱۰) اصلاح طلب اُمور پر مہتمم محتاج خانہ کو توجّہ دلانا۔

ارکان کے علاوہ متفرق انتظامات کے لیئے علیحدہ علیحدہ اشخاص موجود تھے جن کی تفصیل
بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔

محتاج خانہ کے مکانات مختلف ضروریات کے لحاظ سے محتاج خانہ کے متعلق علاوہ کارخانوں کے
پندرہ قسم کے مختلف مکانات یا جداگانہ حصّوں کا انتظام کیا گیا۔ مثلاً

(۱) دفتر

(۲) گودام اجناس

(۳) دواخانہ

(۴) باورچی خانہ

(۵) عام بیماریوں اور متعدی اور وبائی امراض کے مریضوں کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ مکانات

(۶) نعش خانہ

(۷) لاوارث بچوں اور زچہ عورتوں کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ مکانات

عورتوں اور مردوں کے رہنے کے علٰحدہ علٰحدہ مکانات تھے اور اس کی شدید نگرانی رکھی جاتی تھی کہ اُن میں باہم آمیزش نہ ہو۔

خوراک کا انتظام

وقت معین پر پختہ کھانا محتاجوں کو تقسیم ہوتا، اُن کو اختیار تھا، کھائیں یا لیجائیں کھانا کافی مقدار میں دیا جاتا تھا، مردوں کے لیئے غلّہ کا وزن تین پاؤ روزانہ مقرر تھا، مذہب کے لحاظ سے تین قسم کے محتاج تھے (۱) مسلمان (۲) ہندو (۳) ادنیٰ اقوام یعنی چمار وغیرہ۔ لہٰذا اس کی خاص احتیاط کی جاتی تھی کہ مذہبی حیثیت سے کوئی قابل اعتراض امر پیش نہ آئے، اس بنا پر ہندوؤں کے لیئے جداگانہ انتظام تھا۔ اُن کا کھانا ہندو پکاتے تھے اور وہی تقسیم کرتے تھے۔

ہر مذہب کے محتاج علٰحدہ علٰحدہ وقت معینہ پر صف بندی کی صورت میں بیٹھ جاتے تھے، ہر محتاج کے پاس ایک ٹکٹ ہوتا تھا جس کے دکھانے پر کھانا دیا جاتا، نیم کارگزار لوگوں کے ٹکٹ بیضوی تھے اور معذوروں کے مدوّر، ہر ٹکٹ پر محتاج کا نام، نمبر، قسم، اور مذہب لکھا ہوتا تھا، اور جو کام اس کے متعلق ہوتا اس کی تفصیل بھی ٹکٹ میں درج ہوتی رجسٹر میں ٹکٹ کے نمبروں کی ترتیب کے لحاظ سے محتاجوں کے نام درج تھے حسن انتظام کی یہ حالت تھی کہ تمام محتاج کھانا لینے کے لیئے اپنے نمبروں کی ترتیب کے لحاظ سے بیٹھ جاتے تھے، ہر شخص کو اپنی جگہ معلوم تھی، اس سے یہ فائدہ تھا کہ وقت کم صرف ہوتا تھا، اور محرر کو رجسٹر میں ترتیب وار حاضری لینے میں سہولت ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ جب بعض حکام نے ایک ضلع کے محتاج خانہ کا معائنہ کیا تو اُس وقت قریباً چار ہزار

محتاج صف بستہ اپنے نمبروں کی ترتیب سے بیٹھے تھے۔

چونکہ کسی محتاج پر یہ لازم نہ تھا کہ وہ شبانہ روز محتاج خانہ میں قیام کرے اس لئے کافی تعداد ایسے محتاجوں کی بھی تھی جن کا نام محتاج خانہ کے رجسٹر میں درج تھا اور وہ باقاعدہ کام کرتے تھے، مگر کھانا گھر لے جاتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ محتاجوں کو گھر کھانا لے جانے کی اجازت نہ دی جائے، لیکن مولوی مشتاق حسین نے اس کو پسند نہ کیا کیونکہ جب انھوں نے بطور خود اس کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ اکثر لوگ جو گھر کھانا لے جاتے ہیں مصیبت زدہ شریف اور صاحب اہل وعیال ہیں۔ جو کھانا وہ لے جاتے ہیں باہم مل جلکر کھاتے ہیں، اُن کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اپنے بچوں یا عورتوں کا نام محتاج خانہ میں درج کرائیں۔

لباس و دیگر ضروریات کا انتظام

بروقت ضرورت محتاجوں کو کپڑا بھی دیا جاتا تھا اور ہر جمعہ کو کپڑے دھونے اور دوسری ضروریات کے لئے تعطیل دی جاتی تھی، عورتوں کو سر کے بالوں میں ڈالنے کے لئے تیل ملتا تھا، علاج و دوا کا بندوبست کیا جاتا تھا۔

بچوں کی پرورش کا طریقہ

جس بچہ کی ماں کا دودھ خشک ہوجاتا تھا تو محتاج خانہ کی طرف سے دودھ کا باقاعدہ انتظام کردیا جاتا تھا، گلبرگہ کے محتاج خانہ میں دودھ پلانے کی شیشیاں خرید کی گئی تھیں جن سے دودھ پلایا جاتا تھا، لاوارث بچوں کا بھی خاص انتظام تھا ہر بچہ پر ایک دایہ مامور تھی جو بچے ذرا بڑے تھے وہ ایک دایہ کے متعلق دو دو کر دیئے گئے تھے۔

اس موقع پر بچوں کی عام حالت کے متعلق خود مولوی مشتاق حسین کے چند الفاظ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"لباسِ اطفال لاوارث در ہر محتاج خانہ قریب قریب یکساں بود، دکلاہِ ہمہ ہا سُرخ، ایں جماعت کہ بلحاظ کیفیت و بلحاظ لباس ہم حالت بود، وقتے کہ باں ہیئت مجموعی صبح و شام در صحنہائے محتاج خانہ جات تفریحاً سیر و گشت می کردند، یک قدرتِ خدا یاد می آید کہ واللہ اعلم بالصواب اینہا کجا پیدا شدند و کجا پرورش یافتند، و اکنوں مادر و پدر اینہا دریں مصیبت عام چگونہ از اینہا

جدا شدند و در محتاج خانہ گلبرگہ بمکانے کہ ایں اطفال اقامت می داشتند صحن مکان از سبزہ زار و درختان خوبصورت آراستہ بودند آں وقت کلاہ ہائے سرخ شان دراں سبزہ زار آں قدر خوش معلوم می شد کہ از دیدن تعلق داشت۔"

پردہ نشین عورتوں کی اعانت

شریف اور پردہ نشین عورتیں محتاج خانہ میں نہیں آسکتی تھیں لیکن حاجتمند اور لائق اعانت تھیں، اس لئے بصورت نقد اُن کا ماہانہ وظیفہ مقرر کیا گیا اور نہایت معتبر و متدین لوگوں کے ہاتھ میں یہ کام رکھا گیا، ہر وظیفہ کی تقسیم پر کم از کم تین شخصوں کی تحریری شہادت لی جاتی تھی کہ وظیفہ ہمارے سامنے دیا گیا۔

ایک دلچسپ معاملہ

ایک ضلع کی مجلس انتظام قحط میں یہ تحریک بھی پیش کی گئی کہ محتاجوں کے سلسلہ میں ایک اور مد کا اضافہ کرکے مشائخ کرام کو بھی اس جماعت میں داخل کیا جائے لیکن یہ تحریک مسترد ہوگئی۔ مولوی مشتاق حسین نے اس واقعہ کو نہایت دلچسپ طریقہ سے حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"از طرف بعض شرکائے مجلس ایں ہم کوشش نمودہ شد کہ علاوہ ایں اقسام چارگانہ اشخاص قحط زدہ قسم پنجم ہم قائم شود و دراں داخل شوند مشائخ کرام کہ گذران شان محض بر امداد مریداں منحصر بود و بہ سبب قحط سالی مریداں مددے کردن نمی توانند و مشائخ موصوف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بہ سبب غائیت شرافت و علو مرتبت نہ در محتاج خانہ آمدن می توانند و نہ کدامی پیشہ اختیار کردن مناسب می دانند و اگر بتقضائے وقت اختیار ہم کنند موجب بدعقیدگی مریداں شدہ آئندہ سدِ باب رزق میشود و لہٰذا بایں خیال کہ برائے عورات پردہ نشیں بلحاظ شرافت آنہا از مجلس تجویز شدہ است برائے ایں گروہ معزز نیز تجویزے بعمل آید، لاکن مجلس ازیں تحریک اتفاق نہ کرد و تجویز شد کہ از صیغہ محتاج خانہ ہیچ امداد بحق ایں حضرات کہ شیخیت را کاسہ گدائی قرار دادہ نمی توانند شد۔"

نتیجہ

جب فصل و موسم میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی اور غلہ کا نرخ کسی قدر ارزاں ہوگیا،

تو رفتہ رفتہ یہ محتاج خانے بند کردیئے گئے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوگئے، جن بچوں کے والدین کا پتہ چل گیا تو بچے اُن کے حوالہ کیئے گئے، لاوارث بچے اُن لوگوں کے سپرد کیئے گئے جنھوں نے اُن کی پرورش کی خواہش کی، لیکن یہ تحریری شرط کرلی گئی کہ اگر اُن کے مفقود الخبر والدین کسی موقع پر اپنے بچوں کی تلاش میں آئیں اور اُن کا مطالبہ کریں تو بچے اُن کے حوالہ کردیئے جائینگے اور اُن کی پرورش وغیرہ کے مصارف کا کوئی مطالبہ والدین سے نہ کیا جائیگا، نیز یہ کہ بچے جوان ہونے پر آزاد ہونگے اور جہاں اُن کا دل چاہیگا، رہینگے ان کے علاوہ جو بچے باقی رہ گئے اُن کی پرورش کا انتظام سرکاری طور پر کیا گیا اُن محتاج خانوں میں کچھ بچے انگریزی علاقہ کے بھی تھے، جن کو رزیڈنٹ کی تحریک واصرار سے بحکم مدارالمہام بادل ناخواستہ اُن پادریوں کے حوالہ کیا گیا جو اسی غرض سے آئے تھے۔

غرض قریباً ۷ ماہ تک یہ انتظام قایم رہا، اور ۶۳۰۰۹ محتاجوں نے ان محتاج خانوں سے فائدہ اُٹھایا جن میں ۳۷۷۸۴ معذور محض تھے منجملہ کل محتاجوں کے ۱۲۵۱۳ انگریزی علاقہ کے تھے۔

رپورٹ کے آخر میں مولوی مشتاق حسین نے جملہ انتظامات پر ایک مفصل تبصرہ لکھا ہے اور نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کو بیان کیا ہے۔ مثلاً آمدنی اور مصارف کی تفصیل، چندہ کی مقدار نیم کارگزاروں کے کام کا منافع اور اُس کی نوعیت، مصارف کا فی کس اوسط، محتاجوں کی تعداد مذہب، پیشہ اور عمر کے لحاظ سے، پردہ نشیں عورتوں کے وظائف کی تعداد، غرض تمام جزئیات پر نہایت مفصل بحث کی ہے۔ آخر میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا ہے اور لکھا ہے:۔

"الغرض ایں نازک ترین کارے کہ از مشکلات چند در چند مرکب بود و دلشوق خود بلکہ باصرار خود نیز ذمہ خود گرفتہ بودم باحسن وجوہ بہ اختتام رسید فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔"

سالار جنگ کی رائے | جب کام ختم ہونے کے بعد یہ رپورٹ صدر مجلس میں پیش ہوئی تو مجلس نے

مولوی مشتاق حسین کا شکریہ ادا کیا اور سر سالار جنگ نے فرمایا:۔

''مولوی مشتاق حسین مسکین خانوں کے قایم کرنے میں تکلیف اُٹھانے کے باعث حکومت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، اور ابتدا ہی سے مسکین خانون کے عمدہ انتظام کا سبب اُن کی ذات ہے''

کمیشن انسداد قحط میں شہادت

اسی سلسلہ میں یہ بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۷۸ء کے آخر میں کمیشن انسداد قحط کے رو برو جس کو گورنمنٹ آف انڈیا نے مقرر کیا تھا مولوی مشتاق حسین نے تحریری شہادت دی، اس میں جس جامعیت و وضاحت سے انسداد قحط کی تدابیر پر بحث کی ہے وہ اُن ہی کا حصہ ہے، اس شہادت کے ساتھ حیدر آباد کے انتظام قحط کی رپورٹ بھی پیش کی گئی جس کی اُس زمانہ میں خاص شہرت تھی، اور حیدر آباد میں جابجا اُن کی خدمات اور کارگزاری کا بھی چرچا تھا۔

حیدر آباد کی ملازمت سے برخاست ہونا

۲۱ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ (ابریل ۱۸۸۲ء) کو شمس الامرا نواب رفیع الدین خاں امیر کبیر ثانی (شریک مدار المہام) کا انتقال ہوگیا، اس زمانہ تک اعلیٰ حضرت نظام نے بوجہ کمسنی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں نہیں لی تھی، اس لیئے گورنمنٹ ہند کی تجویز سے شمس الامرا اقتدار الملک نواب رشید الدین خان امیر کبیر ثالث جو نواب رفیع الدین خاں مرحوم کے برادر خرد تھے شریک مدار المہام تجویز کیئے گئے۔ گورنمنٹ ہند نے جو مراسلہ رزیڈنٹ کے نام بھیجا اُس میں سر سالار جنگ کے لیئے یہ ضروری قرار دیا گیا تھا کہ وہ ہر اہم معاملہ میں اپنے شریک کار سے مشورہ لیا کریں، مراسلہ کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

''بہر حال در ہمگی احکامات و مقدمات سترگ اتفاق رائے مشارک منتظم ممدوح (نواب امیر کبیر)

ضرور خواہد بود۔"

نواب امیر کبیر کی مشارکت اور تقرر سر سالار جنگ کی مرضی کے خلاف تھا، لیکن سر رچرڈ میڈ نے جو اس زمانہ میں حیدرآباد کے رزیڈنٹ تھے، سر سالار جنگ کی مخالفت ہی کے ارادہ سے نواب امیر کبیر کو مقرر کرایا تھا اس لئے بقول سر اسٹوارٹ بیلی:-

"سر رچرڈ میڈ کا سر سالار جنگ کے خلاف امیر کبیر سے مل جانا بہت ہی افسوس ناک ہوا، اور انڈین گورنمنٹ کو اس وجہ سے بہت نا گفتہ بہ کام کرنے پڑے۔"

اور ہم اس جملہ پر اس قدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ سر سالار جنگ کو بھی شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

نواب بشیر الدولہ بہادر اس زمانہ میں صدر المہام عدالت تھے اور مولوی مشتاق حسین اُن کے معتمد (سکرٹری) تھے، وہ صرف عہدہ کی حیثیت سے معتمد نہ تھے بلکہ نواب بشیر الدولہ کو پرائیویٹ طور پر بھی اُن پر کامل اعتماد تھا اور باہمی تعلقات اس قدر شگفتہ تھے کہ حیدرآباد میں آج تک لوگ اس سے واقف ہیں۔

نواب امیر کبیر شریک مدار المہام جو نائب حضور کے نام سے مشہور تھے، نواب بشیر الدولہ کے چچا تھے، لیکن باہمی تعلقات اچھے نہ تھے، خاندانی حقوق و اعزاز کے متعلق باہم جھگڑے پیدا ہو گئے تھے، اور اس مخالفت نے نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی تھی، ان جھگڑوں کا ابھی تک کوئی تصفیہ نہیں ہوا تھا، سر سالار جنگ فریقین کے اعزاز و اقتدار کی وجہ سے اس معاملہ میں مداخلت سے پہلو بچاتے تھے اور بظاہر غیر جانب دار تھے، لیکن در پردہ نواب بشیر الدولہ سے ہمدردی رکھتے تھے۔

اسی زمانہ میں نواب امیر کبیر کو لوگوں نے یہ باور کرایا کہ مولوی مشتاق حسین ان جھگڑوں میں نواب بشیر الدولہ کے معین و مددگار رہیں اور اندرونی طور پر تمام معاملات میں حصہ لیتے ہیں اس بنا پر امیر کبیر اُن سے سخت ناراض تھے، اِس میں شک نہیں کہ یہ خیال ایک حد تک صحیح

تھا۔ مولوی مشتاق حسین بلاشبہ نواب بشیر الدولہ کے ہوا خواہ تھے، اور جائز حد تک اخلاقی عانت اور مفید مشورے دینے میں بھی تامل نہیں کرتے تھے، لیکن اس سے زیادہ اُن کی مداخلت اس معاملہ میں نہ تھی۔

غرض حیدرآباد کے یہ حالات تھے کہ ۲ ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) کو مولوی مشتاق حسین دو ماہ کی رخصت لے کر حیدرآباد سے وطن آئے، اس کے بعد گوالیار جاکر نواب بشیر الدولہ کا کوئی پیغام کرنل ہیوڈی رزیڈنٹ گوالیار کو پہنچایا جو اس سے پہلے حیدرآباد میں فرسٹ اسٹنٹ رزیڈنٹ کے) رہ چکے تھے، اس واقعہ کے چند روز بعد اُن کو اطلاع ملی کہ اُن کی تنخواہ میں معقول اضافہ مدار المہام نے منظور کیا اور آیندہ ۱۲۹۶ھ سے اُن کو ایک ہزار ماہوار تنخواہ ملیگی۔ اس کے بعد یہ سُنا کہ نواب امیر کبیر اس اضافہ پر برہم اور اُن سے ناراض ہیں یہ سن کر اُن کو فی الجملہ تردد ہوا لیکن وہ بالطبع استقلال کے ساتھ ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لیئے ہمیشہ تیار رہتے تھے، اس لیئے اُنھوں نے اس موقع پر بھی استقلال اور خودداری سے کام لے کر ایک مفصل خط مدار المہام کی اطلاع کے لیئے مولوی سید مہدی علی خاں کو لکھا، جس میں اُنھوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ :۔

”نارضامندی خاطر جناب امیر کبیر بہادر مناسب نیست ونمی خواہم کہ در معاملہ من ہیچ میرز اختلافے درمیان ہیچو دو حکام افتد کہ فلاح وصلاح ملک بر اتفاق شاں منوط ومربوط باشد، نواب امیر کبیر بہادر اگر بر سقوط اضافہ ام مصر باشند بلا تامل اضافہ موقوف کردہ شود، واگر رضامندی خاطر جناب ممدوح بر تبدیلی عہدہ ام باشد بلا لحاظ صدر و مفصل ہر جاکہ مناسب باشد تبدیل کردہ شوم، تا ایں کہ اگر رضامندی خاطر حضرت ممدوح بر برخاستگی ام موقوف باشد بلا توقف حکم برخاستگی ام صادر فرمودہ آید۔“

اسی سلسلہ میں اُنھوں نے یہاں تک لکھ دیا۔

”واین برخاستگی مرا از ہزار گونہ ترقیات عزیز تر و باعث افتخار خواہد بود کہ ہرچہ

از من مور ضعیف دریں وقت ممکن بود بجا آوردم و منفعتِ خاص را بر منفعت عام قربان کردم۔"

مولوی مشتاق حسین اس خط کے جواب کا انتظار کر رہے تھے کہ اُن کے پاس ۱۲ر جنوری ۱۸۷۹ء کو مولوی مہدی علی خاں کا یہ تار پہنچا:۔

"ہز اکسلنسی نے آج آپ کو موقوف کر دیا کیوں کہ آپ مرار گئے تھے۔"

معزولی کا سبب

اِس کے بعد سر سالار جنگ مدار المہام کے دفتر معتمد خانگی سے حسب ذیل مراسلہ ۱۷ر محرم ۱۲۹۶ھ کا لکھا ہوا اُن کو موصول ہوا۔

"حسب الحکم مدار المہام سرکار عالی اطلاع دادہ می شود کہ بہ نواب امیر کبیر بہادر معلوم گردید کہ آں مہرباں کہ ازیں جا بر رخصت کار خانگی رفتہ بودند برائے پیروی مقدمہ نواب محتشم الدولہ و نواب بشیر الدولہ بہادر نزدیک کرنل ٹوڈی صاحب بہادر بہ گوالیار رفتند و نواب ممدوح بہ مدار المہام سرکار عالی ازیں امر اطلاع دادند۔"

چونکہ آں مہرباں قبل از روانگی بر رخصت تذکرہ ایں امر اشارۃً و کنایۃً ہم نکردند و نہ قبل از روانگی نزدیک کرنل صاحب بہادر ازیں اطلاع دادند باوجود بودن ملازم سرکار درچنیں معاملات سترگ و سنگیں مداخلت غیر متعلق از عہدہ خود نمودند پس بہ افسوس تمام علیحدگی آں مہربان از ملازمت سرکار عالی ضرور افتاد، لہٰذا آں مہربان از تاریخ رسیدن تحریر ہذا خود را از ملازمت ایں سرکار خارج تصور سازند۔"

تحقیقات کی استدعا اور سر سالار جنگ کا جواب

مولوی مشتاق حسین کو جب یہ حکم پہنچا تو سخت متحیر ہوئے کیونکہ جو الزام مقدمہ کی پیروی کا اُن پر لگایا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا، تاہم اُنھوں نے چند روز تک انتظار کیا کہ شاید نواب سر سالار جنگ اُن کو پرائیویٹ طور پر برخاستگی کے وجوہ و اسباب سے مفصل طور پر اطلاع دینگے لیکن جب سر سالار جنگ نے خاموشی اختیار کی تو اُنھوں نے سر سید کے مشورہ سے اس واقعہ کے چار مہینہ کے بعد ایک درخواست بھیجکر باضابطہ طریقہ سے تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ سر سید نے بھی اس درخواست کی ایک نقل خانگی طور پر مولوی سید مہدی علی خاں

کو بھیجدی اور ایک خط بھی لکھا۔

مولوی مشتاق حسین نے درخواست میں اس غلطی کا اعتراف کیا تھا کہ انھوں نے خلاف عادت مدار المہام کو اس واقعہ سے اطلاع نہیں دی کہ وہ گوالیار میں کرنل ٹیوڈی سے ملاقات کرینگے لیکن اس واقعہ سے انکار کیا کہ اس ملاقات کا تعلق نواب بشیر الدولہ کے مقدمہ سے تھا، اور اس بنا پر یہ خواہش ظاہر کی کہ تحقیقات کی جائے اور اُس کا سہل طریقہ یہ بتایا کہ خود کرنل ٹیوڈی سے دریافت کیا جائے کہ یہ ملاقات مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں تھی یا کسی اور معاملہ کے متعلق[1]

مولوی سید مہدی علی خاں نے درخواست اور سر سید کا خط سر سالار جنگ کی خدمت میں پیش کردیا، اور خود بھی نہایت پرزور الفاظ میں تحقیقات کی ضرورت ظاہر کی اور آخر میں لکھا کہ:۔

"ہمہ ملازمان عدالت واہل معاملہ را تاسف است کہ مثل مشتاق حسین آدم کارگزار و دیانتدار بلاجرم وطلب جواب موقوف کردہ شود اگرچہ ایں موقوفی برائے ذاتِ خاص مولوی مشتاق حسین مضرست مگر ضررِ آں زیادہ تر بہ عدالت و سرکار رسیدہ وغالباً مثل مولوی مشتاق حسین مردے محنتی ومتدین وراست باز بمشکل بہم رسد"

نواب سر سالار جنگ نے خاص اپنے قلم سے خانگی طور پر اس درخواست کا مفصل جواب دیتے ہوئے لکھا:۔

"مولوی مشتاق حسین اگر دریں جا بودند وبذات خود بر حالات ایں جا واقف می شدند شکے ندارم کہ از کارروائی ایں جانب بکلی اتفاق می نمودند چونکہ مولوی صاحب شائق بہتری تمام قوم ہستند دریں امر خلاف نخواہند نمود کہ حفاظت فوائد عام را بر فائدہ و با فوائد خاص ترجیح است"

---

[1] کرنل ٹیوڈی نے اپنی چٹھی میں جو نواب بشیر الدولہ کے نام تھی یہ ظاہر کردیا تھا کہ مشتاق حسین نے مقدمہ کے متعلق اُن سے گفتگو نہیں کی۔

سر سالار جنگ کی اس پرائیویٹ تحریر سے مولوی مشتاق حسین نہایت متاثر ہوئے اور اظہار شکر گزاری کے طور پر ایک طویل خط لکھا جو تمام تر نہایت دلچسپ ہے لیکن بخوف طوالت اس کا ایک حصّہ نقل کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہے:-

"چوں پس از مدتے تحریرے بقلم خاص سرکار موسومہ خود دیدم از ایام گزشتہ یاد آوردہ چشم پر آب شدم دست دعائے ترقی عمر و دولت و اقبال روز افزوں سرکار بدرگاہ مجیب الدعوات برافراشتم غیر از یک لفظ "در تسلیم" لفظے دیگر نزد خود ندارم و یک سطر مختصر برائے اظہار تمامی خیالات گزشتہ و آئندہ و عرض جمیع مطالب و مقاصدم کفایت می کند، یعنی با ایں ہمہ کہ گزشت در خلوص عقیدت باطنی ام کہ با ولی نعمت خود داشتم یک نقطہ ہم گاہے کم نہ شدہ است و آئندہ ہم تا زندہ ام بندہ ام و مطیع فرمان"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے اس مدبّر اعظم سے مولوی مشتاق حسین کے کیا تعلقات تھے، اور ایک کو دوسرے پر کس قدر اعتماد تھا۔

سر سالار جنگ کی مجبوری سر سالار جنگ کو مولوی مشتاق حسین کی محنت، قابلیت، اور راستبازی کا پورا تجربہ ہو چکا تھا، اور اُن کے مضبوط کیرکٹر نے سر سالار جنگ کے دل میں اُن کی خاص عزت اور عظمت پیدا کر دی تھی، اس لئے بحالتِ مجبوری جب سر سالار جنگ کو یہ خلاف انصاف حکم دینا پڑا تو نہایت رنج ہوا۔ چنانچہ میر افضل حسین صاحب (میر مجلس عدالت العالیہ) جو اس زمانہ میں نواب بشیر الدولہ کی سرکار سے تعلق رکھتے تھے، اس کے متعلق ایک خط میں مولوی مشتاق حسین کو لکھتے ہیں:-

"میں اور آپ اور تمام دنیا کے لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ مدار المہام صاحب کا وہ فعل اختیاری نہ تھا اور جس کو خدا نے اتنی بھی قوت مدرکہ دی ہے کہ وہ انسان اور حیوان میں تمیز کر سکتا ہے وہ بھی بے تامل یہ بیان کرے گا کہ اس ریاست میں مثل آپ کے نہ کوئی پہلے سے موجود تھا اور نہ کوئی اور ملک سے آیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مدار المہام کو اس معاملہ کا

قلق نہ ہو، اور وہ اپنے نازیبا فعل پر پشیمان یا اُس کی برائی کے قائل نہ ہوں۔"

اس کے بعد اپنی اور مدار المہام کی ملاقات، اور ان معاملات پر گفتگو کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں

"جب ملاقات ہوئی تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود نادم ہیں، بنفسہ مدار المہام کا منشا اس امر کے کرنے کا نہ تھا جو اُن سے مجبورانہ ہوا اور میں جانتا ہوں کہ جب تک . . . اپنی قوت پر باقی ہے اُس وقت تک مدار المہام کی مجبوری رفع نہ ہو گی۔"

نواب بشیر الدولہ کی امداد اور مولوی مشتاق حسین کا انکار

نواب بشیر الدولہ بہادر نے اس امیرانہ غیرت سے کہ مولوی مشتاق حسین ایک ایسے بے بنیاد الزام پر برخاست کر دیئے گئے جس میں اُن کا نام بھی شامل تھا یہ ارادہ کیا کہ اُن کو پوری تنخواہ پر (جو زمانہ معتمدی صدر المہامی میں ملتی تھی) اپنی سرکار میں ملازم رکھ لیں، تاکہ جو نقصان قطع ملازمت سے اُن کو پہنچا ہے اس کی کسی قدر تلافی ہو سکے، لیکن باوجود نواب ممدوح کے پیہم اصرار کے مولوی مشتاق حسین نے اس کو منظور نہیں کیا، اور صاف صاف لکھ دیا کہ :-

"اگر نواب سالار جنگ بہادر کے سوا کوئی اور حاکم مجکو موقوف کرتا تو میں ایسا کر سکتا تھا لیکن جبکہ اُن ہی کی وجہ سے مجکو نوکری کا اتفاق ہوا اور اُنھوں نے ہی موقوف کیا ہے، تو میری حمیت خود اس بات کی مقتضی نہیں ہے کہ میں دوسری جگہ حیدرآباد میں اپنا تعلق اختیار کروں۔"

اس جواب پر نواب بشیر الدولہ بہادر کی طرف سے اُن کے ایک ذمہ دار عہدہ دار نے لکھا :-

"نواب بشیر الدولہ بہادر دام اقبالہٗ مدار المہام کے رقیب نہیں ہیں کہ اگر مدار المہام آپ کو موقوف کریں تو آپ نواب بشیر الدولہ بہادر کی ملازمت سے انکار کر دیں، اور ملازمت کا نو صرف میں نام لیتا ہوں وہ تو فرماتے ہیں کہ یہ میری طرف سے ایک دعوت ہے جس کا رد کرنا نہایت معیوب اور معصیت ہے۔"

غرض نواب بشیر الدولہ کی طرف سے متواتر اصرار کیا گیا کہ اگر آپ حیدرآباد آنا مناسب

نہیں سمجھتے، تو گھر بیٹھے پانسو روپیہ ماہوار لیجئے مگر اُنھوں نے اس کو بھی قبول نہیں کیا اور اسکی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے نواب ممدوح کی کوئی ایسی بڑی خدمت نہیں کی تھی جس کے معاوضہ میں میں اُن کے اسقدر نقصان کو جائز رکھوں اس صاف انکار کے بعد بھی نواب بشیر الدولہ کا اصرار جاری رہا۔ مگر وہ کسی طرح امداد قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔

نواب بشیر الدولہ بہادر ایک خاندانی امیر تھے، اور قدیم طرز کے اُمرا میں جو شرافت و وضعداری، اور قدر شناسی ہوتی ہے، اُس سے خالی نہ تھے۔ جب مولوی مشتاق حسین کسی طرح راضی نہ ہوئے تو اُنھوں نے امداد کا ایک دوسرا طریقہ تجویز کیا۔ اسی زمانہ میں مولوی مشتاق حسین کی ایک لڑکی کی شادی ہونے والی تھی۔ نواب بشیر الدولہ نے چار ہزار روپیہ بطور نیوتہ کے بھیجا اب اُن کو تردد ہوا کہ کیا کریں۔ معاملہ کی اہمیت کے لحاظ سے اُنھوں نے سر سالار جنگ سے مشورہ لینا مناسب سمجھا۔ نواب ممدوح نے رائے دی کہ روپیہ واپس کر دو۔ چنانچہ اسی مشورہ پر عمل کیا گیا۔

سر سالار جنگ کا ریمارک

جب ان تمام واقعات کی مفصّل اطلاع نواب سر سالار جنگ کو پہنچی، تو نواب ممدوح نے مولوی مشتاق حسین کے شریفانہ طرزِ عمل اور وفاداری سے متاثر ہو کر ۹ رجب ۱۲۹۶ھ کو خاص اپنے قلم سے حسب ذیل ریمارک فرمایا۔

"ہمہ را دیدم و خوش شدم کہ از شرفا غیر ازانچہ از مولوی مشتاق حسین عمل شدہ عمل دیگر نمی تو اند شد و اُمید ست کہ روزے بیاید کہ ایشاں نتیجہ عمل نیک خود را حاصل کنند"

ان الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُنیسویں صدی کے اس مدبر اعظم کے دل میں مولوی مشتاق حسین کی کس قدر عزت تھی، اور آخر کار (جیسا کہ واقعات مابعد سے معلوم ہوگا) نواب ممدوح کی پیشین گوئی کے مطابق وہ زمانہ بھی آیا، جب کہ مولوی مشتاق نے اپنے "عمل نیک" کا کافی صلہ حاصل کیا۔

معاملہ کی اہمیت اور سر سالار جنگ کا آمادہ اعانت ہونا

اس وقت معاملات کی حالت سر سالار جنگ کے لیے

تردد افزا تھی۔ نواب امیر کبیر سے اُن کے تعلقات پہلے ہی سے شگفتہ نہ تھے، مولوی مشتاق حسین کے واقعہ نے نواب بشیر الدولہ کو بھی رنج پہنچایا اور جیسا کہ بعض پرائیویٹ تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو سالار جنگ کے ساتھ پہلا سا حسن ظن باقی نہیں رہا۔ اُن کے نزدیک یہ علیحدگی ایک ناجائز کارروائی تھی چنانچہ اُنھوں نے باضابطہ طور پر نواب مدار المہام سے استفسار کیا کہ مولوی مشتاق حسین پر جو الزام لگایا گیا ہے کیا اس کی پوری تحقیقات کر لی گئی ہے کہ وہ الزام صحیح ہے؟ اور کیا مولوی مشتاق حسین سے اس کے متعلق جواب حاصل کر لیا گیا ہے، یا بغیر جواب حاصل کیے اُن کو برخاست کر دیا گیا؟

اِس کے علاوہ نواب امیر کبیر بھی ہوشیاری کے ساتھ معاملات کی رفتار کو دیکھ رہے تھے، اور رزیڈنٹ سے اُن کے تعلقات بڑھے ہوئے تھے، اور اُن کے احباب نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نواب بشیر الدولہ مشتاق حسین کو مقدمہ کی پیروی کے لئے روپیہ پر روپیہ بھیج رہے ہیں، بلکہ لوگوں نے یہاں تک شہرت دیدی تھی کہ نواب بشیر الدولہ نے اُن کو مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں حیدرآباد بلایا ہے۔ مولوی مشتاق حسین کی شخصیت ایسی تھی کہ ایک طرف تو نواب امیر کبیر کو اُن کے آنے کی خبر نے متوحش کر دیا تھا، دوسری طرف سر سالار جنگ کو بھی اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر وہ آ گئے تو معاملات پیچیدہ صورت اختیار کر لینگے، حالانکہ یہ خبر قطعاً غلط تھی لیکن نواب بشیر الدولہ اور مولوی مشتاق حسین کے تعلقات کے لحاظ سے قرین قیاس بھی تھی؛ اس بنا پر سر سالار جنگ نے چاہا کہ مولوی مشتاق حسین کو اس ارادہ سے باز رکھیں چنانچہ اُنھوں نے "صیغہ راز" میں اپنے ہاتھ سے اُن کو ایک خط لکھا یہ خط حسب دستور فارسی میں ہے اُردو میں اس کا ماحصل حسب ذیل ہے:۔

"اگرچہ کرنل ٹیوڈی سے ملاقات کرنے میں آپ نے غلطی کی لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ ضروری تھا کہ آخری حکم سے پہلے اس کی تحقیقات کر لی جاتی لیکن آپ کو معلوم ہے کہ بمقتضائے مصلحت کارروائی کی گئی اور یہی مصلحت اس وقت بھی مزید کارروائی اور تحقیقات سے

مانع ہے۔ اگر اس وقت کوئی کارروائی کی گئی تو مجکو یقین ہے کہ اس سے فساد پیدا ہوگا اور نقصان آپ کی ذات تک محدود نہیں رہیگا، بلکہ معلوم نہیں کہاں تک ترقی کریگا۔ بالفعل یہ سنا جاتا ہے کہ آپ یہاں آنے والے ہیں اس ارادہ کو ملتوی کیجئے جن لوگوں کے فائدہ کے لیئے آپ آنا چاہتے ہیں اُن کو اس سے لاعلاج نقصان پہنچے گا۔"

اس میں شک نہیں کہ آپ بغیر مدد خرچ گزر نہیں کر سکتے، اس لیئے آپ کی دوبارہ طلبی تک چار سو روپیہ سکۂ انگریزی اس جانب ماہ بماہ آپ کو بھیجتے رہینگے، آپ خاطر جمع رکھیں اُمید ہے کہ زیادہ زمانہ نہیں گزریگا کہ حالات تبدیل ہو جائینگے، اختلافات مٹ جائینگے، اور جو لوگ آپ سے رنجش رکھتے ہیں وہ باقی نہیں رہینگے اور آپ کو نعم البدل و اطمینان حاصل ہوگا اس مدد خرچ کو "صیغۂ راز" میں رکھیئے۔"

امداد کا قلت کے ساتھ بطور قرض قبول کرنا

یہ واقعہ ہے کہ مولوی مشتاق حسین نے سرسالار جنگ کی رائے سے انگریزی ملازمت سے استعفا دے دیا تھا۔ اور یہاں کے تمام تعلقات منقطع ہو چکے، اب حیدرآباد سے بھی ایک غلط الزام کی بنا پر اُن کا تعلق منقطع ہو گیا، اور زمانہ قریب میں کسی تحقیقات کی بھی اُمید نہیں رہی اس لیئے اب درحقیقت اُن کو مشکلات کا سامنا تھا۔ یہ محض اُن کی شرافت اور خودداری تھی کہ اُنھوں نے نواب بشیر الدولہ کی ملازمت اور امداد سے انکار کر دیا تھا، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اُن کی معاش کا کوئی وسیلہ ہو اس بنا پر جب سالار جنگ نے امداد کا ارادہ ظاہر کیا تو اُنھوں نے پُر جوش الفاظ میں اس قدر شناسی اور فیاضی کا شکریہ ادا کیا، اور اِسی سلسلہ میں لکھا:۔

"سرکار (مدار المہام) کے مداخل و مخارج کا مجکو ذاتی علم ہے لیکن بغیر سرکار کی دست گیری کے فصلِ بہار کا انتظار بھی اگرچہ ناممکن نہیں لیکن دشوار ضرور ہے میں ایک شبانہ روز اس پر غور کرتا رہا، اور بغیر اس کے چارہ کار نہ دیکھا کہ عطیۂ سرکار کو ہزار ہزار شکریہ کے ساتھ قبول کروں، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ سرکار کو زحمت دیکر خود فارغ البالی حاصل کروں لہٰذا

جو رقم سرکار نے بجویز کی اُس میں تخفیف فرمادی جائے کیوں کہ کفایت شعاری اور جزرسی سے بھی گزر ممکن ہی اس کے علاوہ نہایت ادب سے یہ عرض ہی کہ اس طریقہ سے سرکار مجکو جو عطا فرمائیں وہ قرض متصور ہو آیندہ اگر زمانہ میری مساعدت کریگا، تو میں یہ قرض ادا کردونگا۔"

دستورالعمل کی ترتیب

اس زمانہ میں مولوی مشتاق حسین کا قیام زیادہ تر علی گڑھ میں رہا۔ حیدرآباد میں دفاتر کی اصلاح کا سلسلہ جاری تھا سررشتہ مال کے قواعد مرتب ہو رہے تھے۔ سرسالار جنگ نے اس مقصد کی تکمیل کے لیئے اُن کو گشتیات اور احکام مرتب کرنے کا حکم دیا۔ اور مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اور مولوی اکرام اللہ خاں (نواب یار جنگ) نے اصلاح دفاتر کے متعلق جو دستورالعمل مرتب کیا تھا وہ بھی اصلاح و نظر ثانی کے لیئے بھیجا۔ علی گڑھ ہی میں بیٹھ کر اُنھوں نے ایک نہایت مکمل دستورالعمل مال گزاری کا مرتب کیا جو تمام اُمور پر حاوی ہی اور اس میں تمام عہدہ داروں کے فرایض و اختیارات کو بھی نہایت عمدہ طریقہ سے بیان کیا ہی۔ اس دستورالعمل سے اُن کی وسعت نظر اور دقیقہ رسی کا اندازہ ہوتا ہی کہ حیدرآباد کے صرف سہ سالہ قیام میں اُنھوں نے وہاں کے متعلق کیسی صحیح واقفیت بہم پہنچائی تھی تاہم بعض مواقع پر اُن کو مشکلات پیش آتی تھیں جن کے متعلق وہ مولوی مہدی علی خاں سے مراسلت کیا کرتے۔ اکثر اوقات سرسید بھی ان مسودات کو دیکھتے اور جہاں ضرورت سمجھتے اصلاح و ترمیم کرتے۔

الاونس یا تنخواہ کا مقرر ہونا

مولوی مشتاق حسین نے سرسالار جنگ کی امداد بطور قرض منظور کی تھی۔ لیکن جب یہ خدمت اُن کے متعلق کی گئی تو دوسری صورت پیدا ہو گئی یعنی سرسالار جنگ نے سکرٹریٹ سروس فنڈ سے اُن کی تنخواہ چار سو ماہوار سکہ قیصری مقرر کردی جس کی ابتدا تاریخ علیحدگی سے کی گئی ہی لہذا اب اُن کو کسی شخص کی امداد قبول کرنے کی حاجت نہیں رہی۔

اِس کے علاوہ اُن کو حیدر آباد سے پچھلی تنخواہ کا روپیہ بھی مل گیا۔ جب اُنھوں نے حیدرآباد چھوڑا تو تنخواہ کا جو روپیہ واجب الادا تھا اُس کی مقدار تاریخ علٰحدگی تک چار ہزار چھبّیس روپیہ دو آنہ تھی جو نواب بشیر الدولہ نے باضابطہ برآمد کرا کر اُن کو بھیجدی، اور وہ باطمینان اُس سرکاری کام کے انجام دینے میں مصروف ہوگئے جو اُن کے متعلق کیا گیا تھا۔

اِس زمانہ میں اُنھوں نے محمڈن کالج کے دار الاقامت کی نگرانی کا کام بھی اپنے ذمّہ لیا اور نہایت خوش اسلوبی سے اُس کو انجام دیا جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئیگی۔

سر سالار جنگ کی طلب سے حیدرآباد کا دوسرا سفر و ملازمت

مولوی مشتاق حسین اگرچہ سر سالار جنگ کی بدولت فکرِ معاش سے مستغنی ہو کر اپنے کام میں مصروف تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ "عہد گزشتہ" کی یاد نے اُن کو ایک کشاکش پنہاں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ سر سالار جنگ جیسے مدبّرِ اعظم کی صحبت، نواب بشیر الدولہ کی امیرانہ شفقت اور سب سے بڑھ کر ایک اسلامی سلطنت کی خدمت کی سعادت ایسی چیزیں نہ تھیں جن کو وہ بھول جاتے۔ (اور جیسا کہ اُن کی بعض پرائیویٹ تحریروں سے معلوم ہوتا ہے جن کو ہم اپنے موقع پر نقل کرینگے) اُن کو مذہبی حیثیت سے یقین کامل تھا کہ خدا کے یہاں ناانصافی نہیں اس لئے ایک زمانہ آئیگا جبکہ اُن کو اپنی محنت اور دیانت کا کافی صلہ ملیگا۔ چنانچہ وہ اس زمانۂ ابتلا میں ۳ سال سے زیادہ مدت تک اُس صبح اُمید کا انتظار کرتے رہے جب کہ سر سالار جنگ کا ایک مسرت آمیز پیام اُن کی قسمت کو دوبارہ دولتِ آصفیہ سے وابستہ کردے، دوسری طرف اُن کے احباب حیدرآباد میں چشم براہ تھے اور اُن کو وہاں کی ذرا ذرا سی خبریں پہنچاتے تھے۔

آخرکار اُن کی یاوری قسمت سے حیدرآباد کے حالات میں انقلاب ہوا۔ سر رچرڈ میڈ (رزیڈنٹ) جو اُن سے حسنِ ظن نہیں رکھتے تھے تبدیل ہوگئے اور سر اسٹوارٹ بیلی کا تقرر ہوا، نواب بشیر الدولہ کے مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا اور سر سالار جنگ کے حریف نواب امیر کبیر جو مولوی

مشتاق حسین کی بربادی کا باعث ہوئے تھے اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لیئے رخصت ہو گئے، غرض میدان صاف ہو گیا۔

چونکہ مولوی مشتاق حسین کی برخاستگی میں اندرونی طور پر سر رچرڈ میڈ کا ہاتھ بھی کام کر چکا تھا اس لیئے سر سالار جنگ نے مصلحتاً موجودہ رزیڈنٹ سر اسٹوارٹ بیلی سے بھی اس معاملہ میں مشورہ کیا اور جب اُن کو رضامند پایا تو اب سر سالار جنگ کے لیئے اپنی غلطی کی تلافی کرنے میں کوئی امر مانع نہ رہا۔

سر سالار جنگ کو اس موقع کے حاصل ہونے سے اس قدر مسرت ہوئی اور اُن کو مولوی مشتاق حسین کے جلد حیدرآباد پہنچنے کا اتنا خیال تھا کہ طلبی کا باضابطہ حکم جاری ہونے سے پہلے ۲۷ جمادی الاول ۱۲۹۹ھ (۱۸ مارچ ۱۸۸۲ء) کو اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک خط مولوی مشتاق حسین کو لکھا۔

سر سالار جنگ کا خط

"بوجوہ و اسبابے کہ رسیدن آں مہرباں برائے چندے مناسب نہ بود، بہ سبب شدن فیصلہ نواب بشیر الدولہ بہادر مرفوع شدہ و انتظام جدید درپیش است و آں مہربان رکن مجلس عدالت کہ بطرز انتظام جدید عنقریب مقرر خواہد شد قرار خواہند یافت، نظر برآں بہ خوشنودی تمام نوشتہ شود کہ بمجرد رسیدن حکم ہذا دریں جا برسند، در بندوبست حالیہ ازاں عدالت پناہ بہ سبب تجربہ سابقہ فائدہ حاصل خواہد شد زیادہ چہ تعلم آید۔"

روانگی اور تقرر

اس خط کے موصول ہونے پر مولوی مشتاق حسین حیدرآباد روانہ ہو گئے، اور پہلے اپنے پرانے عہدہ پر (جس کا گزشتہ ۴ ماہ سے سر سالار جنگ نے قصداً کوئی انتظام نہیں کیا تھا) بحال کیئے گئے اور صدر المہام عدالت کو اطلاع دی گئی کہ تا انتظام جدید مولوی مشتاق حسین بدستور معتمدی کے عہدہ پر کام کرینگے۔ نواب بشیر الدولہ بہادر کو مولوی مشتاق حسین کے دوبارہ حیدرآباد پہنچنے اور اُن کے محکمہ کے معتمد مقرر ہونے سے نہایت مسرت ہوئی۔

لے یہ بیان مولوی مشتاق حسین کو دوبارہ حیدرآباد پہنچنے پر معلوم ہوا۔

اِس عہدہ کے علاوہ مولوی مشتاق حسین مجلس صفائی بلدہ کے نائب میر مجلس بھی مقرر ہوئے۔

صدر تعلقہ داری گلبرگہ

ابھی معتمدی عدالت کے عہدے پر کام کرتے اُن کو چند ماہ سے زیادہ نہیں گزرے تھے کہ نواب سر سالار جنگ نے اُن کو بارہ سو روپیہ ماہوار پر سمت جنوبی کا صدر تعلقہ دار مقرر کیا، اور اُنھوں نے ۱۳ محرم ۱۳۰۰ھ کو اپنے جدید عہدہ کا جائزہ لیا۔

جب مولوی مشتاق حسین اس جدید عہدہ کی سرفرازی پر حسبِ دستور سر سالار جنگ کی خدمت میں نذر پیش کرنے حاضر ہوئے تو اُنھوں نے فرمایا۔

"خیر اس وقت تو یہ نذر لیتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تم کو حیدرآباد سے باہر نہیں بھیج سکتا، تمھارے گلبرگہ تشریف جانے کی خبر سُن کر اس قدر لوگوں نے مجھ سے تمھاری نسبت کہا ہے کہ میں بلدہ ہی میں تمھارے لیے کچھ اور فکر کرتا ہوں، اور میں زیادہ تر اس سے خوش ہوا ہوں کہ زیادہ تر غریب لوگ تمھارے باہر جانے سے ناخوش ہیں۔ خیر اب تم جاؤ اور صدر تعلقہ داری کا جائزہ لو اور ایک دن کام کر کے پھر بلدہ کو واپس چلے آؤ۔"

صدر تعلقہ دار مقرر ہونے کے بعد اُنھوں نے نیابت میر مجلسی صفائی بلدہ کے عہدہ سے استعفاء دیدیا۔ مجلس نے ۱۲ صفر ۱۳۰۰ھ کے اجلاس میں استعفاء منظور کیا اور اُن کی حسن کارگزاری کا شکریہ ادا کیا۔

اِس جدید عہدہ پر تقرر کے وقت مدار المہام نے ظاہر کر دیا تھا کہ یہ عارضی جگہ ہے چنانچہ اُن کو صرف دو ماہ کام کرنے کا موقع ملا یہ ایسا قلیل زمانہ ہے کہ اس میں کوئی نمایاں کام انجام نہیں دیا جا سکتا، لیکن اُنھوں نے اس ناکافی مدت میں بھی صوبہ کو فائدہ پہنچایا۔

دفتر کی اِصلاح و تہذیب کے علاوہ ایک بڑا کام اُنھوں نے یہ کیا کہ ضلع لنگسگور میں مفسد اور بدمعاش لوگوں نے جو غارت گری برپا کر رکھی تھی اس کے استیصال کا انتظام کیا،[1]

---

[1] چنانچہ اس زمانہ کے تین برس بعد ایک گشتی میں جو حکام پولس کے نام جاری کی گئی ہے وہ لکھتے ہیں:

(صفحۂ آئندہ)

کمزور طبع اور ناقابل عہدہ داروں کو ہٹایا اور صدر المہام کوتوالی کو لکھا۔

"حقیقت نفس الامر این ست کہ بے احتیاطی یا ناقابلیت و عدم ادائے فرض عہدہ داران کوتوالی ضلع، حالتِ ضلع را بایں نوبت رسانیدہ است"۔

غرض اس قلیل مدت میں جو کچھ اصلاح وہ کر سکتے تھے اس میں تامل نہیں کیا۔

معتمد عدالت اور کوتوالی

گلبرگہ کی صدر تعلقہ داری پر صرف دو ماہ کا زمانہ گزرا تھا کہ سر سالار جنگ نے جو اس وقت اعلیٰ حضرت کے ہمرکاب اورنگ آباد کے دورہ پر تھے اپنا ارادہ جو مولوی مشتاق حسین کو خاص حیدرآباد میں رکھنے کے متعلق تھا پورا کیا، یعنی جنوری سنہ ۱۸۸۳ء ربیع الاول سنہ ۱۳۰۰ھ میں اُن کو خاص اپنی ماتحت معتمد عدالت و کوتوالی کے عہدہ پر سرافراز کیا، اور یہ حکم بذریعہ تار بھیجا کہ وہ مدار المہام کی واپسی تک صدر تعلقہ داری گلبرگہ کی خدمت بھی انجام دیتے رہیں۔

چنانچہ مولوی مشتاق حسین نے اس عہدہ کا جارج لیا، اور اب اُن کو اصلاح کا ایک قیمتی موقع ہاتھ آیا، لیکن ابھی اُن کو کام کرنے کے لیئے پندرہ روز کا بھی موقع نہیں ملا تھا کہ حیدرآباد کی تاریخ میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوا، جس نے تمام ملک کو متزلزل کر دیا۔

(بقیہ نوٹ ص ۶۴) تین برس کے قریب عرصہ ہوتا ہے جب کہ ضلع لنگسگور کے پہاڑوں میں ان بدمعاشوں نے زیادہ شورش کی تھی جو کہ رائچور کے محبس سے فرار ہو گئے تھے، اور اس بات کا شک تھا کہ دیہات کے لوگ ان کو کچھ مدد دیتے ہیں یا اُن کو پکڑوا دینے میں کوئی خوف کرتے ہیں، اس وقت میں سمت جنوبی کا صدر تعلقہ دار تھا اور میں نے تمام وہاں کے زمینداروں کو اپنے مالی اختیارات سے ایک اشتہار کے ذریعہ اطلاع دی کہ اگر کسی طرف سے بھی اس میں غفلت ہوئی یا ثابت ہوا کہ کسی نے مجرموں کو کچھ مدد دی ہے یا پولیس کو مدد نہیں دی تو اس کی تمام رسوم میں ضبط کی جاویں گی۔ نتیجہ یہ تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جن کی گرفتاری منظور تھی ہر ایک متنفس گرفتار ہو گیا"۔

سر سالار جنگ کی وفات

ایک نازک زمانہ

اب وہ زمانہ آگیا تھا کہ نواب مختار الملک سر سالار جنگ کی ۳۰ سالہ جد و جہد کے خوشگوار نتائج ظاہر ہوں اور ملک ان کی مساعی اصلاح کے ثمرہ سے متمتع ہو۔ اس وقت نواب موصوف پورے جوش اور آزادی کے ساتھ ملک کی خدمت میں مصروف تھے، اور وہ پر امید زمانہ قریب آرہا تھا جب کہ اعلیٰ حضرت زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے صائب الرائے اور وفادار مدار المہام کی ۳۰ سالہ خدمات کا صلہ عطا فرمائیں، اور ملک میں مزید اصلاحات کا آغاز ہو، لیکن کارکنانِ قضا و قدر دوسرے کام میں مصروف تھے۔

۸ر فروری ۱۸۸۳ء (۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ) کی شام کو ہندوستان کے اس نامور مدبر نے صرف ۵۶ سال کی عمر میں دفعتاً وفات پائی، موت کا سبب ہیضہ قرار دیا گیا۔ لیکن اصلی سبب آج تک معلوم نہ ہو سکا، لوگوں نے مختلف خیالات ظاہر کئے، لیکن معاملہ بدستور تاریکی میں رہا۔

سر سالار جنگ کی حسرت ناک وفات نے حیدر آباد میں جو انقلاب پیدا کیا، ارکانِ مجلس مال گزاری نے اپنی ایک یادداشت میں اس کو حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

"ہر ایک چیز ترقی کی طرف مائل تھی اور ہر ایک کام کرنے والا یہی چاہتا تھا کہ اپنے ذائض کو اس پیمانہ سے جو سرکار نے اس کے لیے مقرر کیا ہے بہت زیادہ وسعت کے ساتھ بجالاوے کہ دفعتاً ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ کی شام کی تاریکی نے ہر ایک کارگزار کو اپنے کام سے روک دیا، نواب مدار المہام مرحوم کی نہایت افسوسناک اور بے وقت اور ناگہاں موت نے

حیدرآباد میں دفعتاً ایک نئی دنیا قائم کردی چند روز کی عام حیرت اور سکتے کے بعد جب لوگ چونکے تو اُن کو معلوم ہوا کہ وہ آفتاب جس کی روشنی میں ہر ایک شخص اپنا اپنا کام اطمینان کے ساتھ انجام دیتا تھا وہ غروب ہوچکا ہے' اور زمانہ جو چند روز پہلے تک برابر ترقی کر رہا تھا اب بے نظیر سرعت اور تیزی کے ساتھ پچھلے پاؤں لوٹ رہا ہے' اور اس لیول پر قرار پکڑتا جاتا ہے جو مہاراجہ چندو لال کے عہد میں اپنے واسطے پسند کی تھی۔ بہت ہی قلیل عرصہ میں ہَوا کا رُخ اِدھر سے اُدھر ہوگیا، تمام انتظامی خوبیاں جن پر چند روز پیشتر تک فخر کیا جاتا تھا اُن کا کوئی پُرسانِ حال نہ رہا۔"

غرض ایک مدارالمہام کی موت اگرچہ بظاہر کوئی اہم واقعہ نہیں' لیکن حیدرآباد کے مخصوص حالات اور سرسالارجنگ کی شخصیت کے لحاظ سے یہ واقعہ نہایت اہم تھا' اور اس کی اہمیت کو محسوس بھی کیا گیا' اور اس تابناک اور زرّیں عہد کے بعد حیدرآباد کی پولیٹکل تاریخ نے ایک دوسرا رنگ بدلا۔ ایک طرف تو رزیڈنسی کے ارکان سیاست "خاص تدابیر" پر غور و خوض کر رہے تھے دوسری طرف اُمرائے سلطنت پارٹی فیلنگ کے اثر سے واقعات کا رُخ بدلنے میں مصروف تھے۔ ہر صاحب قوت ہستی کے دماغ میں حصول اقتدار یا وزارت کا سودا تھا' جس کے لیئے رقیبانہ کشمکش کی ابتدا ہوچکی تھی' عام عہدہ دار و ارکان دولت بھی غافل نہ تھے' شخصی اغراض و مقاصد اور حُبِ جاہ نے ہر شخص میں ایک جنبش پیدا کردی تھی' چونکہ اعلیٰ حضرت آصف جاہ سادس کے حصول اختیارات کا زمانہ قریب تھا اس لیئے ہر بوالہوس کی یہ کوشش تھی کہ نوجوان فرماں روا کے دربار میں رسوخ و اقتدار حاصل کرے۔

لیکن بایں ہمہ ملک بہی خواہانِ حکومت سے خالی نہ تھا' ایک مختصر مگر سنجیدہ جماعت ایسی بھی موجود تھی جو فکر و تردد سے واقعات کا مطالعہ کر رہی تھی اس کو اندیشہ تھا کہ سرسالارجنگ نے جن اصلاحات کا آغاز کیا تھا کہیں اُن کا خاتمہ نہ ہوجائے' اور یہ اندیشہ کچھ بیجا نہ تھا کیوں کہ شخصی سلطنتوں میں جہاں صرف وزیراعظم یا بادشاہ کا اقتدار ہوتا ہے' انقلاب حکومت سے ہمیشہ

حالات میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کون کہہ سکتا تھا کہ انتظام مملکت آئندہ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا وہ کس خیال کے ہونگے۔ اس کے علاوہ اس جماعت کو یہ تردد بھی تھا کہ اعلیٰ حضرت ابھی نوجوان ہیں اس لئے ایک صائب الرائے اور مستقل مزاج وزیر کی ضرورت ہے، جو نوجوان فرمانروا کا وفادار مشیر اور اصلاحات کا حامی ہو۔ لیکن تمام ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو مجموعی حیثیت کے ان اوصاف سے ممتاز ہو۔

مولوی مشتاق حسین بھی سلطنت کی خیرخواہ جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اُن کے دل میں اس اسلامی سلطنت کی خدمت کا ولولہ تھا لیکن سر سالار جنگ کی حوصلہ شکن وفات نے ان کو امید و یاس کی کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ برابر غور کرتے تھے کہ اس نازک موقع پر وہ سلطنت کی کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

ابھی تک مولوی مشتاق حسین کو سیاسیات کا عمیق تجربہ نہ تھا۔ حیدرآباد میں اُن کا تعلق زیادہ تر صیغہ عدالت سے رہا تھا، ہندوستان میں بھی اُن کو کوئی پولٹیکل تجربہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے ملک کو عام طور پر مرعوب اور قناعت پسند بنا دیا تھا، اور شخصی سلطنت کے دیرینہ اثر سے اہلِ ملک جدید قسم کی سیاسی جدوجہد سے ناآشنا اور رموز سیاست سے بیگانہ تھے، ہندوستانی والیانِ ملک پر برطانیہ کا جو پولیٹکل اقتدار تھا، اُس کو مربیانہ شفقت اور مداخلت کو ہمدردی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ مولوی مشتاق حسین بھی بربنائے فطرت سلیمہ برطانوی ڈپلومیسی سے ناآشنا تھے، لہٰذا اس نازک موقع پر اُن کو یہ خیال پیدا ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے سامنے ایک یادداشت انتظام مملکت کے متعلق پیش کریں چنانچہ اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد انھوں نے ۱۶ر فروری ۱۸۸۳ء کو ایک یادداشت مرتب کی۔

یادداشت متعلق انتظامِ ریاست

اس یادداشت میں سب سے پہلے سر سالار جنگ کی وفات پر اظہار افسوس کے بعد انتظامات

کی تکمیل اور اصلاحات کی ضرورت پر زور دیا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:-

"نواب صاحب کی وفات جو ہر ایک آئندہ وقت میں بھی ریاست کے لیئے نہایت افسوس ناک ہوتی، اس وقت میں اور بھی بے انتہا حسرت اور رنج کے قابل ہے جب کہ ایک طرف حضرت بندگان عالی متعالی عنقریب عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کو تھے، جو دنیاوی مقاصد میں سے مرحوم کا سب سے اعلیٰ مقصد تھا اور دوسری طرف ہر ایک صیغہ اور سررشتہ کے وہ ملکی انتظامات اپنی اخیر اصلاح کے ذریعہ سے مکمل ہوا چاہتے تھے جن کو تیس برس کی متصل اور بے تکان اور نہایت پر استقلال اور عاشقانہ محنت کے ذریعہ سے مرحوم نے اس حالت تک پہنچا دیا تھا۔

ملکی انتظامات کی یہ اخیر اصلاح اگر شروع نہ ہوئی ہوتی تو آئندہ کی گورنمنٹ کا کام شاید صرف اسقدر رہ جاتا تھا کہ وہ اس وقت تک جب تک کہ حضرت بندگان عالی انتظامات کو اپنے ہاتھ میں لیں مرحوم کے نقش قدم پر چلتی رہے لیکن چونکہ اب وہ انتظامات شروع ہو چکے ہیں وہ آسانی باقی نہیں رہی ہے، اور اب ضرور ایک ایسی گورنمنٹ کی حاجت ہے جو ان انتظامات کو جو کہ ملک کے فائدہ کے لیئے اختیار کیئے جاتے تھے مکمل کرے اور یہ خیال کہ ایسے بڑے انتظام آیندہ کسی فرصت کے وقت کے لیئے اٹھا رکھے جاویں اس ترقی کی ایک بڑی روک کا باعث ہوگا جس میں سے ملک گزر رہا ہے، اور اگر ایک دفعہ وہ ترقی روک دی گئی تو ملک کو سخت نقصان پہونچیگا اور ترقی و تنزل کے درمیان کوئی ایسا فاصلہ نہیں ہے جس کو ایک ٹھہری ہوئی حالت سے تعبیر کر سکیں، کوئی ترقی جب رک جاوے تو اسی وقت سے تنزل کا آغاز سمجھا جاتا ہے اور تنزل جب کہ روک دیا جاتا ہے تو وہ آئندہ ترقیوں کی ایک علامت ہوتی ہے، پس اگر اس وقت میں کوئی ایسی علامت ظاہر کی جاوے جس سے عارضی طور پر ترقیات کی روک ہوتی ہو تو واقع میں وہ کوئی عارضی روک نہ ہوگی، بلکہ درحقیقت وہ ایک علامت ملک کے تنزل کی سمجھنی چاہیئے۔"

اس تمہید کے بعد اُنھوں نے اصلاح طلب امور پر تفصیل سے بحث کی ہے، جس کا ماحصل نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) چونکہ اب مجلس مالگزاری (بورڈ آف ریونیو) قایم ہو چکی ہے اور صدر المہام مال گزاری کے اکثر اختیارات اس کو منتقل ہو چکے ہیں لہٰذا صدر المہام کے اختیارات، طریق عمل، اور مدار المہام سے اُس کے تعلقات کی نوعیت کے متعلق فیصلہ کیا جائے، نیز اس دستور العمل کو مکمل کیا جائے جس کی ترتیب ہر صیغہ کے صدر المہام اور مدار المہام کے تعلقات کو متعین کرنے کی غرض سے شروع ہو چکی تھی۔

(۲) مجلس عالیہ عدالت کو ایک مکمل ہائی کورٹ کی قوت دینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا اور چند قابل اشخاص نے جن میں صدر المہام عدالت اور بعض اراکین مجلس عالیہ بھی شامل تھے اس کا دستور العمل مرتب کر لیا تھا لہٰذا صدر المہام عدالت کے اختیارات کا فیصلہ بھی ضروری ہے جن کے اختیارات کا اکثر حصہ مجلس عالیہ کو منتقل ہو چکا ہے۔

(۳) اس کے بعد اسی سلسلہ میں عدالت کے موجودہ طریق انتظام پر مفصل بحث کر کے مجلس عالیہ (ہائی کورٹ) کے محدود الاختیار ہونے کی مضرت بیان کی ہے، مثلاً مجلس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی مقدمہ کو ایک ماتحت محکمہ سے دوسرے ماتحت محکمہ میں منتقل کر سکے اس کے بعد اضافہ اختیارات کی ضرورت پر بحث کر کے یہ صلاح دی ہے کہ علاوہ جوڈیشل اختیارات کے اگزیکٹیو حصہ بھی جس قدر کہ ایک ہائی کورٹ کی شان کے مناسب ہے، مجلس سے متعلق کر دیا جائے۔

(۴) بعد ازاں اُنھوں نے مجلس عالیہ کے عہدہ میر مجلس اور ارکان کی تعداد اور تنخواہوں کی مقدار پر بحث کی ہے، اور اعلیٰ عہدہ داروں کو مقرر کر کے مجلس کی حیثیت کو ترقی دینے کا مشورہ دیا ہے۔

(۵) انتظام عدالت کے سلسلہ میں اُنھوں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مال اور فوجداری کے

حکام سے دیوانی کا کام علیحدہ کر لیا جائے۔

(۶) پولیس کے انتظام پر بحث کر کے انتظام کا جدید طریقہ بیان کیا ہے۔

(۷) اس کے بعد اُنھوں نے ایک ایسی تجویز پیش کی ہے، جو اُن کی انصاف طبیعت کا خاص حصہ اور فراخ حوصلگی کا ثبوت ہے، یعنی ریاست کی رعایا کو ملکی خدمات کے لیئے تیار کرنا، اور کام کا تجربہ حاصل کرنے کے لیئے اُمیدواروں کو سرکاری مصارف پر انگریزی علاقہ میں بھیجنا۔ اس تجویز کے آخر میں وہ نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ امیدواروں کے انتخاب کے لئے مرحوم نے ایک مجلس قایم کی تھی جس کی رکنیت کا اعزاز محکو بھی حاصل تھا لیکن جس جمعہ کو مرحوم کے آئینہ خانہ میں اس مجلس کا پہلا اجلاس منعقد ہونے کو تھا ملک کی بدقسمتی سے اسی روز مرحوم کا جنازہ اُٹھایا گیا۔

مذکورۂ بالا اصلاحات پر بحث کرنے کے بعد اُنھوں نے نہایت مدلّل اور پرزور طریقہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حیدرآباد میں آئندہ جو گورنمنٹ قایم ہو وہ ایسی گورنمنٹ ہونی چاہیئے جو گزشتہ گورنمنٹ کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتی ہو، اور ملک کو بھی اس پر پورا اعتبار ہو اور اس اُصول کے تحت اُنھوں نے یہ صلاح دی ہے کہ مدار المہام مرحوم کے فرزند اس گورنمنٹ میں شریک کیئے جائیں جو اپنی قابلیت موروثی استحقاق، اور حیدرآباد کی پبلک کے اعتماد اور اُمید کے مطابق بخوبی اسکے اہل ہیں، اس بنا پر اُنھوں نے یہ تجویز کی ہے کہ نواب مرحوم کے فرزند اکبر نواب میر لائق علی خان بہادر قایم مقام مدار المہام مقرر کیئے جائیں اور چند اُمرائے سلطنت جو اپنے مرتبہ اور تجربہ کے لحاظ سے اس بڑی ذمہ داری کے لایق ہوں، اور گزشتہ گورنمنٹ کے کام اور انتظام سے ہمدردی رکھتے ہوں مدار المہام کے ساتھ اُس زمانہ تک کے لیئے شریک کیئے جائیں جب کہ اعلیٰ حضرت عنانِ حکومت خود اپنے ہاتھ میں لیں، اس تجویز کے سلسلہ میں اُنھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ جدید مدار المہام کے کام کا طریقہ اور اختیارات کی نوعیت کیا ہوگی تاکہ اُن کی کمسنی اور ناتجربہ کاری سے کوئی دشواری نہ واقع ہو۔

نواب مرحوم کے دوسرے فرزند نواب سعادت علی خاں کے لیئے اُنھوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ اُن کو نواب مکرم الدولہ کے بجائے (جو اپنی طویل علالت کی وجہ سے کام کرنے سے قاصر ہیں) صدر المہام مال گزاری کے عہدہ پر مقرر کیا جائے، اس موقع پر وہ اس بدگمانی کا بھی رد کرتے ہیں کہ ایک خاندان کو سلطنت کے اس قدر اختیارات دے دینا کہاں تک مناسب ہوگا؟ وہ کہتے ہیں کہ جس حالت میں پریم منسٹر کی ایک پوری اور آزاد قوت اور صدر المہام مال گزاری کی پوری قوت مع بہت سے وسیع اقتدارات کے مرحوم کے خاندان میں تھی تو مجوزہ صورت میں ان عہدوں کا نہایت محدود حالت اور بہت سی شرکتوں اور نگرانیوں میں ایک خاندان میں رہنا کسی طرح قابل توجہ امر نہیں ہے، اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے یہ اُمید بھی ظاہر کی ہے کہ کچھ مدت بعد نواب مرحوم کے دونوں فرزند نہایت قابل اور ہوشیار ثابت ہونگے، آخر میں وہ اپنی یادداشت کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں :-

"میں پھر اس بات کو بیان کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ نواب مدار المہام کے فرزندوں کی یہ سرافرازی علی العموم ملک کے لیئے خوشی اور اطمینان کا موجب ہوگی اور تمام ملک برٹش گورنمنٹ کا بدل ممنون اور اس کے انصاف کا بدل معترف ہوگا، اور اس کے ذریعہ سے برٹش گورنمنٹ ایک ایسی گورنمنٹ قایم کرنے پر قادر ہوسکیگی جو خواہ بلحاظ اس ریاست کے قدیم آئین اور رواج خواہ بلحاظ ملک کی موجودہ حالت اور اہل ملک کی عام طبائع کے، اور خواہ بلحاظ ان ضرورتوں کے جن کا آیندہ گورنمنٹ کو انجام دینا ناگزیر ہے، ہر ایک گورنمنٹ سے جس پر اس وقت خیال اور ذہن منتقل ہوسکتا ہے بہتر ہوگی"

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس یادداشت کا کیا انجام ہوا؟ البتہ سر سالار جنگ کے بعد جو جدید انتظامات ہوئے اُن کی تفصیل واقعات کے سلسلہ سے معلوم ہوگی۔

جدید انتظام چونکہ ابھی تک عنانِ حکومت اعلیٰحضرت کے ہاتھ میں نہ تھی، اس لیئے گورنمنٹ ہند کو سر سالار جنگ کی وفات کے بعد از سر نو کسی خاص انتظام کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ لارڈ رپن نے سر اسٹوارٹ

بیلی ممبر سپریم کونسل گورنمنٹ ہند کو جو اس سے پہلے حیدرآباد کے رزیڈنٹ رہ چکے تھے حیدرآباد روانہ کیا تاکہ وہ رزیڈنٹ سے مشورہ کر کے موجودہ حالت کے مطابق کوئی مناسب انتظام کریں چنانچہ انھوں نے حیدرآباد آکر تمام معاملات پر غور کیا، اور اُن کی تجویز کے مطابق لارڈ رپن کی گورنمنٹ نے اعلیحضرت کی تخت نشینی کے زمانہ تک کے لیئے ایک کونسل آف ریجنسی قایم کی، جس کے صدر خود اعلیٰ حضرت اور اراکین، نواب لائق علی خاں بہادر (فرزند اکبر سر سالار جنگ) راجہ نریندر پرشاد، نواب شمس الامرا خورشید جاہ اور نواب بشیر الدولہ مقرر کیئے گئے۔ اوّل الذکر دو رکن بطور مدار المہام تجویز ہوئے جن کی رائے اور تجویز سے احکام جاری ہونگے۔ کوئی ایک شخص کامل الاختیار مدار المہام نہیں تھا۔ مگر سر اسٹوارٹ نے یہ اُمید ظاہر کی کہ میر لائق علی خاں اس زمانہ میں اپنے کو مدار المہامی کے عہدہ کے لائق ثابت کرینگے، تاکہ اعلیٰ حضرت بروقت مسند نشینی اُن کی کارگزاری اور اُن کے پدر بزرگوار کی قیمتی خدمات کے صلہ میں اُن کو خلعتِ وزارت مرحمت فرمائیں۔ اس تجویز میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ارکان اپنی مجموعی رائے سے اعلیٰ حضرت اور رزیڈنٹ کو مطلع کیا کریں، نیز یہ ہدایت کی گئی کہ اگر نواب بشیر الدولہ بہادر کونسل کی رکنیت قبول کریں تو عہدہ صدر المہامی سے استعفا دے دیں۔ غرض ۲۲ فروری ۱۸۸۳ء سے اس انتظام کا اعلان کیا گیا۔

مندرجہ بالا تجویز کے مطابق کونسل قایم ہو گئی، لیکن یہ انتظام کامیاب نہ رہا۔ ملک میں عام طور پر ابتری پھیلی ہوئی تھی، اراکین کونسل میں اتحادِ عمل نہ تھا، راجہ نریندر پرشاد (پیشکار) کا اثر زیادہ تھا اور نواب لائق علی خاں حتی الامکان علیحدہ رکھے جاتے تھے۔ رزیڈنٹ کی مداخلت روز افزوں اور غیر محدود تھی، اور اس کا کوئی علاج نہ تھا، باہمی ناچاقی اور شخصی اغراض کا جذبہ ہمیشہ بیرونی مداخلت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ غرض ایک سال تک یہ بد نظمی قایم رہی اور مولوی مشتاق حسین جن اصلاحات کے متمنی تھے اُن کا نفاذ نہ ہو سکا۔ البتہ یہ امر قریباً متیقن ہو چکا تھا کہ اعلیحضرت کی مسند نشینی کے موقع پر نواب لائق علی خاں خدمت مدار المہامی پر سرفراز ہونگے۔

مولوی مشتاق حسین اس انقلاب کے زمانہ میں بھی بدستور اپنے معزز عہدے معتمدی عدالت

اور کوتوالی پر کام کرتے رہے، البتہ رجب سنہ ۱۳۰۱ھ میں سرسالار جنگ مرحوم کی ایک پرانی تجویز کے مطابق صیغہ کوتوالی اُن سے علیحدہ کر کے سردار دلیر جنگ کے متعلق کیا گیا، اس لیئے اب اُن کے عہدہ کا نام معتمد علاقہ عدالت قرار پایا، چند روز بعد سنہ ۱۳۰۱ھ میں نواب بشیر الدولہ نے بوجہ رکنیت کونسل عہدہ صدر المہامی سے استعفا دیدیا تو اُن کا محکمہ بھی ٹوٹ کر معتمد علاقہ عدالت کے محکمہ میں ضم ہوگیا۔

ایک دوسری تجویز — جدید حالات اور مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے متأثر ہو کر مولوی مشتاق حسین نے اسی زمانہ میں ایک دوسری تجویز پیش کی کہ دو کونسلیں ایک حضوری اور دوسری دیوانی کے نام سے قایم کی جائیں اول الذکر اُمرائے بلدہ سے مرکب ہو، اور دوسری معتمدین اور اعلیٰ عہدہ داروں سے، اس تجویز کا مقصد اُن کے الفاظ میں یہ تھا کہ:۔

"پہلی کونسل اس بات کی ضمانت ہوگی کہ حضور کی کم عمری ملک کے لیئے کچھ مضر نہوگی اور دوسری ایک ضمانت اس بات کی ہوگی کہ مدار المہام کی کمسنی انتظام کے لیئے مضر نہ ہوگی"

اُنھوں نے اس تجویز کا تذکرہ بعض بہی خواہ عہدہ داران ریاست سے بھی کیا تھا، جن میں اعلیٰحضرت کے لائق اُستاد کپتان کلارک بھی شامل ہیں، اُن کا خیال تھا کہ جب اعلیٰحضرت اور نواب میر لائق علی خاں، لارڈ رپن کی ملاقات کے لیئے کلکتہ جائیں تو اپنی طرف سے آیندہ انتظامات کے متعلق ایک مختصر اسکیم اس اصول کے مطابق پیش کریں لیکن یہ تجویز بعض ارکان ریاست کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہو سکی، بلکہ اس کی وجہ سے بعض اقتدار پسند عہدہ داراُن سے ناراض ہو گئے، جس کا تذکرہ مناسب موقع پر آئیگا۔

حیدر آباد کا دورِ جدید

اعلیٰ حضرت کا سفر کلکتہ اور تخت نشینی، سالار جنگ ثانی کا دورِ حکومت، انتظامی تغیرات

آخر دسمبر ۱۸۸۳ء میں اعلیٰ حضرت نے کلکتہ کا سفر کیا۔ علاوہ نواب میر لائق علی خاں کے متعدد اُمراء و اعیانِ سلطنت ہم رکاب تھے۔ لارڈ رپن سے ملاقات ہوئی اور کلکتہ میں عام طور پر نہایت گرم جوشی کا اظہار کیا گیا، اور تخت نشینی کے متعلق جملہ مراتب طے ہو گئے، جس کی اطلاع رزیڈنٹ نے کلکتہ سے بذریعہ تار نواب بشیر الدولہ کو دی، اور انھوں نے ۲۰ صفر ۱۳۰۱ھ کو جریدہ اعلامیہ کے ذریعہ سے تمام ملک میں اعلان شائع کر دیا۔

یہ طے ہو گیا تھا کہ لارڈ رپن خود حیدر آباد آکر اس مبارک رسم کو ادا کرینگے، چنانچہ لارڈ رپن سب سے پہلے وائسرائے ہیں جو حیدر آباد آئے، جہاں شاندار طریقہ پر آپ کا استقبال کیا گیا، اور ۵ فروری ۱۸۸۴ء (۷ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ) کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دربار منعقد ہوا اور لارڈ رپن کی ایک پُر معنیٰ اور حوصلہ افزا تقریر کے بعد اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی کا اعلان کیا گیا، اور دربار بخیر و خوبی ختم ہوا۔

تقرر مدار المہام جدید اسی روز سہ پہر کو اعلیٰ حضرت نے نواب میر لائق علی خاں کو خلعت خاصہ ہفت قم اور منصب وزارت سے سرفراز فرمایا اور سالار جنگ، منیر الدولہ کا خطاب عطا کیا، اور انھوں نے ۱۲ ربیع الثانی کو اپنے جلیل القدر عہدہ کا جائزہ لیا، نیز اعلیٰ حضرت نظام اور مدار المہام نے غیر معمولی اعلانات کے ذریعہ سے رعایا اور حکام کو آئندہ طرز حکومت کی عمدگی کے متعلق اطمینان دلایا۔ نوجوان مدار المہام پورے اختیارات کے ساتھ مہمات سلطنت میں مشغول ہو گئے اور مولوی مہدی علی خاں کو انھوں نے اپنا مشیر بنایا۔ نیز ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کو ایک اعلان کے ذریعہ سے آئندہ

انتظامات کے متعلق ایک مفصل اسکیم شائع کی۔

رکنیت مجلس مال گزاری سالار جنگ ثانی کے عہد مدار المہامی پر ابھی صرف تین ہفتہ کا زمانہ گزرا تھا کہ مولوی مشتاق حسین بجائے مولوی نذیر احمد دہلوی کے رکن مجلس مال گزاری (بورڈ آف ریونیو) مقرر کیئے گئے اور ۲ر جمادی الاول ۱۳۰۱ھ کو انھوں نے اپنے جدید عہدہ کا جائزہ مولوی نذیر احمد سے لیا۔ علاوہ مولوی مشتاق حسین کے اس مجلس کے دو رکن اور بھی تھے۔

مجلس مال گزاری ذیحجہ ۱۲۹۹ھ میں سر سالار جنگ کی وفات سے چند ماہ قبل قایم ہو چکی تھی سر سالار جنگ اول نے اس کے قیام کا حسب ذیل الفاظ میں اعلان کیا تھا۔

"بجہت انتظام امورات مال گزاری مجلسے جداگانہ کہ از چند ارکان مرکب واز تمام محکمہ جات مال بالاتر خواہد بود بلقب مجلس مال گزاری سرکار عالی مقرر شدہ وانتظام امور مال گزاری ونگرانی محکمہ جات مال وتقرر وتبدل وانتخاب بعض افسران بحیطۂ اختیار آں مجلس دادہ شود"

غرض اس مجلس کے ماتحت مختلف صیغے اور محکمے تھے لیکن مجلس کا بڑا کام، تمام ممالک محروسہ کا انتظام اراضی، انضباط قواعد مال گزاری و آبکاری اور متعلقات مال تھا، چنانچہ پہلی سہ ماہی میں مجلس کی توجہ مال گزاری کی ترقی رعایا کی فلاح اور جدید تجاویز واصلاحات پر مبذول تھی مگر مدار المہام کی وفات کے بعد راجہ نرندر پرشاد کے عہد میں مجلس کا کام ابتر ہو گیا، جیسا کہ خود ارکان مجلس نے اپنی ایک یادداشت موسومہ سالار جنگ ثانی میں لکھا ہے۔ لیکن جدید مدار المہام نے سب سے پہلے اس طرف توجہ کی اور غالباً مولوی مہدی علی خاں کی تحریک سے (جو بعض مصالح کے لحاظ سے مولوی مشتاق حسین کو مجلس میں داخل کرانا چاہتے تھے) اُن کو رکن مال گزاری کے عہدہ پر مقرر کیا۔ اگرچہ آخر میں اس مجلس کے معاملات کے سلسلہ میں اُن سے سخت اختلاف پیدا ہو گیا جس کا ذکر مناسب موقع پر آئیگا۔

مولوی مشتاق حسین کا دورہ مجلس مال گزاری کا رکن مقرر ہونے کے بعد مولوی مشتاق حسین نے ملک

کی عام حالت کا بچشم خود معائنہ کرنے اور صحیح واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے تلنگانہ کے دورہ کا عزم کیا۔ اگرچہ موسم دورہ کے لئے ناموزوں اور تکلیف دہ تھا لیکن انھوں نے مشکلات کا مطلق لحاظ نہ کیا اور دورہ کے لئے تیار ہو گئے۔

۹ رجب ۱۳۰۱ھ (۲۹ خورداد ۱۲۹۳ف) کو دورہ پر روانہ ہوئے اور ۸ رمضان (۲۳ امرداد) کو واپس آئے اس ۵۸ دن (قریباً دو ماہ) کے دورہ میں انھوں نے ۵۵ دن اضلاع ناگرکرنول اور نلگنڈہ میں اور ۳ دن ضلع اطراف بلدہ کے علاقہ میں صرف کئے اس دورہ میں ان کو ۳۱ مقام اور ۲۷ کوچ کرنے پڑے کل مسافت دورہ کی ۳۵۸ میل ہوئی گویا ۱۳ میل یومیہ کا اوسط رہا، اس میں وہ مسافت شامل نہیں جو قیام کی حالت میں مختلف تالابوں وغیرہ کے دیکھنے میں طے ہوئی۔

۹ تعلقات کے مستقر پر ان کا گزر ہوا جہاں انھوں نے مختلف کارروائیوں اور بعض دفاتر کو دیکھا، بعض اضلاع میں حسابات سررشتہ انعام اور آبپاشی کے کاموں کا معائنہ کیا، ۱۷ دیہات کے کاغذات ملاحظہ کئے اور ۳۳۶ اسامیوں کے کاغذات دیکھ کر ان کے ذمہ جو مطالبہ تھا اس کی اور وصول باقی کی تصدیق کی۔ اکثر حالتوں میں حسابات کو صحیح اور قابل اطمینان پایا، جہاں کوئی بے ضابطہ کارروائی ان کی نظر سے گزری اس پر فوراً توجہ کر کے معقول تدارک کیا، اور جرمانہ یا موقوفی کی سزائیں دیں، دو ماہ کے دورہ اور تحقیقات کے بعد ان کو اس کا اطمینان ہو گیا کہ جس حصہ ملک میں انھوں نے دورہ کیا ہے، وہاں مال گزاری کا انتظام اس امر خاص میں کہ جسقدر روپیہ اسامیوں سے وصول ہوتا ہے وہ سرکار میں داخل ہو جاتا ہے۔ قابل اطمینان ہے۔

دورہ میں زیادہ تر کرنے امور پر توجہ کی گئی

مولوی مشتاق حسین کو دورہ کے لیے بہت کم وقت ملا تھا اور کام زیادہ تھا، لہٰذا انھوں نے دفتری تنقیحات اور خفیف امور میں بہت کم اپنا وقت صرف کیا اور یہ کام زیادہ تر اپنے عملہ پر چھوڑ دیا اور ان کی کیفیت کے ملاحظہ کے بعد مناسب احکام جاری کئے جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ میں اس میں اپنی کوئی خاص کارگزاری نہیں سمجھتا۔ لیکن

حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے ان خفیف اُمور کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کیا بلکہ دفاتر کے معائنہ کے سلسلہ میں اکثر کاغذات دیکھے اور ان پر طویل یادداشتیں اور احکام اپنے قلم سے لکھے مگر جیسا کہ خود وہ لکھتے ہیں، دورہ میں ان کی توجہ زیادہ تر حسب ذیل اُمور کی طرف تھی۔

(۱) اوّل وہ اُمور جو رعایا کے حق میں تکلیف دہ تھے۔

(۲) دوم جو سرکار کے لئے نقصان رساں تھے۔

(۳) سوم سرکاری عہدہ دار اپنی خدمات کے انجام دینے کی کہاں تک قابلیت رکھتے ہیں؟ اُن کو اپنے کام میں کیا کیا مشکلات اور دشواریاں لاحق ہوتی ہیں؟ اُن کی عام طور کی نیک نامی یا بدنامی اور اُن کا حسن سلوک رعایا کے ساتھ۔

رعایا سے ملاقات اور تحقیقات کا طریقہ

مذکورۂ بالا اُمور کی تحقیقات اور تمام مطالب پر حاوی ہونے کے لئے اُنھوں نے جو طریقہ اختیار کیا اُس کا بیان انہی کے الفاظ میں مناسب ہوگا وہ لکھتے ہیں:۔

"جہاں ہیں گیا میں نے وہاں کی رعایا سے دو گروہوں میں ملاقات کی ایک گروہ میں مزارعین، دیسمکھیوں، دیسپانڈیوں، اور پٹیل اور پٹواریوں اور دوسرے تمام وطن داروں اور ایسے لوگوں کو شامل کرتا تھا جو زمین سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے گروہ میں وہاں کے عام باشندوں کو جن میں اشخاص تجارت پیشہ اور مہاجن وساہوکار اور دیگر پیشہ ور اور وہاں کے معززین شامل ہوتے تھے کسی سرکاری ملازم کو یہاں تک کہ ایک چپراسی کو بھی میں نے یہ موقع نہیں دیا کہ اُن جلسوں میں حاضر رہ سکے"

مترجم کی جب ضرورت پڑی انہی لوگوں میں سے کوئی ترجمان کا کام دیتا تھا میں نے ہر ایک شخص کو یہ موقع دیا تھا کہ جو کچھ وہ مجھ سے تخلیہ میں کہنا چاہے بے تکلف کہہ سکے، شروع شروع میں میں نے دیکھا کہ لوگ بہت متوحش اور محتاط ہیں اور جب اُن سے دریافت

کیا کہ تم کو کسی قسم کی تکلیف یا کوئی شکایت ہے؟ تو علی العموم اُن کا جواب یہی ہوتا تھا
کہ ہم سب خوش ہیں، سب راضی ہیں، سرکار کا انتظام بہت درست ہے، ہم کو کسی قسم
کی کوئی تکلیف اور کوئی شکایت نہیں ہے۔ لیکن جب اُن کے ساتھ زیادہ خلا ملا اور
اُن کی بعض قسم کی تکلیفوں کا خود اپنی طرف سے ذکر اور اُس پر افسوس کیا گیا
اور اُن کے ذہن نشین کر دیا گیا کہ نواب مدار المہام سرکار عالی نے مجکو خاص اسی لیے
بھیجا ہے کہ جو کچھ دُکھ درد رعایا کو ہے، اُس کو رفع کرنے کا بندوبست کیا جاسے تو
پھر تو اُنھوں نے اپنی تکلیفوں اور شکایتوں کے اسقدر دفتر کے دفتر کھول دیئے
کہ اُن کی یادداشتیں لکھنا اور اُن پر غور کرنا اور اُن کی حقیقت اور علت کو
دریافت کرنا اور اُن کے رفع کرنے کی تجویزیں سوچنا خود ایک بہت بڑا کام
ہو گیا جس کو میں نے بھی اپنے دورہ کا سب سے اعلیٰ مقصد قرار دیا، اور چونکہ جا بجا
اسی قسم کی صحبتیں واقع ہوئیں اور اسی قسم کی گفتگوئیں پیش آئیں، اور ہر جگہ تکلیفوں
اور شکایتوں کی اکثر ایک سی شان پائی گئی اور ایک ہی سی آواز کان میں آئی تو
جن باتوں کی طرف سے اول اول ظن پیدا ہوتا تھا، آخر آخر وہ یقین کے درجہ کو
پہونچنے لگیں، اور میں اس قابل ہوا کہ اطمینان کے ساتھ اُن اُمور پر رائے قایم
کرسکوں جو رعایا کی راحت اور تکلیف سے متعلق ہیں۔"

مندرجہ بالا الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولوی مشتاق حسین کو رعایا کے مصائب و
مشکلات کا کس قدر خیال تھا اور وہ اپنے فرایض کو کیسے صحیح طریقہ سے ادا کرنا چاہتے تھے
لیکن اس کے ساتھ ہی وہ سرکاری ملازمین کے خیالات اور اُن کی مشکلات سے بھی واقف
ہونا چاہتے تھے، اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے جس سے اُن کی مشکلات
میں اضافہ ہو یا اُن کے وقار کو صدمہ پہونچے۔

سرکاری ملازمین کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کیا

"دوسری طرف میں نے اپنے طرزِ کارروائی

سے سرکاری عہدہ داران اور ملازموں پر یہ بات ثابت کردی کہ میرا یہ دورہ سرکاری
ملازموں کے لیے کوئی مہلک یا خطرناک دورہ نہیں، بلکہ اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ
جن مشکلات میں وہ مبتلا ہیں جہاں تک ممکن ہو اُن کو رفع کیا جاوے یا کم سے کم یہ کہ
جہاں تک ہو سکیگا اُن کو کم کیا جاویگا اُن کے عہدوں کی عزت کی حفاظت ہوگی
اور اُن کے واجبی حقوق محفوظ رکھے جاوینگے، جن پر میں نے دیکھا کہ اکثر صدمہ
پہنچ جاتا ہے، بالخصوص جب کہ ہماری تمام تر توجہ اس طرف مصروف ہے کہ سب لوگ
اپنا کام محنت اور دیانت سے انجام دیں تو میں نے اُن حقوق پر اور خدمات کے اُن
معاوضوں پر سیر چشمی سے نظر رکھی جن پر سرکاری عہدہ داروں کی فلاح اور اُن کی راحت
اور اُن کا اطمینان بہت کچھ منحصر ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر سب نہیں تو ایک بڑا حصہ
کاموں کی مشکلات اور ابتریوں اور اُن کے خراب نتائج کا خود اُن عہدہ داروں نے
بغیر اندیشہ کسی مواخذہ کے میرے سامنے پیش کردیا جو اطلاعیں اس طرح پر مجکو
حاصل ہوئیں اُن سے رعایا کی اکثر شکایتوں کی تصدیق ہوئی اور اس میں سرکاری
عہدہ داروں کی کارروائی کو زیادہ دخل نہ تھا کیونکہ بعض قواعد و ضوابط موجودہ
خود ایسے تھے جن سے رعایا کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچتی ہے۔"

حصول تعلقات اور تحقیقات کا صحیح طریقہ یہی تھا جو مولوی مشتاق حسین نے اختیار کیا۔ اس
طرز عمل سے اُن کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہ اپنے دورہ کے زمانہ میں تمام جزئیات پر حاوی ہو سکے
اور اندرونی خرابیوں سے واقف ہو کر اُن کی اصلاح کے لیئے سعی کر سکے۔

تلنگانہ کے طریقہ مالگزاری پر بحث

سب سے پہلے اُنھوں نے اپنی رپورٹ میں تلنگانہ کے طریقہ تشخیص محاصل پر بحث
کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ سرکار جو کاشتکاروں سے زمین کا محصول لیتی ہے وہ نہ تو
قابل اطمینان حالت میں ہے اور نہ کسی صحیح اصول پر مبنی ہے۔ اِس کے بعد اُن اصلاحات کو پیش کیا
ہے جن سے رعایا کی خوشحالی، ملک کی سرسبزی، زراعت کی توفیر اور آبادی کی ترقی متصور ہے۔

اس سلسلہ میں اُنھوں نے سب سے پہلے انتظام مال گزاری پر تاریخی حیثیت سے تبصرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ۱۲۶۴ف سے پہلے نقد محصول لینے کا رواج نہ تھا، سر سالار جنگ نے اپنے زمانہ میں دیگر اصلاحات کے سلسلہ میں اس طرف بھی توجہ کی اور بٹائی کے طریقہ کو موقوف کرکے یہ حکم دیا کہ رعیت سے بلحاظ حیثیت پیداوار اراضی مزروعہ کے نقد محصول لیا جائے، نیز یہ کہ اراضی کی حیثیت دریافت کرنے اور اُس کے مطابق جمع تشخیص کرنے کے واسطے گزشتہ دس سال کی پیداوار سے ایک صحیح اندازہ کیا جائے، لیکن مختلف اسباب سے (جن کو رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے) گزشتہ دس سال کی پیداوار کے معلوم کرنے کے متعلق کوئی صحیح اور قابل اعتماد ذریعہ نہ تھا، اِس کے علاوہ چونکہ اس کام میں خاص طور پر عجلت کی گئی تھی یعنے عہدہ داروں نے ۱۲۷۳ف سے ۱۲۷۵ف (اسی سنہ میں ضلع بندی ہوئی تھی) تک تمام ممالک محروسہ میں اس کارروائی کو مکمل کر دیا تھا اس لیئے متعدد خرابیاں باقی رہ گئیں۔

تشخیص جمع کی خرابیاں اس عاجلانہ طریق عمل نے جو خرابیاں پیدا کردیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جو عہدے دار تشخیص جمع کے لیے مامور ہوئے تھے اُنھوں نے یہ کام زیادہ تر پٹیلوں اور پٹواریوں پر چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے سربستہ داریوں اور اجاروں کے علاقوں میں اپنے تخمینہ سے جمع کو موضع وار تقسیم کیا اور جہاں غلہ وصول کرنے کا طریقہ تھا، وہاں جس قدر غلہ وصول ہوتا تھا اس کی قیمت تجویز کرکے ایک دہ سالہ اوسط سالم موضع کے لیئے نکال کر اس کو بلحاظ قسم اور تعداد اراضی مزروعہ اسامی وار تقسیم کر دیا، اور اُس کے بعد اسامی کے ہر ایک کھیت پر علیٰ قدر کمیت و کیفیت پھیلا کر فی بگھ محصول قایم کر دیا، ہر ایک مقبوضہ زمین کی نہ تو پیمایش ہوئی نہ بلحاظ حیثیت زمین کے مدارج قایم کیئے گئے۔

(۲) اکثر پٹیلوں اور پٹواریوں کے ذاتی اغراض اس انتظام سے متعلق تھے، اس لیئے یہ امر مشتبہ ہے کہ جو انتظام اس زمانہ میں کیا گیا، وہ کہاں تک ان اثرات سے پاک تھا۔

(۳) جب مذکورۂ بالا محصول تجویز کیا گیا اُس وقت غلہ کا نرخ گراں تھا، واجب الوصول

غلّہ کی قیمت اسی گراں نرخ کے لحاظ سے تجویز کر کے نقد محصول مقرر کر دیا گیا لیکن جب غلّہ ارزاں ہو گیا، تو اس تشخیص پر نظر ثانی نہیں کی گئی اور مزارعین اسی سنگین اور غیر معتدل محصول میں مبتلا رہے۔

(۴) مختلف اوقات میں جریب اور گز مختلف قسم کے تھے اس لیئے پیمائش کی صحت کے متعلق اطمینان نہیں کیا جا سکتا لیکن عمّال نے اپنی حُسن کارگزاری کے طور پر دوبارہ زمین کی پیمائش کر کے اضافہ ثابت کیا اور محصول بڑھایا مثلاً ایک موضع میں ۱۶ ہاتھ کی جریب مستعمل تھی جس سے زمین کی پیمائش ہوئی تھی، دوبارہ سنہ ۱۲۸۱ھ میں ۱۲ ہاتھ کی جریب سے پیمائش کر کے زمین کا اضافہ ثابت کیا گیا اور محصول بڑھایا گیا اس طریقہ سے جابجا اضافہ پیمائش کے نام سے جمع میں جو اضافہ ہوا وہ ظلم پر مبنی تھا جو رعایا کی تباہی کا باعث ہوا۔

(۵) سنہ ۱۲۸۴ف د سنہ ۱۲۹۲ھ میں صدر المہام مال گزاری نے بذریعہ ایک حکم کے اضافہ پیمائش کو روکا اور یہ تجویز کیا کہ تا وقتے کہ پختہ پیمائش نہو کھیتوں کی سالانہ پیمائش کا طریقہ موقوف کر دیا جائے لیکن اس سے بھی رعایا کو کچھ فائدہ نہیں ہوا، کیونکہ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں

"امتناع پیمائش کی اس مضبوط دیوار میں جس سے رعایا کے جان و مال کی بہت کچھ حفاظت ہو سکتی تھی غلطی سے ایک دریچہ باقی رہ گیا، یعنی گشتی میں ایک اجازت یہ بھی تھی کہ "اگر کسی سبب سے کسی کھیت میں زیادتی بگھاؤں کا گمان پایا جاوے تو البتہ پیمائش مناسب ہے"۔ یہ ایک ایسا فراخ دریچہ تھا کہ ہر سال اس میں سے جمع بندی کے دنوں میں چوروں اور لُٹیروں کے گروہ کے گروہ داخل ہوئے اور رعایا کو لوٹ کھسوٹ کر چلتے ہوئے"

اُن کا بیان ہے کہ جہاں جہاں دوبارہ پیمائش ہوئی دو چند سہ چند چہار چند بلکہ اس سے بھی زیادہ اضافہ نکلا اور بعض دیہات میں برابر نکلتا چلا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

"جب یہ حال ہے تو ایک چالاک کارکن جمع بندی اور ایک طمّاع پٹواری اور ایک ناراض پٹیل یہ کہہ کر کہ ہم کو کھیت میں زیادتی بگھاؤں کا گمان ہے ایک غریب رعیت کو

ہر طرح ستایا اور اُس کو لوٹ سکتا ہے۔ مجکو اپنے دورہ میں اچھی طرح یقین ہو گیا کہ اس دھمکی سے ہمیشہ رعایا لوٹی جاتی ہے اگر دھمکی کے ساتھ نذرانہ داخل نہیں ہوتا تو پیمایش کے بعد جمع کا اضافہ ایک یقینی امر ہے۔"

جدید بندوبست کی ضرورت مذکورۂ بالا مشکلات کو نہایت تفصیل و وضاحت سے بیان کرنے کے بعد اُنھوں نے یہ رائے دی ہے کہ جدید بندوبست ہونا چاہیئے لیکن اُن کا خیال ہے کہ :۔

(۱) تلنگانہ میں ابھی علمی پیمایش اور لاکھوں پونڈ صرف کر کے بال کی کھال نکالنے کا وقت نہیں آیا، آج تو اس بات کی ضرورت ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ایک سرسری بندوبست کسی معتدل میعاد کے واسطے بالکل سادہ اور آسان اُصولوں پر کر دیا جائے، زمین کی پیمایش زنجیر کے ذریعہ سے بصحت عمل میں آجائے ہر ایک کھیت کا نظری نقشہ کھینچ کر اس سے تمام موضع کا ایک نقشہ کشتوار بنا لیا جائے، نقشہ اور رجسٹر پیمایش میں کھیتوں کے سلسلہ وار نشان قایم ہو جائیں۔

(۲) زمین کی حیثیت پیداوار مختلف قابل اعتماد طریقوں سے دریافت کر کے اس کے لحاظ سے زمین کو مختلف درجوں میں اِس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ باہم اُن درجوں میں ایک معین نسبت پائی جائے، اس کے بعد بلحاظ زمین کی حیثیت کے ایک معتدل محصول تجویز کر دیا جائے۔

(۳) اگر پورا اہتمام کیا جائے تو سرسری بندوبست تلنگانہ میں پانچ برس کے عرصہ میں ختم ہو سکتا ہے برخلاف اس کے اگر پختہ بندوبست کا انتظار کیا جائے تو جو چند صورتیں کاشتکاروں کی اس وقت تلنگانہ میں دکھلائی دیتی ہیں اُن میں سے اکثر اس وقت تک دنیا سے رخصت ہو چکی ہونگی

اس کے علاوہ اُنھوں نے یہ بھی بدلائل ثابت کیا ہے کہ پختہ بندوبست جس طرح مرہٹواڑی میں ممکن ہے، تلنگانہ میں باوجود کثیر مصارف بہ آسانی ممکن نہیں اس بنا پر اُنھوں نے اپنی رپورٹ میں اُن تدابیر کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے جن سے بغیر انتظار پختہ بندوبست

کے اکثر خرابیاں رفع ہو سکتی ہیں۔

رعایا کا ایک خاص گروہ — مذکورۂ بالا امور پر بحث کرنے کے بعد اُنھوں نے زراعت پیشہ طبقہ کی عام حالت اور مشکلات پر ایک نظر ڈالی ہے اور تمام جزئیات کا استقصا کر کے اُن کی مشکلات کو ایک ایک کر کے بیان کیا ہے! ور اُن کو دور کرنے کی شدید ضرورت ظاہر کی ہے۔ رعایا کی مشکلات کا اُن کو اس قدر لحاظ تھا کہ دورہ کی باقاعدہ رپورٹ مرتب کرنے سے پہلے ہی اُنھوں نے مفصل یادداشتیں اُن اُمور کے متعلق مدار المہام کو روانہ کیں اور صاف طور پر لکھا کہ :-

"سب سے مقدم کام اس وقت ہمارا یہ ہے کہ ہم اپنی رعایا کی حالت کو درست کریں"

مزارعین کی مشکلات بیان کرنے کے بعد اُنھوں نے اس طبقۂ رعایا کی حالت کا تذکرہ کیا ہے جو مزارعین سے فروتر ہے۔ اور جس میں مختلف خدمت پیشہ لوگ شامل ہیں، جن کو فصل کے تیار ہونے پر اپنی خدمات کے معاوضہ میں کاشتکاروں سے غلّہ ملتا تھا اِسی طرح پٹیل اور پٹواری بھی کاشتکاروں سے پیداوار میں سے اپنا حصہ پاتے تھے۔ حکومت نے اس دستور کو موقوف کر کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ خود مال گزاری پر ایک آنہ فی روپیہ وصول کر کے ان لوگوں کو علیٰ قدر مناسب نقد رقم اُن کی خدمات کے معاوضہ میں تقسیم کرے۔

اس طریقہ سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں اور رعایا و خدمت پیشہ طبقہ کو جن دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑا اور حسابات اور موازنہ (بجٹ) میں جو پیچیدگیاں واقع ہوئیں ان سب کو مدلل طریقہ سے بیان کر کے آخر کار اُنھوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس طریقہ کو موقوف کر دیا جائے اور مقامی حالت کو ملحوظ رکھ کر اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ اس طریقہ سے عام طور پر جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں کن تدابیر سے اُن کی اصلاح اور تلافی ہو سکتی ہے۔

رعایا کی عام حالت — اس کے بعد اُنھوں نے نہایت مؤثر الفاظ میں رعایا کی عام حالت کی تصویر کھینچی ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح ساہوکاروں کے پنجہ میں گرفتار ہے، جس سے بغیر سرکاری اعانت کے نجات حاصل ہونا ناممکن ہے۔ بااین ہمہ وہ رعایا کی سادہ مزاجی، خوش اطواری، اور کفایت شعاری

کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیہات کی زندگی اس قدر سادہ ہی کہ جو لوگ ہزاروں سال کے مال گزار ہیں وہ بھی فضول خرچی کی طرف مائل نہیں، اُن کو تجربہ سے معلوم ہوا ہی کہ:۔

"دیہات کا طرزِ زندگی اور طرز معاشرت خود ایسا واقع ہوا ہی جو محنتی رعایا کو ہر ایک ضروری کفایت شعاری کی تعلیم کرتا ہی مع ہذا اکثر پٹواریوں اور کسی قدر پٹیلوں کو خارج کرکے میں یہ بھی بغیر کسی مُبالغہ کے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے مزارعین کے اس تمام محنتی گروہ کو معاملہ میں راستباز پایا، نہ اُن میں بے ایمانی ہی نہ شر ہی، نہ فساد ہی، جو بات کہتے ہیں بہت سیدھی، بہت سچی، اور اگر پٹیل و پٹواری وغیرہ چالاک فرقہ کی طرف سے کہیں اُن کو کچھ تعلیم بھی ہوتی ہی تو اُس کو لیاقت کے ساتھ عمل میں لانے کے بہت کم قابل ہیں مجھ سے جس قدر باتیں اُن لوگوں نے کہیں سب ہی وہ سچی ثابت ہوئے اُن کی ہر ایک شکایت دریافت کے بعد صحیح ثابت ہوئی اور اُن کی ہر ایک درخواست کے مُطابق مجکو حکم دینا پڑا اور اگر کسی سے انکار بھی ہوا تو وہ انکار قواعد وضوابط موجودہ وقت کی پابندی کی وجہ سے تھا نہ کہ بوجہ ناواجبیت اُن کی شکایت کے۔

اس محنتی اور راستباز اور کفایت شعار گروہ کو اگر آسودہ حال ہوجانے کے مواقع مِل جاویں تو اس کا بھی بخوبی یقین ہی کہ بہت کم مدت میں اُن کی حالت درست ہو جاوے گی تلنگانہ کا ایک تعلقہ جہاں سرسری بندوبست ہو جاوے اپنی رعایا کی حالت کو پانچ برس کے اندر اس قدر درست کرسکتا ہی کہ وہ ساہوکاروں کے پھندے سے نجات پاسکتے ہیں، بندوبست سرسری کے علاوہ اور بھی بعض امور مؤثر حالت رعایا جو اس کیفیت میں سرکار عالی کی توجہ کے لیئے پیش کیئے گئے ہیں، اُن میں سے ہر ایک کی غرض اور غایت یہی ہی کہ رعیت کی حالت ترقی کرے۔"

گورنمنٹ کا رعایا کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیئے؟

مولوی مشتاق حسین اس نکتہ کو خوب سمجھتے تھے کہ ملک کے امن و امان، گورنمنٹ کی قوت و شوکت، اور رعایا کی فارغ البالی اور

خوش حالی کا تمام دارمدار گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی اعتماد پر مبنی ہے، اس لیئے ایک عادل گورنمنٹ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ رعایا کی فلاح و بہبودی کے لیئے سعی کرے چنانچہ وہ اپنی رپورٹ میں اس معاملہ پر بھی بحث کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ :-

"سرکاری مقاصد پر جہاں تک مجکو اپنے اس دورہ میں غور کرنے کا موقع ملا، اُن میں سے بڑا مقصد یہی تھا یعنی زراعت پیشہ گروہ کی حالت کو درست کرنا، سرکاری مقاصد اور رعایائے زراعت پیشہ کے مقاصد اس قدر باہم مخلوط ہیں کہ اُن میں باہم تفریق کرنا ناممکن ہے۔ اسی واسطے میں نے اس کیفیت میں اس بات کا ارادہ نہیں کیا کہ ان دو قسم کے مقاصد کی نسبت علیحدہ علیحدہ بحث کروں، ان دونوں مقاصد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ایک کا نفع دوسرے کے نقصان کا باعث ہے، بہت بڑی غلطی ہے، اور جو کچھ صدمات رعایا کو اس وقت تک پہونچے اُن کی اصل وجہ یہی تھی کہ عاملان وقت نے سرکاری مقاصد اور رعایا کے مقاصد کو جدا جدا نگاہ سے دیکھا اور اُن میں جس نے سرکاری خیر خواہی کو زیادہ دخل دیا رعایا کو نہایت بیدردی کے ساتھ پیں دیا، حالانکہ یہ دونوں حقوق ترازو کے دو پلڑوں کی طرح انصاف کی ایک ڈنڈی میں تلے ہوئے ہیں، اور میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سرکار عالی نے جان بوجھ کر اور رعایا کی سرسبزی اور مرفہ حالی کو اپنی حکومت کی رونق اور مضبوطی کے لیئے ایک ضروری آلہ خیال کر کے فیاضی کے ساتھ رعایا کے پلڑے میں اپنے رحم کا بوجھ کسی قدر زیادہ رکھ دیا ہے۔ سرکار عالی کی ہمیشہ خواہش ہے کہ رعایا کا پلڑا جھکا رہے یہی انصاف اور رحم کی پالیسی ہے جس کو مجلس مالگزاری نے سرکار عالی کے ایما کے مطابق گروہ مزارعین کے معاملہ میں اختیار کیا ہے۔"

وسائل آب پاشی پر بحث

ملک کی سرسبزی اور زراعت کی ترقی ذرائع آب پاشی کی وسعت اور خوبی پر منحصر ہے، اس بنا پر انھوں نے اپنے دورہ میں وسائل آب پاشی کے دریافت

کرنے اور معائنہ کرنے پر بھی خاص توجہ کی اور مقامی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر رپورٹ میں اُس پر مفصل بحث کی ہے اور مفید تجویزیں حکومت کے سامنے پیش کی ہیں جس کو ہم بالاختصار بیان کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ موجودہ صورت یہ ہے کہ بعض مستثنےٰ صورتوں کو چھوڑ کر عام طور پر آب پاشی کے سلسلہ میں مرمت و تعمیر کے جملہ مصارف سرکار کے ذمہ ہیں جو دو طریقہ سے سرانجام پاتے ہیں :-

(۱) تمام بڑے بڑے کام جن کی کوئی خاص حد مقرر نہیں لیکن عموماً دو ڈھائی ہزار سے زیادہ کے ہوتے ہیں، عموماً سررشتہ تعمیرات عامّہ کے ذریعہ سے سرانجام پاتے ہیں۔

(۲) معمولی مرمت اور ترمیم کے لیئے صیغۂ مال میں ایک خاص سررشتہ آبپاشی علیحدہ قایم ہے۔

تلنگانہ کے بڑے اضلاع میں ایک خاص مددگار تعلقہ دار آبپاشی کے صیغہ سے مقرر ہوتا ہے، اس کے علاوہ ناظم و مہتمم محکمہ صفائی سے بھی اس کام میں مدد لی جاتی ہے اور جہاں مددگار کا تقرر نہیں ہوتا وہاں صرف ناظم و مہتمم محکمہ صفائی یہ کام انجام دیتے ہیں، تلنگانہ کے دونوں صوبوں میں ایک ایک (خاص) مددگار صدر تعلقہ داروں کے ماتحت اور ایک جداگانہ مددگار معتمد خاص مجلس مال گزاری میں اسی ضرورت سے مقرر ہے۔ یہ سب لوگ انجنیرنگ اسکول اور کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ دو لاکھ روپیہ ہر سال اس کام کے لیئے منظور ہوتا ہے جو مناسب طریقہ سے اضلاع تلنگانہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

آبپاشی کے سلسلہ میں معمولی کام اضلاع کے تعلقہ دار اپنے مددگار آبپاشی وغیرہ کے ذریعہ سے باختیار خود انجام دیتے ہیں، بشرطیکہ ہر ایک کام دو سو روپیہ سے زیادہ کا نہ ہو اور مجموعی رقم اِس سے زیادہ نہو جو ہر سال بمقدار مناسب اُن کے اختیار میں دیجاتی ہے، زیادہ مصارف کے کام جن کی لاگت ایک ہزار سے زیادہ نہ ہو صدر تعلقہ دار اپنے اختیار سے انجام دیتے ہیں، اس سے زیادہ رقم کے لیئے مجلس مال گزاری کی منظوری لیجاتی

ہے۔ البتہ جب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کام اپنی مشکلات اور لاگت کے لحاظ سے سررشتہ تعمیرات سے ہونا چاہیئے تو سررشتہ تعمیرات کو لکھا جاتا ہے، اور اسی سررشتہ سے کام انجام پاتا ہے، سررشتہ مال کو پھر کوئی علاقہ اس سے نہیں رہتا۔

مولوی مشتاق حسین نے مندرجہ بالا طریق عمل کو ناقص اور ناکافی خیال کر کے جدید تجاویز پیش کی ہیں، اور اُن کو مدلل اور مفصل طریقہ سے بیان کیا ہے لیکن ہم ان تمام تفصیلات کو نظر انداز کر کے بالاختصار بیان کرتے ہیں۔ اُن کی رائے ہے کہ

(۱) آبپاشی کے کاموں کا موازنہ (بجٹ) مجلس مالگزاری کے موازنہ میں شامل ہونا چاہیئے سررشتہ تعمیرات سے اس کا تعلق نہ ہو، اور تمام کام مرمت و تعمیر کے (بجز بڑے بڑے کاموں کے) مجلس مالگزاری کے ماتحت انجام پائیں۔ اُنھوں نے جزئیات پر بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ اس سے سرکاری محاصل میں ترقی ہوگی۔

(۲) مجموعی قوت کے ساتھ ملک کے ایک حصہ سے کام شروع کیا جائے اور رفتہ رفتہ اس کو تمام ملک میں وسعت دی جائے۔

(۳) اسی سلسلہ میں اُنھوں نے مملکتِ آصفیہ کے ذرائع آبپاشی کو تفصیلاً بیان کر کے اصلاح و ترقی کی مختلف تدابیر بتائی ہیں، اُن کا بیان ہے کہ دکن میں ذرائع آبپاشی حسب ذیل ہیں:

(۱) باولیاں (۲) تالاب (۳) ندی نالے اِن میں اوّل الذکر کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن کا بڑا حصہ منہدم یا مرمت طلب ہے جس کے بغیر اُن سے آبپاشی کا کام نہیں لیا جا سکتا لیکن اُن کی تعداد اِس قدر زیادہ ہے کہ سرکاری خرچ سے اُن کا تعمیر کرنا نہایت دشوار بلکہ قریباً ناممکن ہے۔ اِس کے علاوہ اِس سے زیادہ منفعت کی اُمید نہیں، برخلاف اس کے اگر تالابوں اور نالوں کی مرمت و درستی میں روپیہ صرف کیا جائے، تو اس سے محاصل میں خاص اضافہ ہو سکتا ہے جیسا کہ اُنھوں نے مقامی حالات پر بحث کر کے بوضاحت بیان کیا ہے۔

(۴) جن باولیوں کا پٹواری کے کاغذات میں اندراج ہے اور اُن کی متعلقہ زمین اور لگان بھی درج ہے اور اب وہ مرمت طلب ہو کر بیکار ہو گئی ہیں موجودہ قواعد کے مطابق اضلاع کے تعلقہ دار چونکہ لگان میں کسی ترمیم کے مجاز نہیں، اس لیئے یہ نہیں کر سکتے کہ اس اراضی کو خشکی کی فصل کے واسطے کسی کاشتکار کو دے سکیں کیونکہ اس طریقہ سے زمین کے سابق لگان میں جو زیر باولی زمین کا ہے ترمیم لازم آتی ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزارہا بیگھہ زمین بیکار پڑی ہے، اور ان خراب شکستہ باولیوں کی مرمت کسی محدود زمانہ میں سرکار کی طرف سے ممکن بھی نہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ کسی مناسب تدبیر سے ان اُفتادہ زمینوں کو کارآمد بنایا جائے تاکہ زمین کے بیکار رہنے سے جو نقصان سرکار کو پہونچتا ہے اس کی تلافی ہو سکے۔

(۵) باولیوں کے متعلق اُن کا خیال ہے کہ جب گورنمنٹ اُن کی مرمت و نگہداشت نہیں کر سکتی تو ان ہزارہا باولیوں کی ملکیت سے دست بردار ہو جائے اور ان کو رعایا پر منتقل کر دے جو بقول اُن کے

"اپنی اولاد کی طرح اُن کی حفاظت کرینگے اور اُن کو اسی کام میں لائینگے جو اُن کی ملکیت کا اصل مقصد ہے"۔

مولوی مشتاق حسین کی رائے ہے کہ انتقال ملکیت کے لیے ایسی مناسب تدبیر اختیار کرنا چاہیئے جو گورنمنٹ اور رعایا دونوں کے لیے مفید اور دونوں کی حالت کے لیے موزوں ہو رعایا اس قدر دولت مند نہیں جو قیمتاً اُن کو خرید سکے نہ مفت تقسیم کرنا مناسب ہے، اس طریقہ سے اُن کی قدر و قیمت گھٹ جائیگی اِس کے علاوہ یہ تجویز کرنا دشوار ہوگا کہ کون اُن کا اصلی مستحق ہے، بلکہ یہ اندیشہ ہے کہ وہ اصلی مستحقین پر منتقل نہ ہو سکیں گی لہذا ان دونوں صورتوں کو چھوڑ کر ایک خاص معیار تجویز کرنا چاہیئے اور وہ معیار یہ ہو سکتا ہے کہ رعایا میں سے جو یہ ثابت کر سکے کہ وہ کسی باولی کی نگہداشت اور اس کو اسی مقصد میں استعمال کرنے کے لیئے اپنا سرمایہ صرف کریگا اُسی قدر اُس اسامی کا استحقاق مرجح سمجھا جائیگا۔

اس معیار کے ذکر کرنے کے بعد اُنھوں نے تفصیل و وضاحت سے یہ بیان کیا ہے کہ باؤلیاں کس طریقہ سے رعایا کو دیجائیں ہم بخوفِ طوالت ان تمام تفصیلات کو نظرانداز کرتے ہیں البتہ اُن کے بیان کا ایک حصہ جس میں اُنھوں نے مثال دے کر اپنے مطلب کو سمجھایا ہے۔ نقل کرتے ہیں:-

"ایک باولی فرض کرو جو اس وقت مرمت طلب اور ویران ہے، چار سو روپیہ اس میں صرف ہوں تب وہ کام کے قابل ہوسکتی ہے، اور اس باولی کے نیچے پانچ بیگھہ زمین ہے، جس کا دہارہ آبپاشی کی حالت میں فی بیگھہ دس روپیہ کا ہے۔ یعنی کل پچاس روپیہ محاصل کی زمین ہے، ایک رعیت آمادہ ہے کہ چار سو روپیہ اپنے پاس سے لگا کر باولی کی مرمت کرے، ایسا ہونے پر ہم اس کو چھ روپیہ سینکڑہ سالانہ کے حساب سے چوبیس روپیہ سال اس کے سرمایہ کا سود مستقل طور سے مجرا دینگے، اور مزید برآں ایک روپیہ فی بیگھہ زمین زیر باؤلی کے حساب سے، یعنی پانچ روپیہ سال ہمیشہ اس بات کے واسطے مجرا دیا کرینگے کہ وہ باولی کو آئندہ سالانہ مرمت کے ذریعہ سے درست کر سکے، اس طرح پر پچاس جمع زمین زیر باؤلی میں سے اُنتیس مجرا ہونے کے بعد اکیس باقی رہینگے اس اکیس سالانہ پر ہم رعیت کے ساتھ ایک دوامی قول اس طرح پر کرینگے کہ بندوبست کے ختم ہونے پر جس کی میعاد تیس سال کے قریب ہوگی، زمین کی جمع از سرِ نو مشخص کی جاوے گی اور اس میں سے وہ متذکرۂ صدر مجرا ہونے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہی آئندہ بندوبست کے لیئے سرکاری جمع ہوگی"۔

"باولیوں کی حالت مختلف ہے لیکن جو طریقہ معاوضہ کی تجویز کا اوپر بیان کیا گیا وہ تمام اختلافات کو یکساں آسانی کے ساتھ حل کر کے ہر ایک معاملہ کو ایک اصول میں لے آئیگا"۔

اس کے بعد اُنھوں نے بتایا ہے کہ جو طریقہ میں نے تجویز کیا ہے رعایا عام طور پر اس کو مفید سمجھتی ہے، البتہ اکثر سرکاری ملازمین اس کو سرکار کے لیئے خطرناک خیال کر کے اس تدبیر پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں۔ اُنھوں نے ان تمام اعتراضات کو نقل کر کے اُن کا جواب دیا ہے اور اس تجویز کو ہمہ وجوہ

مفید ثابت کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے:۔

"اب میں چاہتا ہوں کہ اس کارروائی کے نتیجوں پر ایک دوسرے طور سے غور کیجاوے اس وقت ایسے تجربہ کار عہدہ دار جن کو سرکار عالی کے مداخل و مخارج کے ساتھ ہر طرح کی ہمدردی ہے، بالاتفاق اس بات کو مناسب خیال کرتے ہیں کہ سرکار عالی آبپاشی کے کاموں کو ترقی دینے کے لئے جس سے ملک کا محاصل ترقی کرتا ہے سودی روپیہ قرض لے اور اس کو آبپاشی کے کاموں میں لگاوے، اب دیکھو کہ استقراض کے اس طریقہ میں اور اس طریق کارروائی میں جس کی میں سفارش کرتا ہوں کیا فرق ہے؟

اوّل چھ روپیہ سینکڑہ سالانہ سود کی شرح وہ شرح ہے جس پر ملک کے اندر روپیہ قرض ملنے کی کوئی توقع نہیں ہے، البتہ باہر سے مل سکیگا، اور جب باہر سے کوئی سرمایہ قرض لیا گیا تو لامحالہ ملک کی دولت اس کے سود میں ملک سے باہر جاویگی، اور یہ اُس حکمتِ عملی کے خلاف ہے جس سے کوئی ملک آزاد اور سرسبز رہ سکتا ہے۔ شاید میری قلتِ معلومات کی وجہ ہوگی جو مجھکو کوئی ایسی نظیر تاریخ میں یاد نہیں آتی جو کوئی ملک باہر سے روپیہ قرض لے کر سرسبز اور اخیر وقت تک کامیاب ہوا ہو، انگریزی گورنمنٹ کروڑوں روپیہ ایسے مفید کاموں کے واسطے قرض لیتی ہے لیکن دیکھ لو کہ وہ سب سرمایہ خود اس کے اپنے ملک کا سرمایہ ہوتا ہے اور جو سود اس پر دینا پڑتا ہے وہ خود اس کے اپنے ملک کی دولت کو بڑھاتا ہے، ہزار ہا باولیوں کی مرمت میں جو روپیہ سرکار کی طرف سے صرف کیا جائیگا اُس کی نسبت یہ اطمینان کہ تمام کام واجبی کفایت شعاری اور صحیح تخمینہ اور دیانت کے ساتھ انجام پر پہنچائے جائینگے بہت ہی دشوار امر ہے، کچھ روپیہ بے موقع اور بے ضرورت برباد ہوا تو اس کو ایسے لوگ ہضم کرینگے جن سے زراعت کو کوئی مدد پہنچنے کی توقع نہیں ہے اور اس کا سود سرکار کے ذمہ واجب ہوگا۔"

"برخلاف ان تمام خطرات کے ہماری تجویز کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ سود کی شرح بڑھانے کی کچھ حاجت ہے نہ اپنے ملک کی دولت دوسرے ملکوں میں جاتی ہے اور نہ اس بھاری و یقینی

ذمہ داری سود کے مقابلہ میں جو سرکار عالی پر عاید ہوگی ہماری منفعت ظنی ہوگی بلکہ ہم اُن لوگوں کے مدیون ہونگے جو خود ہمارے مدیون بن جاوینگے اُن کا مطالبہ ہمارے اوپر اُس وقت واجب ہوگا جب کہ اول ہمارا مطالبہ اُس سے زیادہ تعداد میں اُن پر واجب ہوئے گا اور بدون اس کے کہ خزانہ پر کسی سود کا نقد بار پڑے یا دائنوں کو خزانہ سے اپنے نقد سود کے وصول کرنے میں دشواریاں پیش آویں اس آسانی سے وہ سود ادا ہوتا رہیگا کہ کسی کو خبر تک بھی نہ ہوگی اور باوجود اتنے بڑے حساب کے نہ ایک متصدی اُس کے لیے درکار ہوگا اور نہ ایک سطر حساب لکھنے کی کچھ ضرورت پڑیگی "۔

آخر میں وہ اُمید ظاہر کرتے ہیں کہ اگر اُن کی تجویز پر عمل کیا گیا تو ملک کو سرسبزی اور فارغ البالی نصیب ہوگی اور خوش حالی میں اضافہ ہوگا۔

دفاتر کی زبان کا مسئلہ اپنے دورہ میں اُنھوں نے اُن دفتری مشکلات کو بھی محسوس کیا جو مرہٹی اور تلنگی کے رواج کی وجہ سے پیش آتی تھیں اُن کے خیالات کا ماحصل حسب ذیل ہے:-

(۱) اکثر افسروں میں اسقدر قابلیت نہیں کہ وہ مرہٹی اور تلنگی زبان میں نوشت وخواند کرسکیں اِس لیے وہ اُن اپنے ماتحت اہلکاروں کے کام کی تنقیح نہیں کرسکتے جن کے دفاتر کی زبان اُردو نہیں ہے، اس کا اثر مقدمات پر پڑتا ہے اور اہلکاروں کو معاملات کے دبا رکھنے اور دوسری ناجائز کارروائیوں کا موقع ملتا ہے۔

(۲) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ماتحت اہلکار جو تجاویز ان زبانوں میں لکھ کر لاتے ہیں افسر اس پر دستخط کردیتے ہیں اُن کو خود غور کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

(۳) تعلقداران اضلاع کے پاس کام اس قدر زیادہ ہے کہ اُن کو اسقدر مہلت نہیں کہ وہ دوسری زبانوں کے کاغذات پر لفظاً غور کرکے دستخط کریں۔

(۴) جو احکام ان زبانوں میں تحصیلداروں وغیرہ کے نام لکھے جاتے ہیں، چونکہ اُن کے لکھنے والے عموماً ادنیٰ درجہ کے اہلکار ہوتے ہیں (جو ان زبانوں کو جانتے ہیں) اس لیے اُن کی

تحریریں مکتوب الیہم کے درجہ اور شان کے خلاف ہوتی ہیں جن سے لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے، حالاں کہ یہی احکام جب اُردو میں لکھے جاتے ہیں تو ایسا نہیں ہوتا۔

(۵) فرماں روائے وقت اور دکن کے اُمرا و شرفا اور اکثر عہدہ داروں کی مادری زبان اُردو ہے، اُن کو دوسری زبانوں کے سیکھنے میں دقت پیش آتی ہے، اور پھر بھی عمدہ طریقہ سے نہیں سیکھ سکتے۔ اس کے علاوہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ مرہٹی جانتے ہیں وہ تلنگانہ میں بھیج دیئے جاتے ہیں یا اس کے برعکس، قطع نظر اس کے بعض اضلاع میں تھوڑے فاصلہ سے زبان مختلف ہو گئی ہے، یا بعض مقامات پر کنڑی بولی جاتی ہے لہٰذا یہ کسی طرح موزوں نہیں کہ مختلف مقامات کے دفاتر مختلف زبانوں میں قائم کیئے جائیں۔

ان تمام مشکلات کو بیان کرنے کے بعد اُنھوں نے چند خاص صورتوں کو مستثنےٰ کر کے عام طور پر اُردو زبان کو رائج کرنے کی رائے دی ہے، اور اس کو نہایت ضروری قرار دیا ہے۔

اِصلاح متعلق ملازمین ریاست اِس کے بعد اُنھوں نے مختلف عہدہ داروں کے کام، اختیارات تعداد اور تنخواہوں کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور ان سب اُمور کو بدلائل بیان کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ:۔

(۱) دوم وسوم تعلقہ داروں کے اختیارات میں اضافہ کیا جائے، تاکہ اوّل تعلقہ داروں کے کام میں تخفیف ہو، جن کے پاس بہت زیادہ کام رہتا ہے۔

(۲) دوم وسوم تعلقہ داروں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے، کیونکہ اکثر اضلاع کے حدود وسیع ہیں، اور عہدہ داروں کی تعداد قلیل ہے، اس وجہ سے کام میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔

(۳) تحصیلداروں کے پاس بھی کام کی اس قدر کثرت ہے کہ وہ اس کو انجام نہیں دے سکتے حالانکہ رات کو بھی کئی کئی گھنٹہ کام ہوتا ہے۔

(۴) پیش کاروں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیئے۔

(۵) تحصیلداروں اور پیشکاروں کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے اور پیشکاروں کو بھتّہ بھی دیا جائے

تحصیلداروں کے صرف تین درجہ رکھے جائیں درجہ چہارم و پنجم موقوف کر دیا جائے۔

(۶) پیشکاروں کو بحالت غیر حاضری تحصیلدار سرسری جرمانہ کا اختیار دیا جائے۔

(۷) تلنگانہ کے تعلقداروں کی تنخواہ اور بھتّہ میں اضافہ کی ضرورت ہے۔

سرکاری ملازمین کی حالت پر تبصرہ

اسی سلسلہ میں انھوں نے سرکاری ملازمین کی خدمات اور دیانت پر نہایت مفصّل تبصرہ کیا ہے جو عام ناظرین کے لیئے زیادہ دلچسپ نہیں ہو سکتا تاہم اُن کے بعض خیالات و آرار کا بیان بے موقع نہ ہوگا۔ عہدہ داروں کی دیانت کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

"دیانت کی بحث ایک مشکل بحث ہے اور اس کی نسبت سرسری طور پر کسی رائے کا قایم کرنا مشکل تر اور ایک ایسے راستہ کا اختیار کرنا ہے جس میں ممکن ہے کہ رائے قایم کرنے والا شخص بہت سی غلطیاں کر جاوے۔ مع ہذا جب تک ہم کو کسی عہدہ دار کی بد دیانتی کا کوئی ثبوت نہ ہو، ہمارا کام ہے اور حقیقت میں اس کے سوا ہم کو گریز نہیں ہے کہ ہم ہر ایک کی نسبت نیک گمان رکھیں البتہ ایک افسر جب کہ خاص اُن کے علاقوں میں دورہ کر رہا ہے اور جس کو وہاں کی رعایا اور اہل مقدمات، اور ملازموں وغیرہ کے خیالات پر مختلف ذریعوں سے مطلع ہونے کا موقع ملتا ہے، اور جب کہ وہ افسر اس قدر عقل بھی رکھتا ہو کہ چالاکیوں اور فریبوں کے جال جو کبھی کبھی ایسے موقع پر اُس کے لیئے بچھائے جاتے ہیں اُن میں اپنے آپ کو پھنسنے نہ دے، تو وہ کسی بد دیانت عہدہ دار کی بد دیانتی کا اگر کوئی عدالتی ثبوت حاصل نہیں کر سکتا تو ایک ایسی عام رائے تو اس عہدہ دار کی نسبت قایم کر سکتا ہے جو عہدہ دار مذکور کے چال چلن سے متعلق ہو اور یہ نہ صرف ممکن الوقوع بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ جو رائے اس طرح پر احتیاط کے ساتھ قایم کی گئی ہو وہ غلط نہ ہو۔

اسی بحث کے سلسلہ میں وہ اس طریقہ کی مخالفت کرتے ہیں کہ مشتبہ عہدہ داروں کو تبدیل کر دیا جائے وہ کہتے ہیں کہ:۔

"ایسی حالت میں کسی عہدہ دار کا ایک جگہ سے تبدیل کر دینا، اس کو صفائی کا صداقت نامہ

دیدینا اور نیا دروازہ اس کی بداعمالیوں کے لیئے کھول دینا ہے کہ وہ پھر ایک مدت تک رعایا کو ستایا کرے۔"

"جب کوئی عہدہ دار ایک جگہ سے تبدیل ہو جاتا ہے، تو پھر وہ لوگ بھی جن کو اس سے مضرتیں پہنچی ہوتی ہیں صرف اس کے دفع ہو جانے کو غنیمت جانتے ہیں اور آیندہ اس کے درپے نہیں ہوتے۔ پس میری رائے یہ ہے کہ جب اس قسم کی بدگمانی کسی مقام پر کسی عہدہ دار کی نسبت پیدا ہو تو اُس کو ایک مزید نگرانی کی حالت میں وہیں رکھ کر ڈھیل دینی چاہیئے تاکہ وہیں قبر کھودی جائے اور اس کی بداعمالیاں وہیں مدفون ہوں اور آیندہ خلق اللہ اور سرکار ایسے موذیوں سے نجات پاوے لہٰذا میں نے کسی تبدیل کی کارروائی نہیں کی، مگر اس کے ساتھ ہی ہر ایسے شخص نے غالباً جان لیا ہے کہ وہ کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اب وہ کس خطرناک حالت میں ہے، اور اُن میں سے بعض پر میں نے اپنے خیالات کو بقدر مناسب اور بقدر ضرورت ظاہر بھی کر دیا ہے لہٰذا یا تو وہ اپنی عادتوں کو ترک کر کے بھلے آدمیوں کی طرح کام کرنے پر مجبور ہونگے اور یا چند روز کے بعد لامحالہ اُن کو اپنی جگہیں خالی کرنی پڑینگی۔"

اہلِ عملہ کی باہمی قرابت

اِس کے بعد انھوں نے اس طریق عمل پر بحث کی ہے کہ اہل عملہ کی باہمی رشتہ داری رعایا کے لیئے باعثِ مضرت اور انصاف کا خون کرنے والی ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

"تحصیلدار کے عملہ میں جب کوئی اہلکار تعلقہ دار ضلع کے کسی مقتدر بلکہ اوسط درجہ کے اہلکاروں کا قرابت مند ہے تو اب اس کی وجہ سے تحصیلدار کی جان عذاب میں ہے جب وہ اپنے عملہ کو تنبیہ کرتا ہے اس کی صدائے بازگشت تعلقہ دار ضلع کی کچہری سے اس کے کانوں میں پہنچ جاتی ہے، اور ہوشیار پٹواری اور زمیندار تک جان جاتے ہیں کہ تحصیلدار کو جو فلاں تنبیہ صدر سے ہوئی یہ تحصیلدار کی فلاں تنبیہ کا معاوضہ ہے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"اس ملک میں میں دیکھتا ہوں کہ ایک محکمہ کے عملے اپنا یہ استحقاق سمجھتے ہیں کہ جب وہ کسی محکمہ میں ہیں تو اس محکمہ کے افسر سے اپنے اُن ذاتی مقدمات میں مدد لیں جو کہ دوسرے محکمہ میں دائر ہوں۔ خاص کر جب کہ وہ مقدمات اُن کے محکمہ جات ماتحت میں دائر ہوتے ہیں تب تو ان افسروں کی یہ مداخلت اس قدر افسوسناک ہوتی ہے جس کا بیان نہیں ہوسکتا، وہ نہیں جانتے کہ اس کا اثر مفصل میں رعایا پر کیا پڑتا ہے، رعایا انصاف سے بالکل مایوس ہو جاتی ہے، اور کوئی ذریعہ اپنی کامیابی کا اس کے سوا نہیں سمجھتی کہ یا رشوت دیکر کام نکالنا چاہیئے، یا زبردست، زبردست، سفارشیں بہم پہنچاوے تاکہ صدر کے قابو یافتہ عملوں کے اقتدارات کا مقابلہ کرسکے۔"

اسی سلسلہ میں وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:-

"ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ میرے سامنے ایک محکمہ کے ایک مقتدر عملہ نے میری اس سوال کے جواب میں کہ جب یہ مقدمہ ضلع میں دائر ہے تو تمہارے افسر جن کو اس سے کچھ تعلق نہیں کیوں اس میں دخل دیتے ہیں؟ بر سر کچہری بہت ہی سادگی کے ساتھ مجکو یہ جواب دیا کہ افسروں کی پرورشی ہے، ہم اُن کے خدمت گزار ہیں اور اُن کے محکمہ سے تعلق رکھتے ہیں، میں اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔"

اس کے بعد وہ اپنا طریق عمل بیان کرتے ہیں:-

"میرا اپنا برتاؤ ان تمام محکمہ جات سرکار عالی میں، جن میں ایک افسر ہونے کی عزت مجکو حاصل رہی ہے یہ رہا ہے کہ جہاں میرے کسی عملہ کا ذاتی مقدمہ کسی محکمہ ماتحت میں دائر ہوا اور میں نے دیکھا کہ یہ اس میں اپنی صدریت کا اثر ڈالنا چاہتا ہے، فوراً اس کو اپنے محکمہ سے تبدیل کردیا، نتیجہ یہ ہوگیا تھا کہ میرے عملہ جب کہ اتفاق سے اُن کا کوئی مقدمہ کسی محکمہ ماتحت میں دائر ہوتا تھا ہر طرح احتیاط کرتے تھے کہ مجھ تک اس کی اطلاع بھی نہ ہو، عرضیاں پیش کرنا اور روبکاریاں جاری کرنا تو درکنار، اپنے ماتحت

محکموں کی نسبت اس خرابی کا علاج ہم سرکار سے نہیں چاہتے، مجلس کو خود بقدر قوت اور اقتدار حاصل ہو کہ عنقریب ہم ان سب باتوں کا تدارک کر دینگے۔"

سرکاری ملازمت میں ایک خاص گروہ کا اقتدار انھوں نے اپنے دورہ میں یہ بھی محسوس کیا کہ سرکاری دفاتر میں کسی ایک گروہ کا غلبہ کس قدر مضر ہو وہ کہتے ہیں کہ :-

"ایک گروہ اور ایک قوم کا دفاتر میں کثرت سے داخل ہونا اس کی اصلی علت دفاتر میں مرہٹی اور تلنگی زبان کا استعمال ہو۔ مسلمان ان زبانوں میں دفتری کارروائی کے لایق مادہ نہیں رکھتے لامحالہ دوسرے وہی لوگ خدمتوں پر قایم ہوتے ہیں جو کہ اسی قسم کی قابلیت رکھتے ہیں اور یہ اکثر برہمنوں کا گروہ ہو۔ اسباب چاہے کچھ ہی ہوں اور کیسے ہی واجب کیوں نہ ہوں لیکن اس کے نتایج تو بے شبہ خراب ہیں معضلات میں مسلمانوں کے لیئے سرکاری خدمات کا دروازہ گویا بند سا ہو رہا ہو اور اس سے صرف اُن کی مفلسی ہی کو ترقی نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اُن کو مختلف قسم کی توہینیں اور دوسری پولیٹکل دشواریاں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور بہرحال اس ہیئت اجتماعی سے بددیانتی کو بھی ترقی ہوتی ہو اور لائق افسروں کی قوت بھی اس کے مغلوب کرنے میں اکثر عاجز ہو جاتی ہو۔"

اُن کا خیال ہو کہ اُردو زبان کے رواج سے اس خرابی کا ایک حد تک سدباب ہو جائیگا۔

اصلاح طلب اُمور اس کے بعد انھوں نے حسب ذیل اُمور پر مفصل بحث کی ہو:-

(۱) بارش کی مقدار معلوم کرنے کے لیئے جابجا تالابوں پر پیمانے لگائے جائیں۔

(۲) مجلس مال گزاری کے دستورالعمل میں ترمیم کی جاوے جس کی تفصیل انھوں نے رپورٹ میں بیان کی ہو۔

(۳) مجلس مال گزاری کے دو رکن ایک وقت میں دورہ کریں اس کی ضرورت انھوں نے مدلل

طریقہ سے ثابت کی ہے اور بتایا ہے کہ بغیر اس کے ملک کی عام اصلاح نہیں ہو سکتی۔

(۴) تمام صدر تعلقہ دار (صوبہ دار) سال میں دو مہینہ کے لیے بلدہ (دار الریاست) میں جمع ہوا کریں۔ اس موقع پر سرکاری طور پر مجلسیں منعقد ہوں، جن میں مختلف عہدہ دار، اراکین مجلس مال گزاری وغیرہ جمع ہو کر اپنے تجربات اور مشکلات بیان کریں اور جدید اصلاحات اور انتظامات کے متعلق تجاویز پیش ہوں۔

(۵) صدر تعلقہ داروں (صوبہ داروں) کے ساتھ دورہ میں سرکاری طبیب رہنا چاہیئے اس ضرورت پر انھوں نے دلچسپ طریقہ سے بحث کی ہے اور جو دشواریاں طبیب نہ ہونے سے پیش آتی ہیں ان کو مؤثر طریقہ سے بیان کیا ہے۔ بعض فقرات یہاں نقل کیئے جاتے ہیں۔

"ہمارا بلا شبہ یہ فرض ہے کہ ضرورت کے وقت ہم سرکاری مقاصد کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیں، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارا یہ حق بھی ہے اور شاید کہ سرکار پر فرض ہے کہ جہاں تک اس کے امکان میں ہے فیاضی کے ساتھ اُن خطرات کا تدارک فرمائے جو ہماری جان سے متعلق ہیں"

اسی سلسلہ میں وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک موقع پر تحصیلدار نے یہ اطلاع دی کہ فلاں مقام پر ہیضہ پھیلا ہوا ہے چونکہ میرے ساتھ سرکاری طبیب موجود تھا میں نے شکریہ ادا کرنے کے بعد جواب دیا کہ:۔

"میرے دورہ کے مقاصد میں سے یہ بھی ایک اہم مقصد ہے کہ جب کسی علاقہ کی رعایا ایک عام مصیبت میں مبتلا ہے تو عین اُن کی مصیبت کے وقت میں اُن کی حالت کو دیکھوں تاکہ جو کچھ مجھ سے اُن کی ہمدردی ممکن ہے میں کروں - میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر میرے ساتھ طبیب نہوتے تو بھی میں ایسا پر اخلاق جواب تحصیلدار کو دیتا یا نہیں"۔

اس کے بعد وہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ایک مہینہ ۲۰ دن کے سفر میں طبیب صاحب نے ، ۵۵ شخصوں کو دوا دی جن میں سے
۳۱۹ میں، میں اور میرے ہمراہی ملازمان سرکاری و ذاتی شامل ہیں اور ۵۹ شخص
تعلقہ دار و صدر تعلقہ دار و تحصیل وغیرہ کے علاقہ میں سے ہیں جو کہ دورہ میں
کبھی کبھی میرے ساتھ رہے ۹، ۱ اُن دیہات کے باشندے ہیں جہاں ہو کر
ہمارا گزر ہوا۔"

(۶) بلدہ" اور "ہنم کنڈہ" کی سڑکوں پر مسافر بنگلوں کی تعمیر کی ضرورت بھی اُنھوں نے ثابت کی ہے۔

(۷) مفصلات میں عہدہ داروں کے لیئے سرکاری مکانات تعمیر کرنے کی ضرورت ظاہر کی ہے جو بکرایہ اُن کو دیئے جائیں۔

(۸) چند مقامات کے متعلق یہ تجویز کیا ہے کہ وہاں کچہری اور دفتر کے لیئے سرکاری مکانات تعمیر کیئے جائیں، اسی سلسلہ میں وہ بیان کرتے ہیں کہ :-

"ضلع ناگر کرنول میں میں کچھ مثلیں دیکھ رہا تھا، مجکو معلوم ہوا کہ مثلوں کے فیصل ہو جانے کے بعد شاید اُن کی نسبت عمدہ طور سے کارروائی نہیں ہوتی، لیکن جب میں نے محافظ خانہ کو دیکھا تو تمام اصلاح و درستی کے خیالات کو بالائے طاق رکھ دیا اور لوٹ کر اپنی جگہ پر آبیٹھا، مکان تنگ اور اُس پر کمزور، دفتر بالکل غیر محفوظ حالت میں، ایک بڑا حصہ کاغذات دیہی کے بستوں کا گنج شہیداں کی طرح اوپر تلے بغیر کسی ترتیب کے بطور ایک انبار کے لگا ہوا ہے، ہم بلدہ میں بیٹھے ہوئے دفتر کی ترتیب کے لیئے دستور العمل تصنیف کرتے ہیں، یہاں دفتر خانہ کا خود یہ حال ہے تو ممکن نہیں کہ کوئی ترتیب عمل میں آسکے۔"

(۹) اس کے بعد وہ بیگاریوں کے معاملہ پر بحث کرتے ہیں جن پر حکام کے دورہ کے زمانہ میں مصیبت نازل ہوتی ہے یہاں تک کہ سرکار نے ازراہ ترحم و انصاف جو اُجرت اُن کے لیے تجویز کی ہے

وہ بھی اُن کو نہیں دی جاتی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان مُصیبت زدہ لوگوں کو مختلف طور پر ستایا جاتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ :۔

"خود میں نے اپنے دورہ میں ایک جگہ دیکھا کہ ایک عورت بیگار کے واسطے پکڑ لائے تھے جس کی پنڈلی میں پھوڑا تھا اور اُس میں سے خون جاری تھا۔ یہ عورت مجکو اُس وقت راستہ میں ملی جب کہ اپنا اسباب پہونچا کر لوٹی جاتی تھی۔ عورت کے ساتھ اگرچہ میں نے اور بعض رعایتیں کیں جس سے وہ اپنی تکلیف کو بھول گئی ہوگی، لیکن مجکو بہت افسوس رہا کہ وہ موقع میرے ہاتھ سے جاتا رہا تھا کہ اُس کے پکڑنے والوں کو میں سزا دے سکتا۔ جب یہ واقعہ میری موجودگی میں ہوا جب کہ لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ میری طبیعت ایسے اُمور میں کیسی ہے تو اس سے بآسانی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کس قسم کا برتاؤ ایسے مواقع پر غریب رعایا کے ساتھ ہو جاتا ہوگا۔"

وہ کہتے ہیں کہ :۔

"ایک بے زبان خلقت جب کہ مدتوں سے اپنے حقوق کی پامالی پر صبر کر چکی ہے، تو بہت ہی مشکل سے اب اُن میں ایسی روح پھونکی جا سکتی ہے جس سے زندہ دلی کے ساتھ وہ اپنی حق تلفیوں کی شکایت کی آواز بلند کر سکیں اور کوئی فریاد رس اُن کی فریاد کو پہنچے۔"

(۱۰) رعایا کی تکالیف کے سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ حکام کے دورہ کے وقت گھاس لکڑی، اور مٹی کے برتن وغیرہ جو فراہم کیے جاتے ہیں اُن کی قیمت نہیں دی جاتی بلکہ رعایا سے جبریہ طور پر یہ چیزیں وصول کی جاتی ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ :۔

"مرغیوں کی قیمت اکثر جگہ میں نے چار پیسہ فی مرغی پائی اور معلوم ہوا کہ تلنگانہ بھر میں یہی حال ہے۔ چند روز تک تو مجکو کچھ خیال نہیں ہوا، لیکن اس کے بعد

متحقق ہوا کہ یہ شرح بھی جبریہ شرح ہی جو ہم لوگوں نے خود مقرر کر رکھی ہی۔
تب میں نے چاہا کہ اصل مالکوں سے معاملہ کیا جائے، اُس وقت دریافت ہوا
کہ جو ایک جبریہ شرح قیمت کی ٹھیری ہوئی ہی وہ بھی شاذو نادر ہی اصل مالکوں
کو پہونچتی ہی ورنہ مرغیاں بھی اسی طرح اکثر دیہات متصلہ سے جمع کر کے حاضر
کی جاتی ہیں۔"

(۱۱) اصلاحات کے سلسلہ میں وہ یہ رائے بھی دیتے ہیں کہ ضلع ناگر کرنول کا نام اعلیٰ حضرت کے
مبارک نام پر محبوب نگر رکھا جائے۔

(۱۲) محبوب نگر اور بلدہ کے مابین تار برقی کا سلسلہ قایم کیا جائے۔

شکریہ | آخر میں اُنھوں نے مختلف صیغوں کے عہدہ داروں اور عام ملازمین دیہات کا
شکریہ ادا کیا ہی جنھوں نے دورہ میں اُن کی مدد کی اور سہولتیں بہم پہونچائیں۔ اس کے بعد مدار المہام
کا شکریہ ادا کیا ہی کہ اس سے پہلے کہ مکمل رپورٹ جناب ممدوح کے سامنے پیش ہو رپورٹ کی
زیر تحریر اجزا پر غور فرما کر اکثر تجاویز کو منظور فرمایا اور اُس کے متعلق باضابطہ احکام[1] جاری فرمائے۔

[1] مولوی مشتاق حسین کے اس دورہ کے پانچ سال بعد جب نواب بشیر الدولہ سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام صوبۂ شرقی کے دورہ پر گئے تو رزیڈنٹ بھی ہمراہ تھے اور نواب محسن الملک بھی موقع پر موجود تھے۔ معائنہ دفاتر کے وقت رزیڈنٹ نے مولوی مشتاق حسین کی اس رپورٹ کا ذکر کیا۔ اس واقعہ کو ہم خود نواب سر آسمان جاہ مدار المہام کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ جناب ممدوح سرکاری جریدہ میں اپنے دورہ کے حالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"صاحب عالی شان بہادر (رزیڈنٹ) کے اس استفسار پر کہ جو نقص نواب انتصار جنگ نے اپنے دورہ کی رپورٹ میں ظاہر کئے ہیں اُن میں کچھ اصلاح ہوئی ہی یا نہیں ؟ بیان کیا گیا کہ وہ نقصانات تمام تر دور کر دیئے گئے ہیں، اور ان شکایتوں میں سے کوئی بھی اب باقی نہیں ہی بلکہ اس کے بعد بھی جو نقصانات وقتاً فوقتاً دریافت ہوئے اکثر اُن کو رفع کیا گیا ہی، مثلاً:-

(۱) پیمائش کا طریقہ جس سے پٹواریوں کو ناواجب جمع بڑھانے اور کاشتکاروں کو ستانے کا موقع

(باقی بر صفحہ آیندہ)

سر سالار جنگ ثانی کا ریمارک

یہ زمانہ سر سالار جنگ ثانی کی مدار المہامی کا تھا اور اگرچہ دربارِ وزارت میں رسوخ و اقتدار کے لحاظ سے مولوی مہدی علی خاں اس زمانہ میں سب سے زیادہ نمایاں تھے، لیکن مولوی مشتاق حسین بھی اپنے مخصوص اوصاف کی بنا پر سر سالار جنگ ثانی کی نظر میں خاص وقعت رکھتے تھے، اور اپنی محنت، دیانت اور راستبازی کے لحاظ سے اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے۔ ان وجوہ سے مدار المہام اُن کے دورہ کی اہمیت کو خاص طور پر محسوس کرتے تھے

(بقیہ نوٹ ص ۱۰۱) ملتا تھا جاتا رہا، اور بجز صوبہ دار کی منظوری کے اختیار نہیں ہے کہ کوئی کسی کھیت کو جو کہ سالم مزروعہ ہوا ہو پیمائش کرے اور جس قدر رقبہ زیادہ نکلے اس پر سابق کے دہارہ سے جمع بڑھا دے۔

(۲) جس طرح سالم کھیت کے اُفتادہ رہنے پر جمع معاف ہو جاتی ہے اسی طور پر کسی جزو کے مزروعہ نہونے پر اس حصہ کے موافق جمع معاف کی جاتی ہے وہ قاعدہ کہ جب تک ایک چوتھائی کھیت اُفتادہ نہ ہو جمع معاف نہ ہو منسوخ کر دیا گیا۔

(۳) رعایا کو راضی نامہ دینے میں اور جو کھیت منجملہ اپنے مقبوضہ کھیتوں کے وہ چھوڑنا چاہئے چھوڑنے میں آزادی نہ تھی اس خیال سے کہ نرم جمع کے کھیت رکھ کر سخت جمع کے کھیت وہ چھوڑتے ہیں راضی نامہ منظور نہ کیا جاتا تھا اب اُن کو پوری آزادی دیگئی ہر کاشتکار کو اختیار ہے کہ کوئی بھی کھیت خواہ جمع اُسکی نرم ہو یا سنگین وہ چھوڑنا چاہے، چھوڑ سکتا ہے۔ اور راضی نامہ اس کا منظور کیا جاتا ہے۔

(۴) قسطیں مالگزاری کے وصول کرنے کے جو ایسے وقت پر تھیں کہ کاشتکار اپنا مال فروخت نہ کر سکتے تھے، اور اس سے وہ بیچارے سود پر رقم ساہوکاروں سے لینے پر مجبور ہوتے تھے تبدیل کر دی گئیں، اور اُنکا وہ وقت مقرر کیا گیا جب کہ مال کھیتوں میں تیار ہو جائے، اور کاشتکار فروخت کر سکیں۔

(۵) کاشتکاروں کے اُفتادہ کھیتوں کی گھانس جو ہراج (نیلام) ہوا کرتی تھی اور جس سے تحصیلداروں کو فرضی خریدار بنانے اور رعیت سے زبردستی اس کی رقم وصول کرنے کا موقع ملتا تھا وہ قاعدہ موقوف کر دیا۔

وغیرہ ذٰلک۔

مندرجہ بالا اصلاحات سنہ ۱۲۹۳ و سنہ ۱۲۹۴ف کی رپورٹوں کے مُطابق عمل میں آئیں۔

اور جو اطلاعیں اور یادداشتیں وہ مختلف اوقات میں بھیجتے رہتے اس پر خاص توجہ کرتے اور مزید حالات کے منتظر رہتے، یہاں تک کہ جب رپورٹ مکمل ہو کر اُن کی خدمت میں پیش ہوئی تو اُنھوں نے اس کو بالاستیعاب پڑھ کر مفصل تبصرہ لکھا۔

مولوی مشتاق حسین نے جو تجویزیں پیش کی تھیں اُن میں سے اکثر کو مدار المہام نے منظور کیا۔[1] گویا اس دورہ کی وجہ سے ملک میں بہت سی اصلاحات عمل میں آئیں چند تجاویز سے اُنھوں نے اختلاف کیا اور اختلاف کے وجوہ لکھے۔ غرض اُنھوں نے گہری نظر سے رپورٹ کا مطالعہ کر کے تمام جزئیات پر مفصل بحث کی، اور مولوی مشتاق حسین کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ ہم اس تبصرہ کا صرف پہلا اور آخری فقرہ یہاں نقل کرتے ہیں۔

"کیفیت دورہ مولوی مشتاق حسین صاحب بابتہ ۱۲۹۳ف بملاحظہ مدار المہام سرکار عالی درآمد و بہ غور تمام بر جملہ مراتب مندرجہ اش نظر کردہ شد، ہمانا ایں اولیں کیفیت ست کہ در دفترے سرکار بہ ایں خوبی و جامعیت پیش شدہ

---

[1] مولوی مشتاق حسین نے ۱۲۹۴ف کے دورہ کی رپورٹ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ نواب مدار المہام کی توجہ سے ۱۲۹۳ف کے دورہ سے رعایا کو بہت فائدہ پہونچا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"رعایا ان مشکلات سے بہت کچھ آزاد ہو گئی جس میں وہ صدر المہام مال گزاری کی گشتی نشان ۱۱ سنہ ۱۲۹۲ھ اور بعض دوسرے تکلیف دہ احکام کی وجہ سے سالہا سال سے مبتلا چلی آتی تھی اُن کی مزروعہ زمینوں کی سالانہ پیمایش اور اُس پیمایش کے اضافہ کی وجہ سے سالانہ جمع کا اضافہ جو اُن کے حق میں بہت ہی مہلک تھا، یک قلم موقوف ہو گیا۔ تری حال خشکی کے دہاروں سے اُس کو نجات ملی، اور وہ اس قابل ہوئے کہ بدہنگامی کے وقت میں، اطمینان کے ساتھ ایک ہلکے سے خشکی کے دہارہ کے ساتھ، تری زمینوں میں خشکی کی سیر حاصل پیداوار سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش کریں، اُن کے قطعاتِ اُفتادہ کی گھانس کا ہراج (نیلام) جس سے زمین باوجود اپنی اس فراخی کے اُن پر

(باقی بر صفحۂ آیندہ)

وچنانچہ مقصود سرکار از دورہ عہدہ داران بالادست ست کماحقہ ازیں کیفیت حاصل شدہ لہٰذا مدار المہام سرکار عالی بکمال خوشنودی خود از محنت وسرگرمی مولوی مشتاق حسین ظاہر نمودہ نسبت مراتب ضروری احکام ذیل صادر می فرمایند۔"

آخر میں لکھتے ہیں:۔

"مدار المہام سرکار عالی بکمال تحسین کارگزاری مولوی مشتاق حسین صاحب می نمایند۔ درحقیقت مولوی صاحب موصوف نہ صرف فرائض منصبی خود را ادا نمودند و لیاقت خود را اظاہر کردند بلکہ بکمال غور و تحمل بر تمام کار روائیہائے اضلاع نظر نمودند و تا با مکان کار کثیر در مدت قلیل نمودند۔ بخاتمہ کلام مدار المہام سرکار عالی از تہ دل اظہار شکریہ محنت مولوی مشتاق حسین صاحب می نمایند۔"

تخفیف مجلس مال گزاری دورہ کی رپورٹ اور سرسالار جنگ کے ریمارک سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بحیثیت رکن مجلس مولوی مشتاق حسین کا کام کس قدر شاندار قابل ستائش تھا اور انھوں نے اپنے دورہ میں کیسی عمیق نظر سے ملنگانہ کی عام حالت کا معائنہ کر کے مفید اصلاحات پیش کی تھیں لیکن ابھی ان اصلاحات پر پورے طور پر عملدرآمد بھی نہیں ہوا تھا کہ انتظامی تغیرات کے سلسلہ میں مولوی مشتاق حسین کے دورہ کے ۶ ماہ بعد خود مجلس مالگزاری تخفیف کر دی گئی، چنانچہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ کو انتظامی اصلاحات کے متعلق سالار جنگ ثانی کا جو اعلان شائع ہوا، اس میں مجلس مالگزاری کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اظہار خیالات کیا گیا۔

(بقیہ نوٹ ص ۱۰۳) بالکل تنگ ہو گئی تھی موقوف کر دیا گیا، اس کے سوا اور بھی کتنی ہی سہولتیں رعایا کو حاصل ہوئیں جن کا ذکر اپنے اپنے مقام پر کیا گیا ہے، اور جن کے لئے وہ رعایا اور ہم دونوں سرکار عالی کے مراحم خسروانہ کے شکر گزار ہیں۔"

"از تجربه بخوبی ثابت شده که من جمله دفاتر صدر تعلقه داران و مجلس مالگزاری به نظر آسانی کارے که لائق تخفیف ست لهذا بریں امر ضروری کماحقهٔ غور مبذول شد، چونکه هر دو دفاتر برائے نگرانی انتظام متعلقه فرق همین ست که قیام صدر تعلقه داران در اضلاع می باشد و نگرانی ایشاں مقامی ست، و ارکان مجلس در مرکز ریاست می باشند و رسیدن اهل مقدمات تا بلده از مقامات بعیده دشوار ست و نگرانی تمامی اضلاع و تعلقات ازیں جا مشکل ست،

و به نظر وسعت آبادی ایں ریاست و لحاظ کارهائے مختلفه و علاقه جات متعدده که نگرانی و انتظام در اضلاع بدست یک عهده دار اعلیٰ ضرورست و به حیثیت داشتن وقعت و عزت او هم بر جمیع ملازمین و رعایا هم چنیں باشد که برائے اغراض سرکاری و انتظام هر علاقه و دادرسی رعایا مفید بود لهذا بعد استشاره صاحب عالی شان بهادر که در همه امور تجربه کامل دارند و برائے درستی انتظام علاقه سرکاری همیشه اعانت دوستانه می دهند، قرار یافت که مجلس مال گزاری تخفیف کرده شود و درجه صدر تعلقه داران را از حالت موجوده ترقی داده شود تا نقصانے که از تخفیف مجلس مال گزاری میشود تلافی آں گردد، و در انتظام کارهائے سرکاری سهولت و آسانی شود، لهذا هر سمت موسوم به صوبه و صدر تعلقه دار را لقب ناظم صوبه داده میشود و افسری علاقه سرکاری به ایں ناظم متعلق خواهد بود، و اختیاراتے که مجلس مال گزاری را حاصل بودند به اصلاح ضروری به ایشاں حاصل خواهند بود و دستور العمل که در آں تشریح اقتدارات و طریقه کارروائی به تفصیل مذکور ست عن قریب جاری و مشتهر کرده میشود۔

دریں مقام سرکار را اظهار ایں امر ضرورست که مجلس مال گزاری فرض منصبی

خود را بکمال محنت و استقلال امانت انجام داد و بعد وفات مدار المہام مرحوم
نگرانی و انتظام دفاتر ماتحت کماحقہ نمود چونکہ صاحب عالی شان بہادر نیز از
اظہار خوشنودی خود از کار مجلس و تصدیق لیاقت ہر رکن مجلس در تحریر خود
می فرمایند و بسر کار امید ست کہ از انتظام فائدہ بسیار بسر کار و رعایا
خواہد شد"

نظامتِ صوبہ غرض اس اعلان کے بعد ربیع الاول ۱۳۰۲ھ (جنوری ۱۸۸۵ء) کو مجلس مال گزاری تخفیف کردی گئی اور مجلس کے ہر سہ ارکان ایک ایک صوبہ کے ناظم بنا کر بھیج دیئے گئے چنانچہ مولوی مشتاق حسین کو صوبہ شرقی کا ناظم بنایا گیا مجلس کے دوسرے عہدہ دار بھی مختلف محکموں میں بھیج دیئے گئے، اس عہدہ پر آنے کے بعد مولوی مشتاق حسین کی تنخواہ ایکہزار سات سو قرار پائی۔

خطاب بہادری و جنگی جدید عہدہ پر سرفراز ہونے کے چند روز بعد ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) میں اعلیٰ حضرت کے دربار سال گرہ کے موقع پر نواب مختار الملک سالار جنگ ثانی کی سفارش سے مولوی مشتاق حسین کو خان بہادر انتصار جنگ کا خطاب بارگاہِ خسروی سے عطا ہوا گویا اس طریقہ سے نواب مدار المہام اور اعلیٰ حضرت آصف جاہ سادس نے ایک وفادار اور کارگزار افسر کے متعلق باقاعدہ طور پر اپنی خوشنودی اور قدر شناسی کا اظہار فرمایا۔

مولوی مشتاق حسین کو یہ خطاب بلا سعی و طلب ملا تھا، جیسا کہ وہ خود ایک موقع پر سر آسماں جاہ کو لکھتے ہیں:۔

"جنگی کا خطاب بھی جب مجکو ملا ہے تو میری کوئی درخواست اس کی نسبت
نہیں تھی بلکہ مجکو اس وقت اس قدر مہلت بھی نہ ملی کہ میں اپنا کوئی عذر بھی
اس کی نسبت اطمینان سے پیش کرتا، صبح کو دربار تھا رات کو حکم ہو چکا کہ

---

۵۷ غرہ اسفندار ماہ الٰہی ۱۲۹۴ف

کل دربار میں خطاب ہوگا دو نذریں لے کر حاضر ہو، یہ بھی اُس وقت تک معلوم نہ ہوا کہ کیا خطاب ہوگا، خطاب کا لفظ بھی نواب مختار الملک مرحوم ثانی نے خود تجویز فرمایا تھا، دربار کے وقت کے قریب تک مجکو اس کی صحیح اطلاع نہ تھی۔"

اِس زمانہ تک جن لوگوں کو "جنگی" خطاب حاصل ہوتا تھا اُن کے نام کے ساتھ نواب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا تھا، لیکن چند روز بعد کرنل مارشل پرائیویٹ سکرٹری اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں سرکاری طور پر خطاب یافتہ اشخاص کو لفظ نواب کے استعمال کی اجازت دے دی گئی اس بناء پر مولوی مشتاق حسین بھی اس زمانہ سے "نواب انتصار جنگ بہادر" کے نام سے مشہور ہوئے اور اپنے تمام زمانہ صوبہ داری میں اسی خطاب سے شہرت پائی۔

صُوبہ داری

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ کو ناظم صُوبہ کا لفظ بدل کر صوبہ دار کا لفظ تجویز کیا گیا۔ اِس بناء پر نواب انتصار جنگ بھی صُوبہ دار قرار پائے اور اُن کا احاطہ حکومت "صوبہ شرقی" اور زمانہ مابعد میں صوبہ ورنگل کے نام سے مشہور ہوا۔

ناظم یا صوبہ دار مقرر ہونے پر وہ فوراً اپنے دار الحکومت کو روانہ نہیں ہوئے بلکہ بلدہ میں رہ کر بعض سرکاری خدمات انجام دیتے رہے، چنانچہ ۲ جمادی الاخری ۱۳۰۲ھ (۱۸ اُردی بہشت ۱۲۹۴ف) کو وہ معتمد مال گزاری کے ذریعہ سے نواب مدار المہام کو لکھتے ہیں:

"بعد از شکست مجلس ہر قدر مدت کہ در بلدہ بودم اوقات کارگزاری و حاضر باشی محکمہ در ابتدا ابتدا، خود بضروریات سرکاری و در آخر آخر بوجہ علالت بعضے از عزیزاں آں قدر مختل بودند کہ بالالتزام تعمیل حاضر باشی محکمہ از ساعت یازدہ تا ساعت پنج کہ کم از کم درکار بود صورت نہ بست، گو کہ بہ یقین گفتن میتوانم کہ اگر تمام اوقات کہ درآں بکارہائے سرکاری مشغول ماندم جمع نمودہ شود، روزانہ آں از نصاب خاص بدرجہ زائد خواہد شد۔"

یہ تحریر اُنھوں نے مارکیٹ پلی سے لکھی ہے غرہ اُردی بہشت کو وہ اپنے مستقر حکومت کو روانہ ہو چکے تھے اور وہاں ۱۲ روز قیام کر کے ۱۴ اُردی بہشت کو صوبہ کے دورہ کے لئے نکلے تھے اس زمانہ میں صوبہ کا مستقر بھونگیر تھا، اُنھوں نے اپنے زمانہ صوبہ داری کی پہلی سہ ماہی میں ۱۰۸ روز دورہ کیا جس کی کل مسافت ۷۴۶ میل تھی۔

صوبہ شرقی نواب انتصار جنگ جس حصہ ملک کے صوبہ دار تھے وہ صوبہ شرقی کے نام سے موسوم تھا، حیدرآباد میں صوبوں کے رقبہ اور حدود میں برابر تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، چنانچہ نواب انتصار جنگ کے عہد صوبہ داری کے بعد بھی چند اہم تبدیلیاں ہو چکی ہیں یعنی بعض اضلاع ایک صوبہ سے علیحدہ کر کے دوسرے میں شامل کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ انتظامی تغیرات اور ترقی کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا، نواب انتصار جنگ کے زمانہ میں صوبہ داران کے اختیارات نہایت وسیع تھے، اُن کو صوبہ کے قریباً ہر محکمہ پر اقتدار حاصل تھا، صوبہ دار اپنے مقام پر نہایت جاہ و حشم سے رہتے اور بڑی شان و شوکت سے ملک کا دورہ کرتے تھے۔ گویا اس عہد تک قدیم مشرقی انداز باقی تھا اور دولتِ مغلیہ کی برباد شدہ عظمت کے آثار حیدرآباد میں جابجا نظر آتے تھے لیکن زمانہ مابعد میں تمام حالات بدل گئے۔

اب کشمکش اور بد انتظامی کے دور کا خاتمہ ہو چکا ہے اور اکثر اصلاحات جن کا اس زمانہ میں آغاز ہوا تھا مکمل ہو گئی ہیں اس لئے آج ہم اُس عہد کی حالت کا اندازہ نہیں کر سکتے اور نہ اُن مشکلات کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں جن کا آغاز اصلاح کے موقع پر کام کرنے والوں کو مقابلہ کرنا پڑا، اور اسی سبب سے ہم اُن کے کام کی اہمیت کو بھی پورے طور پر محسوس نہیں کر سکتے، لیکن واقعات کے سرسری مطالعہ سے ناظرین کو ایک حد تک اس امر کا اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں ملک انتظامی حیثیت سے بالکل ابتدائی حالت میں تھا، اور اصلاحات و احکام کا نفاذ اس قدر سہل نہ تھا جس قدر ہم آج خیال کر سکتے ہیں، سر سالار جنگ اور ہندوستان کے دوسرے نامور اور مدبر عہدہ داروں نے اپنی طویل اور پُر مشقت زندگی اس مقصد کے لئے صرف کی جب حیدرآباد اپنے سفر کے دشوار گزار

ابتدائی منازل طے کر کے اس مرتبہ پر پہونچا جہاں آج ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

صوبہ شرقی کی وسعت اور آبادی

جس زمانہ میں نواب انتصار جنگ صوبہ شرقی کے صوبہ دار بنائے گئے۔ اُس زمانہ میں صوبہ شرقی کے رقبہ و آبادی وغیرہ کی کیفیت حسب ذیل تھی:-

رقبہ ۲۰۴۰،۷ مربع میل، اس صوبہ کے حدود یہ ہیں، شمال میں صوبہ شمالی، جنوب میں دریائے کرشنا، مشرق میں دریائے گوداوری، اور احاطہ مدراس کے اضلاع کرنول و گنتور و مچھلی بندر اور مغرب میں ضلع اطراف بلدہ اور صوبہ جنوبی، منجملہ اس رقبہ کے ۱۹۴۵۹ مربع خالصہ رعیت واری زیادہ سے زیادہ عرض شرقاً و غرباً ۲۵۲ میل، اور طول شمالاً و جنوباً ۱۵۷ میل۔

آبادی ۱۷،۱۷،۶۳۰، ۱۷ لاکھ، ۱۷ ہزار ۶ سو تیس۔

اس صوبہ میں حسب ذیل ۳ ضلع تھے۔

ل ملک کی تقسیم قومی آبادی کے لحاظ سے تین طبقوں میں ہے - مرہٹواری، تلنگانہ، کرناٹک، شمالی مغربی ملک میں چونکہ مرہٹے رہتے ہیں اس وجہ سے وہ مرہٹواری کہلاتا ہے، تلنگانہ مشرقی کہلاتا ہے۔ اس میں تلنگی قومیں آباد ہیں، جنوب مغربی طبقہ کرناٹک ہے، اس میں کنڑے آباد ہیں ان اقوام کی آبادی ان طبقوں سے مخصوص ہے۔

انتظام کے لحاظ سے ملک چار صوبوں اور ۱۶ ضلعوں پر منقسم ہے اور ہر ضلع میں کئی تعلقات اور مواضعات ہیں۔

زمانہ قدیم میں ملک کی تقسیم صوبہ سرکار، اور محال پر تھی سنہ ۱۲۷۵ف میں سر سالار جنگ اول مرحوم نے اسمات اضلاع تعلقات تحصیل پر تمام ملک کو تقسیم کیا بعد انتظام ضلع بندی کے جب نواب سر سالار جنگ اعظم مرحوم کو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تعلقہ داران اضلاع کی نگرانی کے لیے چند افسروں کا تقرر کیا جائے تو مرحوم ممدوح نے ممالک محروسہ سرکار عالی کو پانچ اسمات میں تقسیم فرمایا، اور ہر ایک سمت کے لئے ایک ایک محکمہ صدر تعلقہ داری قایم کیا گیا،

(ماخوذ از بستان آصفیہ)

(۱) کھمم (اس ضلع کا نام اب ورنگل رکھا گیا ہی)

(۲) نلگنڈہ

(۳) ناگر کرنول (اس ضلع کو اب محبوب نگر کہتے ہیں)

اوّل الذکر ضلع کا رقبہ ۹،۷۰۹، مربع میل اور آبادی ۶،۷۵،۲۶، تھی یہ ضلع ۹ تعلقات اور ۱۶۱۴ دیہات رعیتواری پر مشتمل تھا، اس ضلع کا عرض بجانب مشرق و مغرب ۱۵۰ میل اور طول بجانب شمال و جنوب ۱۳۴ میل تھا، اس کے شمال میں ضلع ایلگنڈل جنوب میں دریائے کرشنا و ضلع گنتور احاطہ مدراس، مشرق میں دریائے گوداوری اور احاطہ مدراس کا ضلع مچھلی بندر اور مغرب میں اضلاع ایلگنڈل و نلگنڈہ واقع ہیں، اسی ضلع میں مشہور تعلقہ ورنگل بھی تھا جس کا رقبہ ۸۴۴ مربع میل اور آبادی ۳۱،۸۰۰، تھی، اور ضلع کی آبادی ۵،۰۶،۹۵۷ نفوس پر مشتمل تھی۔

ثانی الذکر ضلع کا رقبہ ۴۱۳۱ مربع میل ہی، اس کے شمال میں ضلع کھمم جنوب میں دریائے کرشنا جو اس ضلع کو احاطہ مدراس کے اضلاع کرنول اور گنتور سے جدا کرتا ہی مشرق میں ضلع ناگر کرنول اور تعلقات صرف خاص، مغرب میں اضلاع اطراف بلدہ اور ناگر کرنول واقع ہیں، اس ضلع کا زیادہ سے زیادہ عرض بجانب مشرق و مغرب ۷۰ میل اور طول بجانب شمال و جنوب ۸۶ میل تھا، ضلع ۵ تعلقہ پر مشتمل ہی اور دیہات رعیتواری کی تعداد ۷۰۱ ہی۔ ضلع کی مجموعی آبادی ۳،۶۷،۸۱۹ تھی۔

آخر الذکر ضلع ۷،۹۴۶ مربع میل ہی، اس کے شمال میں ضلع اطراف بلدہ۔ جنوب میں دریائے

۱؎ نواب انتصار جنگ نے ۱۲۹۴ف کی سالانہ رپورٹ میں اس ضلع کا رقبہ ۵۵۴۹ مربع لکھا ہی اسی طرح اضلاع کی آبادی اور دیہات کی تعداد میں بھی کسی قدر اختلاف ہی، مثلاً اُنھوں نے ۱۲۹۴ف میں ضلع کھمم کے دیہات خالصہ کی تعداد ۱۶۰۳ نلگنڈہ کے دیہات کی تعداد ۱۳۸۱ اور ضلع ناگر کرنول کے دیہات کی تعداد ۹۱۲ بیان کی ہی۔ چونکہ وہاں کے اضلاع میں جلد جلد تغیر ہوتا رہا ہی اس لئے مختلف سنین کے جغرافیہ میں اس قسم کا اختلاف ناگزیر ہی۔

کرشنا ہی جو اس ضلع کو احاطہ مدراس کے ضلع کرنول سے علیحدہ کرتا ہی، مشرق میں ضلع نلگنڈہ اور مغرب میں صوبہ جنوبی واقع ہی، عرض بجانب مشرق و مغرب ۱۰۲ میل اور طول شمال سے جنوب تک ۸۵ میل ہی، ضلع آٹھ تعلقہ پر منقسم ہی، دیہات کی تعداد ۴۸۰ ہی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ نواب انتصار جنگ جس صوبہ پر حکمرانی کرتے تھے، وہ رقبہ و آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کی اکثر مشہور اور نامور ریاستوں سے زیادہ وسیع و آباد تھا بلکہ اپنی وسعت کے لحاظ سے یورپ کی بعض خود مختار سلطنتوں کے ہم پایہ تھا۔

اِصلاحات

اب نواب انتصار جنگ ایک وسیع صوبہ کے گویا مطلق العنان حکمراں تھے، اس زمانہ میں عام رعایا پر حکومت کی اس قدر ہیبت تھی اور صوبہ دار اپنے حدود صوبہ کے اندر اس قدر با اختیار ہوتے تھے کہ جو چاہتے تھے کرتے تھے کسی کو شکوہ و شکایت کی جرارت نہیں ہوتی تھی، صوبہ دار کی شخصیت تو بہت بلند تھی، تعلقہ دار اور تحصیلدار بھی رعایا پر گوناگوں مظالم کرتے تھے، اور رعایا صبر کے ساتھ برداشت کرتی تھی، حکام کے اس طرز عمل کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ شخصی حکومت کے طریقہ اور پیہم انقلابات کی وجہ سے کوئی سرکاری عہدہ دار اپنی حالت پر مطمئن نہ تھا، سازشوں کا ایک طوفان برپا تھا جس کا انجام عموماً یہ ہوتا تھا کہ جو لوگ آج صاحب اقتدار ہیں، کل پا بہ جولاں نظر آتے تھے، یا کم سے کم ملازمت سے دستکش ہونے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس بنا پر ہر عہدہ دار یہ چاہتا تھا کہ اس چند روزہ اقتدار میں جو کچھ وہ حاصل کر سکتا ہی حاصل کرلے، اس کے علاوہ یوں بھی ریاست کے حکام مطلق العنانی کے خوگر ہوتے تھے، لہذا حکومت کا یہ طریقہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔

دورہ | نواب انتصار جنگ کی حالت عام عہدہ داروں سے مختلف تھی، وہ اپنے اقتدار سے رعایا کو فائدہ پہونچانا اور ماتحت عہدہ داروں کے مظالم کو رد کرنا چاہتے تھے، اُن کی یہ عادت تھی کہ وہ جو کام کرتے تھے، اُس پر پورا قابو حاصل کر لیتے تھے، اور اپنی کام کی تمام جزئیات سے واقف ہونا ضروری سمجھتے تھے، اس لئے صوبہ دار مقرر ہونے کے بعد اُنھوں نے یہ ارادہ کیا کہ تمام صوبہ کا دَورہ کر کے رعایا کی عام حالت کا بچشم خود مشاہدہ کریں۔ لیکن ابتدا میں سرکاری کاموں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ دورہ کے لیے مناسب موسم باقی نہیں رہا۔ تاہم اُنھوں نے کام سے فراغت پاتے ہی ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ (۸ رمارچ ۱۸۸۵ء) کو دورہ شروع کر دیا جو ۲۵ ررمضان (۱۰ رجولائی ۸۵ء) تک جاری رہا، اس چار ماہ کی مدت میں اُنھوں نے ۱۱ روز بھونگیر میں قیام کر کے اپنے محکمہ کے دفاتر کی اصلاح میں وقت صرف کیا، یعنی عملہ میں کام کو از سرِ نو تقسیم کیا، منشی خانہ کی ترتیب دی، اور رجسٹروں کے نمونوں کو از سر نو درست کیا، ان ضروری اصلاحوں سے فارغ ہو کر اپنے دورہ کا بقیہ زمانہ نلگنڈہ اور کھمم کے اضلاع میں صرف کیا۔

دورہ کی کل مسافت ۳۳۵ میل تھی، اس سلسلہ سفر میں اُنھوں نے ۱۵ کوچ اور ۲۷ مقام کئے ۳۵ یوم تک اُنھوں نے دو ضلعوں کے صدر مقام پر اور ۲۱ یوم تک ۷ تحصیلوں کے مستقر پر قیام کیا، ۱۶ یوم دیہات میں قیام رہا، وہ اپنے دورہ کی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ اضلاع کے صدر مقام پر طویل قیام کی خاص خاص وجوہ حسب ذیل تھیں۔

اوّل۔ تصفیہ بایدداد کے لئے زیادہ قیام کی ضرورت پڑی۔

دُوم۔ ضلع کھمم کے مستقر پر دو خاص کام بہت جھگڑے کے پیش آئے ایک حدود تعلقات کی اصلاح جو کہ بہت ابتر حالت میں تھی دوم اضلاع اور تعلقات کے عملوں کا تقرر از سر نو تجویز کرنا جو ایک بہت سنجیدہ کام تھا۔

سوم۔ مستقر پر علے العموم بھی بہ سبب اور کسی مقام کے کام زیادہ تھا، مختلف صیغوں

اور مختلف دفاتر کو دیکھنا پڑا۔

اِس کے بعد ہی اسی سلسلہ میں اُنھوں نے انتظامی جزئیات کی تفصیل بیان کی ہے، جن میں اُن کو مصروف و منہمک رہنا پڑا، لیکن چونکہ ان جزئیات کا تعلق زیادہ تر دفتر کی اندرونی اصلاح و ترتیب اور مختلف اضلاع کے قدیم رقبہ اور حدود کے تغیر و تبدل سے ہی، جس سے عام ناظرین کو دلچسپی نہیں ہو سکتی اس لیے ان انتظامات کی تفصیلی کیفیت نظر انداز کی جاتی ہے، اگرچہ یہ تمام کام جو اُنھوں نے انجام دیا بجائے خود ریاست کے لیے نہایت مفید و سودمند تھا۔

حکام کا طرزِ عمل

غرض اس دورہ میں اُنھوں نے اپنے صوبہ کے متعلق ہر قسم کی واقفیت حاصل کرلی اور اُن کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حکام کا طرزِ عمل رعایا کے ساتھ کس قسم کا ہے چنانچہ اُن کو یہ واقعات بھی معلوم ہوئے کہ جب ریاست کے حکام کسی حصہ ملک کا دورہ کرتے ہیں۔ تو جہاں جہاں اُن کا گزر ہوتا ہے رعایا مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے ان حالات کا نواب انتصار جنگ کے دل پر نہایت گہرا اثر پڑا چنانچہ اُنھوں نے نیم کنڈہ آکر وہاں سے صوبہ کے تمام تعلقہ داروں کے نام ایک خاص حکم جاری کیا بلکہ رعایا کی اطلاع کی غرض سے اُس کو شائع بھی کر دیا، اِس اعلان کے خاص خاص حصے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

نواب انتصار جنگ اس اعلان کو اس طرح شروع کرتے ہیں:-

> "جو ذاتی واقفیت مجکو اس صوبہ کے دورہ کے بعد رعایا کی حالت کی طرف سے حاصل ہوئی ہے وہ نہایت ہی پرافسوس واقعات پر شامل ہے، سرکاری ملازموں کے گروہ کے ہاتھ سے جس میں کسی صیغہ اور سررشتہ کے ملازموں کو مستثنےٰ نہیں کر سکتا رعایا کی جو حالت ہو رہی ہے اُس کو بغیر کسی مبالغہ کے مختصر طور سے اِن لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دیہات میں نہ مزدور کو اس کی مزدوری ملتی ہے، اور نہ اشیاء کے مالکوں کو اُن کی چیز کی پوری قیمت، اِلّا ماشاءاللہ اور جو شخص یا جو گروہ رعایا میں زیادہ مفلس اور زیادہ واجب الرحم ہے وہی سب سے زیادہ

فیض

پیسا جاتا ہے، کوئی آبادی اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے۔ جہاں ایک پیشہ کے چند لوگ آباد ہوں اور اُن کے باہم سرکاری لوگوں کے ہاتھ معاملت کرنے کے لیئے باری مقرر نہ ہو، وہ دوکاندار کو مٹی جو عین بارش اور سخت سردی کے دنوں میں راتوں سے اُٹھ کر اپنی دوکان کو سوں دور کسی بازار یا میلہ یا جاترا میں لے جاتے ہیں اور بھیگی زمین پر کچھ سہارا تجویز کر کے اپنی دوکان لگاتے ہیں جو موسم کی ایک گرمی اور سردی اپنے پیشہ کے جاری رکھنے میں خوشی سے برداشت کرتے ہیں، جب کہ اُن کے خاص گھر کے نزدیک سرکاری طلازموں کا گردہ پہونچتا ہے اور ایک ذریعہ اس بات کا موجود ہو جاتا ہے کہ دوکانداروں کی ہر ایک شئی اُن کے گھروں کے قریب میں فروخت ہو تو پھر یہ کیا بات ہے کہ کوئی اُن میں سے بستی کے باہر اپنی دوکان لانے کی جرأت نہیں کرتا، اور تحصیل کا چپراسی اور گاؤں کا پٹیل اس شخص کو تلاش کرتا ہے جس کی اس موقع پر باری ہوتی ہے، وہ اپنی دوکان لے کر باہر آتا ہے، مگر ایسی حالت میں کہ گویا اُس کو موت کے سامنے لیئے جاتے ہیں، میں اپنے لائق تعلقہ دار صاحبان اضلاع سے جن کو خود بھی اب ان باتوں پر غور کرنے کا معمولی موقع ملا ہے سوال کرتا ہوں کہ آخر یہ کیسی باری ہے اور یہ حالت مخلوق پر کیوں طاری ہے؟ کوئی جواب اس کے سوا نہیں کہ چیز کی پوری قیمت نہیں دی جاتی۔

دہنگروں کا جو کہ بکروں کے گلے رکھتے ہیں یہ حال ہے کہ جہاں اُنھوں نے سنا کہ کوئی سرکاری افسر گاؤں میں آنے والا ہے اپنی منڈی لیے وہاں سے چلدیئے، دہیڑ اور گونڈ اور دوسرے ادنیٰ درجہ کی رعایا جو کہ پوٹلی ڈہوتے ہیں اُن کے لیئے پہلے ایک پیسہ کوس اُن کے کام کی مزدوری مقرر تھی اور اب چند عرصہ سے سرکار عالی نے اس کی شرح دو پیسہ کوس مقرر کر دی ہے اور بلا شبہ

یہ ایک ایسی شرح ہی جس سے زیادہ اس جفاکش گروہ کو دیہات میں اور کوئی مزدوری نہیں ملتی مگر میں نے دیکھا ہی کہ جہاں انھوں نے سنا کہ اُن کے اطراف میں کسی سرکاری افسر کی بیگار چلی ہی گاؤں کے گاؤں خالی کرکے چل دیتے ہیں، اور جنگلوں اور جھاڑیوں میں جا کر پناہ لیتے ہیں، اور جب وہ شیطانی طوفان اُن کے گاؤں پر سے گزر جاتا ہی، تب پھر اپنے گھروں میں واپس آجاتے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ یہ حالت کیوں ہی! صرف اس لیئے کہ خوب تحقیق ہو گیا کہ شخصوں میں سے جو اُن سے بیگار لیتے ہیں، پانچ شاید اُن کو مزدوری دیتے ہوں تو دیتے ہوں، اور پچانوے فی صدی اُن سے مفت بیگار لیتے ہیں، اور دہنگروں سے تو جنگی ملت ہی اُن میں سو میں شاید کوئی ایک ہی ایسا خدا کا بندہ ہوتا ہوگا جو اس شرح پر اُن سے سودا کرتا ہو جو کہ بستی میں عام طور سے رائج ہو اور باقی سب کے سب اُن کے ساتھ ناانصافی سے پیش آتے ہیں، ہنیں بڑا رحم دل اور خداترس وہ شخص ہی جو اس نرخ کے مطابق بھی اُن کو دام دیتا ہو، جو کہ نہایت بے رحم اور سفاک اور کمینہ خصلت لوگوں نے بطور خود ٹھیرا رکھا ہی، اس ظالمانہ نرخنامہ میں مرغی کی قیمت چار پیسہ بلکہ دو پیسہ تک پہنچ گئی ہی، اور بکرے کی قیمت چھ آنہ اور اکثر آٹھ آنہ اور بہت ہی شاذ ہی کہ بارہ آنہ بھی۔ اور بعض جگہ تو مجکو معلوم ہوا ہی کہ روپیہ کے تین بکرے بھی لیئے گئے تھے غرض کہ چہارم قیمت بھی مرغیوں اور بکریوں کے مالکوں کو نہیں ملتی، مگر جب کہ سرکاری خدمت رکھنے والے لوگوں کو یہ چیزیں ایسی ارزاں ملتی ہیں تو ہر چھوٹے سے چھوٹا شخص بھی جب کہ کام پر باہر جاتا ہی تو مرغی اور بکرا ہی تلاش کرتا ہی، گاؤں والے روتے ہیں کہ صاحب ہم ایک مرغی تک نہیں پال سکتے سرکاری ملازم جہاں دیکھ لیتے ہیں گھروں میں سے گھس کر لے جاتے ہیں۔

پھر سب کو معلوم ہے اور بیان کی حاجت نہیں ہے کہ گھانس اور لکڑی اور مٹی کے برتن اور مرغیں اور گھڑونچیاں ان چیزوں کی کچھ قیمت ہی نہیں ہے، یہ ایسی ہی ہر ایک سرکاری ملازم کے لئے مفت ہیں، جیسے خدا کی بنائی ہوئی عام مخلوق کے لیے، حالانکہ ان میں سے ہر ایک چیز ایک کافی قیمت رکھتی ہے اسی موسم تابستاں میں جب کہ میرا دورہ نلگنڈہ کے ضلع میں تھا تو بعض مقامات پر پیال اور لکڑی مشکل سے ملی اور گھانس اسقدر گراں ملی کہ حیدرآباد کی بہ نسبت ہم کو چہار چند قیمت دینی پڑی، مٹی کے برتن ایسے قیمتی ہوگئے کہ ساتھ کے لوگ جو ان کو ہر جگہ چھوڑ دینے کے خوگر ہوتے ہیں ایک دفعہ خرید لینے کے بعد پھر آیندہ کی منزلوں میں بھی اُن کو ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے تھے

مجھ سے بڑے بڑے مباحثے لوگوں سے اس باب میں رہے ہیں، بہت جگہ لائق لائق لوگوں نے مجھ کو اس باب میں قائل کرنا چاہا کہ ان چیزوں کے مفت لینے کا ایک قدیمی رواج رہا ہے اور جس طرح وہ بہم پہنچائے جاتے ہیں اس کے لحاظ سے ممکن نہیں کہ ہم اُن کے مالکوں کو اُن کی قیمت دے سکیں وہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں بقدر احتیاج اس گاؤں میں بہم نہیں پہنچتیں جہاں ہمارا قیام ہوتا ہے لامحالہ وہاں کے پٹیل و پٹواری وغیرہ دوسرے دیہات قرب و جوار سے منگاکر پہلے سے جمع کر لیتے ہیں اور ان دوسرے دیہات والوں کا یہ حال ہے کہ چیز لائے اور پھینک کر چلتے ہوئے، کتنا ہی اُن کو ٹھہراؤ نہیں ٹھہرتے پھر دام دیئے جائیں تو کس کو دیئے جائیں اگر فرودگاہ کے گاؤں میں دیدیے جائیں تو غیر مستحق لوگ کھا جائینگے اور اصلی مالکوں کو نہ پہنچینگے میں نے اُن کو سمجھایا کہ یہ تمام خرابیاں اور خلجان صرف اس لیئے پیدا ہوئے ہیں کہ تم نے ان چیزوں کی قیمت دینی چھوڑ دی اگر تم ہر ایک چیز کی واجبی قیمت

وقت پر دو تو اسی گاؤں سے جہاں تم ٹھہرے ہوتے ہو تمھارے مایحتاج سی
وہی چیز دو چند سہ چند میسر آسکیگی، اگر وہاں نہ ہوگی تو وہاں کے لوگ دوڑ کر
دوسری کسی جگہ سے لے آوینگے اور تم کو خبر بھی نہو گی، دوسرے گاؤں کے
لوگ جو چیز لیکر آتے ہیں وہ اس لیے بھاگتے ہیں کہ چیز تو گئی سو گئی اب کہیں
وہ خود بیگار میں نہ پکڑے جاویں، اگر اُن کو یقین ہو کہ اس چیز کی قیمت ملنے والی
ہی تو اگر کوئی اُن کو ٹالنا بھی چاہے تو وہ ہرگز نہ سرکینگے، اور اگر کسی جگہ کوئی
شخص کوئی چیز تم کو دیتا ہی تو تم اُس کی قیمت ادا کرنے میں یہ تامل نہ کرو کہ
یہ چیز اسی کا مال ہی، یا اُس نے کہیں سے جمع کی ہی اور یہ قیمت اصل مالکوں کو
پہنچیگی یا نہیں تم اپنا فرض ادا کرو جو تمھارے اوپر ہی، اور جو اُس کا فرض ہی اُسکی
ذمہ داری اُس پر چھوڑ دو۔"

اِس کے بعد وہ اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ اگر دورہ کرنے والے حکام ہر چیز کی قیمت بازاری نرخ کے مطابق احتیاط سے ادا کر دیں تو اُن کو ہر جگہ ہر چیز کافی مقدار میں حاصل ہوسکیگی۔ چنانچہ اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"گزشتہ سال بی بی نگر کے مقام پر میرے ساتھ والوں کو کسی چیز کی ضرورت
تھی یہ چنے مطلوب تھے یا کہ بھوسہ گاؤں والوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں تو اتنا ہی
تھا جتنا ہم دے چکے اور نہیں ہی، فلاں گاؤں میں ہی، میں نے حکم دیا کہ نقد روپیہ
بھیجکر اُس گاؤں سے چیز منگائی جائے، ایک ہنڈی جاوے اور لے آوے، روپیہ کا
نام سن کر اُن لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ نرخ کیا ہوگا، میں نے کہا جو بستی کا
نرخ ہو، اُنھوں نے کہا کہ بستی میں تو یہ نرخ ہی، میں نے کہا کہ اسی نرخ سے لینگے۔
اس پر ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا وہ لوگ اُٹھے اُنھوں نے کہا کہ چیز حاضر ہی
کس قدر مطلوب ہی چنانچہ جس قدر مطلوب تھی اُنھوں نے حاضر کر دی اور معذرت

کی کہ نرخ کے خوف سے ہم نے عذر کیا تھا! اور معلوم ہوا کہ جس قدر ہم کو احتیاج تھی اُس سے سو حصہ زیادہ وہ چیز وہاں موجود تھی، میں نے اُن کا اطمینان کر دیا کہ اُن کی اس حرکت سے میں نے کچھ برا نہیں مانا اور ایسے تجربے حاصل کرنے کا خود مجھ کو اشتیاق ہے۔"

اس کے بعد اُنھوں نے سرکاری ملازمین کو یہ بتایا ہے کہ دورہ کی حالت میں کس قسم کا کام وہ خدمت پیشہ رعایا سے بلامعاوضہ اپنے پاس سے ادا کرنا چاہیئے، اسی سلسلہ میں اُنھوں نے اپنے ایک دوسرے اعلان کا حوالہ دے کر (جو بیگار وغیرہ کی اصلاح کے متعلق ہے) اس کے مطالب کی توضیح کی ہے، اور سرکاری ملازمین کو آگاہ کیا ہے کہ وہ ان احکام پر عمل کریں۔

بیگار اور دوسرے مظالم کی اصلاح | چونکہ یہ احکام ضروری اصلاحات پر مشتمل ہیں اس لیے ان کا ماحصل بیان کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

(۱) بیگار کی اُجرت جس کا شرح دو پیسہ فی کوس ہے پیشگی ادا کی جائے۔

(۲) ایک بیگار کا بوجھ ۱۲ سیر پختہ سے زیادہ نہو، اور اس طرح احتیاط سے باندھا جائے کہ بیگاری کو اس کے لے چلنے میں کوئی غیر معمولی تکلیف نہو نیز یہ کہ اس کا ایک ہاتھ کھلا رہے ایسا نہو کہ دونوں ہاتھ گھر جائیں۔

(۳) کسی مریض کو بیگار لے جانے پر مجبور نہ کیا جائے اور تندرست کو بھی ایک بیگار پہنچانے اور دوسری بیگار اُٹھانے کے درمیان اس قدر آرام کی مہلت ملنی چاہیئے جس قدر کوس کہ وہ پہلے طے کر چکا ہے، مثلاً اگر ایک کوس گیا اور آیا تو دو گھنٹہ کی مہلت اور دو کوس گیا اور آیا ہے تو دو گھنٹہ کی۔

(۴) حمالی یا رہ نمائی کے علاوہ جب دوسرے خانگی کاموں کے لیے فرودگاہ پر کسی بیگار سے کام لینا ہو، تو اس کی اُجرت کا اوّل فیصلہ کر کے پیشگی ادا کرنا ضروری ہے۔

(۵) عورتیں بیگار کے لیئے مجبور نہ کی جائیں۔ لیکن جب کہ وہ خود اُجرت کی طرح سے بخوشی

جانا منظور کریں۔

(۶) باربرداری کے لیئے زراعت کے بیل نہ پکڑے جائیں۔

(۷) جب تک تعلقہ دار یا تحصیلدار یا ٹھیکدار تعلقہ کا خاص حکم نہ آئے کوئی دوکاندار بستی سے باہر دوکان لانے پر مجبور نہ کیا جائے اور جب کسی ایسے حکم کی بنا پر دوکان بستی کے باہر لائی جائے تو تحصیل سے دوکاندار کو ایک نرخ نامہ دیا جائیگا، جس کے مطابق اجناس کی خرید و فروخت ہوگی، اس نرخنامہ میں اس کا خیال رکھا جائیگا کہ بلحاظ دوکاندار کے ہرجہ کے بستی کے نرخ کے مقابلہ میں اس کے ساتھ خفیف رعایت کی جائے۔ نیز تحصیلدار اس کا ذمہ دار ہوگا کہ مسافروں کی فرودگاہ پر دوکان دار پر کوئی ظلم نہ کیا جائے، اور اُن کو ہر چیز کی قیمت بروقت مل جاوے۔

(۸) دوکان بستی کے اندر ہو یا باہر دام فوراً بروقت خرید ادا کیئے جائیں اور چیزوں کی خرید و فروخت جس طرح بازار میں ہوتی ہے، عام اس سے کہ از قسم غلّہ کوئی چیز خریدی جائے، یا مرغی، بکری، لکڑی وغیرہ، وہ سابق کا طریقہ کہ چلتے وقت دام دیئے جائینگے یا حساب کیا جائیگا۔ قطعاً ممنوع قرار دیا جاتا ہے،

(۹) سرکاری ملازمین اور عام لوگوں کے نرخ کے درمیان کوئی فرق نہو گا، اور سرکاری ملازمین یا دوسرے مقتدر لوگوں نے جو جبریہ نرخ بکری اور مرغی وغیرہ کا مقرر کر رکھا ہے وہ قطعاً منسوخ کیا جاتا ہے۔

(۱۰) اشیائے کمیاب اور نایاب کی فرمایش نہ کی جائے، دیہات سے پلنگ منگانے میں احتیاط کی جائے۔ اس سے گاؤں والوں اور اُن کے بال بچوں کے آرام میں بہت خلل پڑتا ہے، اور ایسی چیزیں دیہات میں ضرورت سے زیادہ نہیں ہوتیں لیکن اگر کبھی اتفاق سے کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو اوّل اُس کا کرایہ برضامندی طے کر کے پیشگی ادا کر دیا جائے۔

اعلان کے آخر میں ملازمین پولیس کو ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ان احکام کی خلاف ورزی کرے تو وہ مزاحمت کریں اور اپنے گاؤں کی رعیت پر ظلم نہ ہونے دیں، خواہ وہ

ظلم کرنے والا فوج کا سپاہی اور سرکاری ملازم ہو یا اور کوئی مقتدر شخص ہو۔

اسی سلسلہ میں نواب انتصار جنگ نے اس اعلان کی بعض دفعات کی توضیح کی ہے، اور نہایت مؤثر الفاظ میں اپنے ذاتی مشاہدات اور اُن واقعات کو بیان کیا ہے، جو رعایا کی حالت سے تعلق رکھتے ہیں، اُن کے بیان سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کو رعایا کی بہبودی اور اصلاح حالت کا کس قدر خیال ہے۔ چنانچہ وہ دفعہ ۳ کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"نہایت افسوس کے لایق ہوتی ہے بیگار کی وہ حالت جب کہ وہ ابھی بوجھ پہونچا کر آیا ہے، اس کا پسینہ بھی خشک نہیں ہوا ہے کہ دوسرے کسی موذی نے اُس کو آن دبایا اور اب موت کی طرح وہ اُس کے سر پر سوار ہے، اور زبردستی وہ اُس کو اپنے سامنے دھر لیتا ہے، مریضوں کو بھی میں نے مبتلائے مصیبت ہوتے دیکھا ہے، گزشتہ سال کے دورہ میں خود میرے ساتھ کے بیگاروں میں ایک عورت تھی جس کی پنڈلی میں سے خون بہا جاتا تھا اور کپڑا بندھا ہوا تھا اور بے دردی کے ساتھ اُس کو لے گئے تھے، میں نے واپسی کے وقت اُس کو دیکھا، اور اُس وقت مجکو سخت ہی افسوس ہوا، اور جو کچھ اُس وقت مناسب تھا میں نے اُس عورت کی استمالت کی، میں کہتا ہوں کہ ہماری ہزار ضرورتوں کا خون ہو جانا ایک طرف تھا (جس کا ہم سو طرح پر دوسرا بندوبست کر سکتے ہیں) اور اس طرح پر ایک عاجز اور ناتوان رعایا کا ستایا جانا ایک طرف ہے"

دفعہ ۴ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"مجکو اس قسم کی اطلاعیں بھی ہوئی ہیں، کہ بعض بدمعاش لوگ اصرار کر کے عورتوں کو بیگار میں ساتھ لے جاتے ہیں، اور تنہا پا کر اُن پر ناجائز حملہ کرتے ہیں، اسی سال کے میرے دورہ میں ایک اسی قسم کا واقعہ ہو گیا، میں مقام ڈنڈم پلی تعلقہ نلگنڈہ میں مقیم تھا۔ جہاں مجکو اطلاع ملی کہ ایک ہاتھی کا چارہ لانے والا ملازم اس گاؤں سے ایک دہیڑ کی عورت کو راستہ بتانے کی ضرورت سے ساتھ لے گیا اور جنگل میں اس پر ناجائز حملہ

کیا وہ عورت اور اُس کا خاوند دونوں میرے سامنے پیش ہوئے، اور وہ مجرم ہاں سے نلگنڈہ کو چل دیا تھا عورت کا بیان یہ تھا کہ اُس ہاتھی والے نے میرے ساتھ بد ارادہ کیا تھا مگر کچھ کرنے نہیں پایا کہ میں بھاگ گئی اُس کے خاوند کا اُس وقت غصہ کے مارے یہ حال تھا کہ کانپ رہا تھا، اور بار بار کہتا تھا کہ میرے پیٹ میں آگ لگ گئی ہے، اور ضرور کچھ ہوا ہے اور یہ عورت چھپاتی ہے اُس وقت مجکو یہ خطرہ ہوا کہ بعید نہیں جو یہ اپنی عورت کو ہلاک کر دے بڑی مشکل کے ساتھ میں نے اس ڈھیڑ کا غصہ فرو کیا، اور اُس کے ذہن نشین کیا کہ تیری عورت کی عصمت بدستور باقی ہے اور جو یہ کہتی ہے وہی سچ ہے، اور اگر اس کی کوئی برائی ہوتی تو وہ اس بات کا بھی اظہار کیوں کرتی، بالآخر میں نے اُس مقدمہ کو عدالت فوجداری ضلع میں دائر کرایا اور وہاں سے بہ اثبات جرم حملہ مجرمانہ چھ مہینہ قید سخت کی سزا ملزم کو ہوئی اور وہ میاں اور بی بی خوش خوش عدالت سے اپنے گھر کو روانہ ہوئے"۔

اسی سلسلہ میں دفعہ ۹ پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ :۔

"اب اس چار پیسہ کی مرغی اور چھ آنے آٹھ آنے کے بکرے کو چاہیئے کہ اس صوبہ سے رخصت دی جاوے آیندہ نہ سرکاری لوگوں کے لیئے گھی چھ روپیہ من (ایک من = ۱۲/ کے ۔ فی روپیہ دو سیر) بالالتزام خرید اجاوے نہ گھانس و لکڑی و برتن مفت لیئے جائیں اور نہ دوسری کوئی چیز، اور کوئی فرق نہ رہے، سرکاری لوگوں کی خرید و فروخت اور عام لوگوں کی خرید فروخت میں"۔

نواب انتصار جنگ نے صرف احکام ہی جاری نہیں کیئے بلکہ ان احکام کی تعمیل بھی کرائی وہ اس نکتہ سے بے خبر نہ تھے کہ صرف احکام جاری کر دینا کافی نہیں، تا وقتیکہ اس کی نگرانی نہ کی جاوے کہ ان احکام پر عمل بھی ہوتا ہے یا نہیں جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں :۔

"میں نے پورا پورا اور حتمی ارادہ کر لیا ہے کہ اس عام مصیبت کو رعایائے صوبہ

پر سے دفع کر دیا جاوے پس تمام لوگوں کو بالیقین معلوم کر لینا چاہیے کہ جو کچھ مال اور عدالت اور کوتوالی اور متفرقات کی نسبت مجھ کو اختیارات حاصل ہیں میں اپنی پوری قوت اس میں صرف کر دونگا، نیز میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ تعمیل صرف حکم دینے سے نہیں ہو جاتی تا وقتیکہ اس کی نگرانی عملی طور سے نہو، میں اس سے بھی بخوبی واقف ہوں کہ جس عادت کو میں لوگوں سے چھڑانا چاہتا ہوں وہ اکثروں کی اب ایک طبیعت ہو گئی ہے، لہذا میں نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ ایسوں کے قصور کو معاف کرنا اس اُمید پر کہ وہ پھر ایسا نہ کرینگے ایک فضول توقع ہے"۔

چنانچہ نواب انتصار جنگ نے ان احکام کے جاری کرنے کے بعد اُن کی پوری نگرانی کی، اور جن لوگوں نے خلاف ورزی کی اُن کو سزائیں دیں یہاں تک کہ بعض تحصیلداروں کو موقوف و معطل کر دیا، اور جو لوگ اُن کی نظروں میں مشتبہ تھے اُن کو صاف طور پر متنبہ کر دیا کہ وہ اپنے نتائج اعمال سے بے خبر نہ رہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے صاف طور پر لکھ دیا کہ:۔

"حال کے انتظام کی تمام تر کامیابی تحصیلداروں ہی پر منحصر ہے اگر تحصیلدار دل و جان سے سعی و توجہ کرینگے تو سب انتظام ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اور اس نہیں کے ساتھ ہی اُن کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن کا قیام بھی پھر تحصیلداری کے عہدہ پر ممکن نہیں۔ اگر کسی تعلقہ میں اس قسم کا اندھیر آئندہ بھی باقی رہے اور یہی شکایت پھر بھی سُننے میں آوے تو یقیناً ہم ایسے تحصیلدار کو تحصیلداری کے عہدہ کے بالکل ناقابل سمجھینگے"۔

نواب انتصار جنگ کو اپنے مضبوط ارادے اور اعتماد علی النفس کی بنا پر اس کا پورا یقین تھا کہ وہ جبر و ظلم کا خاتمہ کر کے رعایا کی امن و عافیت کا انتظام کر سکینگے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ نہایت سخت وبا ہے جو کہ مدت سے ملک کو تباہ کر رہی ہے اور اس کا تدارک بھی جبتک ایسا ہی سخت نہو گا، کسی اصلاح کی اُمید نہیں ہے، مگر میں ہرگز مایوس نہیں ہوں اور پوری توقع ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد ایک ایسا دن بھی آویگا کہ ہم ایک گاؤں میں جا کر ٹھیر ینگے جہاں کی رعایا اپنے بادشاہ کو دعا دیتی ہوگی اور کوئی شکایت ایسی اُن کی زبان سے نہ سنی جاویگی جس کے سننے سے اب جان عذاب میں ہے۔"

اِن احکام کے نافذ کرنے کے کچھ مدّت بعد وہ نواب مدار المہام کو لکھتے ہیں:۔

"ایک بڑی مصیبت جس میں رعایا مبتلا تھی رسد اور بیگار کے متعلق تھی نہ چیز کی پوری قیمت وقت پر مالکوں کو ملتی تھی، اور نہ بیگاریوں کو پوری اُجرت، بہت سی چیزیں مفت اور بہت بیگاریں بلا اُجرت لی جاتی تھیں، اور جب اس سال کے دورہ اور گزشتہ دورہ کے لحاظ سے میں رعایا کی ان مصیبتوں اور اُن کے وجوہ و اسباب پر پورا پورا مطلع ہوا، تو میرا مادہ ہوا کہ آیندہ کے لیئے ان دردناک کارروائیوں کا، اچھی طرح تدارک کیا جاے چنانچہ جو سخت انتظام اس باب میں میں نے کیا اُس کو میں سرکار میں علیحدہ پیش کر چکا ہوں۔

اِس انتظام کو نواب مدار المہام سرکار عالی نے پسند فرما کر تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں جاری فرما دیا ہے۔ اور آیندہ میرا اُس کے متعلق یہ کام باقی ہے، اور ابھی کئی برس تک باقی رہیگا کہ جس دلی درد کے ساتھ میں نے اس کو شروع کیا ہے، اور اسی دلی درد کے ساتھ آیندہ اس کی تعمیل کی بھی نگرانی کرونگا۔"

غرض نواب انتصار جنگ کی سعی بارآور ہوئی، اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے عہدہ کو چھوڑیں

صوبہ کی حالت بدل گئی اور اُن کا عدل و انصاف تمام صوبہ میں ضرب المثل ہو گیا، یہاں تک کہ دوسرے صوبوں میں بھی یہ احکام نافذ ہوئے اور رعایا کو ایک حد تک آزادی نصیب ہوئی۔

اصلاح حدود ایک کام اس دورہ میں یہ انجام پایا کہ اُنھوں نے (اضلاع کے) تعلقات کے حدود کو درست کیا چنانچہ ضلع ناگر کرنول اور نلگنڈہ میں اس سال صرف دو تین ایسے مواضع کو جو تعلقات کے مستقر سے بہت ہی فاصلہ پر واقع ہوئے تھے، دوسرے متصل کے تعلقات میں شامل کیا اور باقی ضروری اصلاحیں جدید بندوبست پر جو عنقریب ہونے والا تھا موقوف رکھیں، لیکن ضلع کھمم کی اصلاح پر جہاں ابھی بندوبست میں عرصہ تھا اور تعلقات کی حالت ابتر تھی زیادہ انتظار نامناسب سمجھ کر اُنھوں نے فوراً توجہ کی اور اس ضلع کے ۶ تعلقات کے حدود کو اسی دورہ کے زمانہ میں درست کر دیا۔

اس اصلاح میں دیہات کا شمول وخروج بکثرت عمل میں آیا، ان سب تعلقات کی حالت یہ تھی کہ نہ کسی ایک حلقہ میں تھے اور نہ مناسب وموزوں علاقہ کسی تعلقہ میں تھا، اکثر دیہات ایسے منتشر واقع ہوئے تھے کہ کئی کئی منزل دوسرے تعلقہ میں سفر کرنے کے بعد مختلف تعلقات کے منتشر دیہات ملتے تھے، اور اکثر علاقے تحصیل کے مستقر سے اس قدر دور فاصلوں پر واقع ہوئے تھے کہ دوسرے افسروں کا تو کیا ذکر خود تحصیلدار تعلقہ کا بھی وہاں مشکل سے گزر ہوتا تھا، یہ ایسی خرابیاں تھیں جن کا اثر مال گزاری کے انتظام پر بہت خراب پڑتا تھا، اس لئے نواب انتصار جنگ نے ضلع کے مستقر پر پہنچکر تعلقہ دار ضلع اور متعدد تحصیلداروں اور دوسرے عہدہ داروں کے مشورہ سے ہر ایک تعلقہ کے حدود کو از سرِ نو قایم کیا، اور بہت کچھ رد و بدل دیہات کے اس انتظام سے عمل میں آیا، جس سے رعایا اور سرکاری ملازمین دونوں کو سہولت حاصل ہوئی۔

قسط بندی کے اوقات کی اصلاح اِسی دورہ میں نواب انتصار جنگ نے یہ ضرورت محسوس کی کہ تلنگانہ میں قسط بندی کے جو چار اوقات مقرر ہیں وہ ملکی حالت کے لحاظ سے

ناموزوں ہیں، اس لیئے کبھی اس پر عمل بھی نہیں ہوتا، یعنی مقررہ رقم سے بہت کم روپیہ وقت پر وصول ہوتا ہی اور جو کچھ ہوتا ہی وہ بھی رعایا کے لیئے باعثِ تکلیف ہی، لہٰذا اگر اُس کے وصول کرنے میں اور زیادہ اہتمام کیا جائے تو رعایا کے لیئے یقیناً تباہی کا باعث ہوگا۔ اس بنا پر اُنھوں نے متعدد تجربہ کار عہدہ داروں سے مشورہ کرکے اُن کی رائیں حاصل کیں، قسط بندی کی موجودہ ناموزونیت کو سب نے تسلیم کیا اور جدید تجویزیں پیش کیں لیکن نواب انتصار جنگ نے ان تجاویز پر یہ اعتراض کیا کہ :۔

"جب تک اس بات کا اطمینان نہو کہ جس مہینہ میں ہم جس قدر حصہ کل محاصل سالانہ میں سے بطور قسط کے قرار دیتے ہیں اس کی مناسبت سے رعیت کے پیداوار بھی موجود ہی، تب تک اس قسم کی کوئی اصلاح کیونکر مفید ہوگی، میں اپنے دو گزشتہ برسوں کے دورہ میں اس بات کو اچھی طرح دیکھ چکا ہوں کہ ہر ایک جگہ اراضیات مزروعہ کی تقسیم چارگانہ فصلوں میں کسی ایک اندازہ سے نہیں ہوتی کسی علاقہ میں کوئی فصل زیادہ ہوتی ہی اور کسی میں کوئی، پھر یہ اختلاف ایک ضلع کی حالت میں دوسرے ضلع ہی کی حالت کے مقابلہ میں نہیں ہی، بلکہ ایک ضلع میں کسی تعلقہ کی کچھ حالت ہی اور کسی کی کچھ۔"

اِسی سلسلہ میں اُن اختلافات کو بیان کرنے کے بعد جو مختلف "تعلقات" کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"یہ تمام اختلافات جو اراضی مزروعہ مقبوضہ رعایا کے اقسام اور مقدار اور ذرائع آب پاشی اور اقوام زراعت پیشہ کی تمدنی حالت اور اُن کے مذاق طبیعت اور اُن کے افلاس یا استطاعت اور سامان ہائے زراعت پر مبنی ہیں اس قدر قوی اثر کے ساتھ ہر ایک جگہ قایم ہو گئے ہیں کہ اُن پر غالب آنا ہمارے امکان سے خارج ہی، اور کوئی چارہ نہیں ہی بجز اس کے کہ ہم اپنے انتظامات مال گزاری کو اُن

اختلافات کے تابع کریں"۔

اس کے بعد اُنھوں نے موجودہ انتظام اور جدید تجاویز پر نکتہ چینی کی ہے کہ اُن میں اختلاف حالات کا لحاظ نہیں رکھا گیا اُن کا خیال ہے کہ :۔

"ہمارا انتظام جب کہ رعیت داری ہے، تو ہمارا کام ہے کہ ہر ایک رعیت کے ساتھ ہم ایسا بندوبست رکھیں جس سے وہ آسایش کے ساتھ اپنے ذمہ کا مطالبہ ادا کر سکے بدون اس کے کہ کسی ساہوکار یا مہاجن کے ہاتھ میں اپنے آپ کو گرو کر دے جس میں ایک دفعہ مبتلا ہو جانے کے بعد پھر نجات پا جانا بہت بڑے خوش قسمت کاشتکاروں کا کام ہے"۔

غرض اُنھوں نے اپنے دورہ کا ایک بڑا حصّہ ختم کر کے "نمکنڈہ" کے مقام پر اس اہم مسئلہ کے تصفیہ کے لئے ایک مجلس منعقد کی جس میں تعلقہ دار ضلع، چار لائق اور تجربہ کار تحصیلدار اور متعدد دیسمکھ، دیس پانڈے، پٹیل، پٹواری اور دیگر زراعت پیشہ لوگ شامل تھے۔ نواب انتصار جنگ نے صورتِ واقعہ سب کے سامنے پیش کی۔ کامل دو روز مباحثہ جاری رہا۔ مفصلہ ذیل اُمور پر بحث ہوئی:۔

(۱) بارش کے اوقات۔

(۲) ہر ایک فصل میں کیا کیا اجناس کاشت ہوتی ہیں۔

(۳) تخم ریزی کا وقت۔

(۴) مختلف فصلوں کی تیاری کا وقت۔

(۵) کس قدر وقت فصل کے درود ہونے کے بعد سے اس وقت تک صرف ہوتا ہے جب کہ مال بازار میں جاکر فروخت ہو سکے۔

ان اُمور کے طے ہو جانے کے بعد قسط وصول کرنے کے لئے چار اوقات جو مناسب و موزوں تھے تجویز کئے گئے یہ درحقیقت ایک بڑی اصلاح تھی جو عمل میں آئی اور جس سے رعایا کو بہت فائدہ

پہنچا جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں :-

"تلنگانہ کے کاشتکاروں کی حالت آج بہت سقیم ہے، بہت کم کوئی ہے جو کسی ساہوکار کا مقروض نہ ہو، اور منجملہ اُن تدبیرات کے جن سے رعایائے زراعت پیشہ کی حالت کو ترقی دی جاسکتی ہے اقساط کے اوقات کو ٹھیک کر دینا سب سے زیادہ اہم اور ضروری امر ہے۔ دیہات کی اکثر رعایا ہمارے دے، واسعنداراور اُردی ہشت دامراد کو نہیں سمجھتی، اور پٹیل و پٹواری کی غلام بنی رہتی ہے، لہذا یہ ضرور ہے کہ ایک ایسا وقت اُن کو بتایا جائے جس کو وہ خود بھی سمجھ سکیں اور پٹیل و پٹواری کی بے جا حکومت کی پروا نہ کریں، اُن کی عورتیں اور بچے تک یہ سمجھ لیں کہ سرکاری مطالبہ ہم کو کس وقت ادا کرنا ہے"

اس سلسلہ بحث میں اُنھوں نے جدید انتظامات کی تفصیل بیان کی ہے اور جو نکتہ چینیاں اس انتظام پر ہو سکتی ہیں اُن کا مدلل جواب دیا ہے اس کے علاوہ بعض اور جزئیات پر جن کا رعایا کی آسائش و سہولت سے تعلق ہے بحث کی ہے، لیکن یہ مقامی حالات عام ناظرین کے لیئے زیادہ مفید و دلچسپ نہیں ہو سکتے۔

صوبہ کی آبادی اور اندرونی اصلاح پر توجہ

تلنگانہ میں بکثرت دیہات ویران و بے چراغ تھے، اگرچہ ریاست کی طرف سے ان مقامات کی آبادی کے لیئے خاص قواعد موجود تھے، لیکن باوجود طویل زمانہ گزر جانے کے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلا تھا، نواب انتصار جنگ کی ہمہ گیر طبیعت سے یہ ناممکن تھا کہ وہ اس کو محسوس نہ کرتے چنانچہ اُنھوں نے دورہ کے زمانہ میں اس معاملہ پر بھی توجہ کی اور یکے بعد دیگرے دو مفصل یادداشتیں مدارالمہام کی خدمت میں بھیج کر ان ویران مقامات کی آبادی کے متعلق نہایت مفید و جدید تجاویز پیش کیں، اور بہ تفصیل بتایا کہ موجودہ قواعد سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی پہلی یادداشت میں لکھتے ہیں۔

"۱۲۹۰ف کے دورہ میں میرا گزر ضلع کھمم کے اکثر ایسے جنگلوں اور جھاڑیوں میں ہوا

جہاں منزلوں تک کسی آبادی یا زراعت کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ بنڈی کے راستے جو کہیں کہیں جنگلوں میں پائے جاتے تھے وہ صرف ان بنڈیوں کے راستے تھے جن میں جنگلوں سے لکڑیاں کاٹ کر تجارت کے واسطے لے جاتے ہیں اُس تمام مدت میں جس میں ان جنگلوں میں ہو کر گزرا اور جہاں مجکو اپنے دورہ کے متعلق کوئی اور کام کرنے کو نہیں تھا وہاں برابر میرا خیال اس طرف مصروف رہا کہ کیا تدبیر ہوسکتی ہے جس سے یہ جنگل آباد ہوں اور وہ عمدہ کالی زمینیں جو تلنگانہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کی زمینیں کہلاتی جاتی ہیں، اور جو اکثر جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہیں، مزروعہ ہوں اور انسان اُن دولت کے سرچشموں سے متمتع ہوں جو ان زمینوں میں بالشت دو بالشت ہی نیچے اُن کے واسطے امانت ہیں۔"

اِس کے بعد اُنھوں نے موجودہ قواعد انتظام اراضی کے ناقص ہونے پر بحث کرکے یہ بتایا ہے کہ سرکاری عہدہ داروں کا طرزِ عمل انتظام اراضی کے متعلق کیا تھا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"میں پہلے عہدہ داروں پر جن میں سے اکثر اب اپنے عہدوں پر موجود بھی نہیں ہیں اور بعض اس دنیا سے بھی سدھار چکے ہیں کوئی حملہ کرنا نہیں چاہتا لہٰذا میں اس موقع پر اُن صاحبوں کے نام اور اُن کی اس محض فرضی اور نمایشی کارروائیوں کو جو اُنھوں نے اس انتظام کے متعلق سرکار کو سبز باغ دکھلانے میں برتیں اور جن پر اس دو برس کے پچھلے دورہ میں مطلع ہونے کا موقع ملا تفصیل کے ساتھ نام بنام بیان نہ کرونگا۔ اِلّا صرف اس قدر کہ نمایش کی کوئی حد باقی نہیں رہی اور جن تختوں میں کبھی غیر معمولی طور سے اس رقبہ نو مزروع کی تعداد زیادہ دکھلائی گئی ہے قریباً قریباً وہ کل فرضی انتظام تھے، جنھوں نے آخر کار رعایا کو رہا سہا تباہ کیا، ایک ایک تعلقہ دار ضلع کی اُس تعریف پر رشک کرکے جو سرکار عالی سے بصلہ اُسی قسم کی نمایشی کارروائی انتظام اضیات بنجر کے ہوئی تھی ایک دن مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ اپنے ضلع میں اس دوسرے ضلع سے

بھی زیادہ زمینوں کا انتظام کرینگے، بڑے بڑے پٹیل اور پٹواری اور دلیکھ اور دوسرے سربرآوردہ لوگ اور تحصیلدار اور کارکن صبح سے اس مہم کے سر کرنے پر متوجہ ہوئے اور چھ سات گھنٹہ کے فصل سے ظہر کے وقت تعلقہ دار صاحب کو اطلاع دی گئی کہ قلعہ فتح ہوگیا، اور ایک بہت لمبی تعداد ارضیات بنجر کی اُن کے سامنے پیش کی گئی کہ اس قدر زمین کا انتظام ہوگیا، وہ بے چارے اُٹھے اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے یہ مشکل آسان کردی جس کا انجام اُن سے مور ضعیف کے امکان سے خارج تھا۔"

ان واقعات کے بیان کرنے کے بعد اُنھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایسے جنگلوں میں جہاں کوسوں تک آبادی نہ ہو بلکہ آدمی کا گزر بھی خطرہ سے خالی نہ ہو، رعیت داری بندوبست کا جاری رکھنا انتظام مال گزاری کی ایک صریح غلطی ہے، اور اس طریقہ سے ویران جنگلوں کی آبادی ممکن نہیں لہٰذا تا وقتیکہ ایسا بندوبست نہ کیا جائے جس سے ملک کے لوگوں کو اپنا سرمایہ اور محنت ان ویران جنگلوں کی آبادی میں صرف کرنے کی ہمت ہو، کوئی کامیابی نہوگی۔

حق زمینداری کا قیام اس بنا پر اُنھوں نے ایک جدید تجویز نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ پیش کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ کم آباد علاقوں میں اُن لوگوں کے واسطے جو اس کو آباد کرنا چاہیں ایک نیا حق زمینداری کا قایم کیا جائے اور بجائے عارضی اور میعادی اجاروں کے دوامی اور مستقل بندوبست اُن کے ساتھ کیا جائے، اور اس کو یہاں تک وسعت ہو کہ جو لوگ اس جدید حق زمینداری کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوں وہ اپنی حقیت زمینداری کے اِسی طرح مالک سمجھے جائیں، جس طرح وہ اپنی دوسری جائداد منقولہ و غیر منقولہ کے مالک ہوتے ہیں اور اُن کی وہ حقیت بذریعہ ہبہ و بیع و رہن و جائداد و دیگر انتقالات خانگی کے منتقل ہو سکے، اسی تجویز کے سلسلہ میں اُنھوں نے اس اسکیم کے تمام شرائط اور جزئیات پر بحث کی ہے، مثلاً تشخیص جمع، بندوبست کی مدت، کاشتکاروں کے حقوق اور دیہات کے انتظام حکومت وغیرہ کے متعلق، ہم ان سب جزئیات کو نظرانداز کرتے

ہیں، نواب انتصار جنگ نے اس تجویز کے خاتمہ پر یہ رائے بھی ظاہر کی کہ پہلے صرف ایک مقام (رامر آباد) میں تجربتاً اُن کی تجویز پر عمل کیا جائے اور در صورت کامیابی عام طور سے یہ انتظام صوبۂ شرقی کے اُن تمام تعلقات میں جاری کیا جائے جہاں قابل زراعت اراضی بہ نسبت اراضی مزروعہ کے زیادہ ہو۔ اور ایک دفعہ سرکار کی مرضی معلوم ہونے کے بعد یہ امر آسان ہوگا کہ جس تعلقہ میں اس قسم کے انتظاموں کا جاری کرنا مناسب معلوم ہو اُس کی منظوری سرکار سے حاصل کرلی جائے۔

یادداشت کے خاتمہ پر اُنھوں نے واضح طور پر یہ بتایا ہے کہ اس تجویز سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ ملک کی دولت اور سرمایہ میں اضافہ ہو، اور اُس کی صورت یہ ہے کہ غیر آباد اور جنگلی مواضع میں زمینداریاں قایم کی جائیں اور زمیندارانہ بندوبست کیا جائے، اور یہ کوشش کی جائے کہ ملک کے بڑے بڑے راجہ، نواب، جاگیردار اور ساہوکار نیز دوسرے دولتمند لوگ اپنا سرمایہ ان ویران مواضع اور جنگلوں کی آبادی میں لگائیں۔

اِس کے بعد دوسرے سال اُنھوں نے اِسی مسئلہ کے متعلق ایک اور مفصل یادداشت پیش کی۔ جس میں مدلل و مفصل طریقہ سے اس معاملہ کے تمام جزئیات پر بحث کی ہے۔ مروجہ قواعد کے نقایص کو بتایا ہے، اور لوگوں کے اُن اعتراضات کا تفصیلی جواب دینے کے بعد جو اس تجویز پر کیئے جاتے ہیں، یہ ثابت کیا ہے کہ اگر اُن کی تجویز پر عمل کیا گیا تو گورنمنٹ نظام اور رعایا دونوں کو فائدہ پہنچیگا۔

نواب انتصار جنگ کی اسکیم پر بعض سرکاری عہدہ داروں نے یہ خطرہ ظاہر کیا تھا کہ اگر رعیت داری بندوبست کے سوا کوئی دوسرا ایسا انتظام کیا گیا جس سے ایک شخص بہت بڑے بڑے قطعات اراضی کا مالک بن جائے تو اس سے سرکاری انتظام مشکل ہو جائیگا، پولیس کی دقتیں بڑھ جائینگی، لہذا مفصلات میں زمینداروں کی قوت کا بڑھنا سرکاری مصالح کے لحاظ سے مناسب نہیں۔

نواب انتصار جنگ اس کے جواب میں کہتے ہیں :-

"میں اس قسم کے خیالات کو بہت حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگر ایسی پالیسی پر بحث ہونے لگے تو میں موجودہ انتظام رعیت داری کی جگہ بھی زمینداری بند وبست کے قایم ہونے کو ترجیح دونگا کبھی اُن کمبل پوشوں سے جن سے رعیت داری بند وبست مراد ہے کوئی ملک رونق نہیں پا سکتا، نہ تجارت کو ترقی ہو سکتی ہے نہ زراعت کو۔

کاشتکاروں کی متفرق قوت نہ کسی سرمایہ کو پیدا کر سکتی ہے۔ ایک بد ہنگامی اُن کے منتشر کرنے کو ایک قحط اُن کو کامل تباہ کر دینے کو کافی ہوتا ہے"۔

اس کے بعد زمینداری انتظام کے فائدہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اگر میرے صوبہ میں ایک زمیندار اپنے سرمایہ اور اپنی لیاقت و محنت سے اپنے واسطے ایک ایسا بڑا علاقہ پیدا کرے جو منزلہ ایک سمستان کے ہو جائے تو میں اس کو سرکار عالی کے انتظام کی بہت بڑی کامیابی سمجھونگا اور سرکار میں سفارش کرونگا کہ وہ بمنزلہ ایک راجہ یا نواب کے جیسی حالت ہو تسلیم کیا جائے، اور سرکار سے ہر کو خطاب، علم، نقارہ اور نوبت اور عماری سے سرفرازی ہو تا کہ ملک کے ہر ایک حصہ میں جا بجا چہل پہل اور ایک رونق اور شان پیدا ہو جائے"۔

"جو حالت اضلاع میں آج طاری ہے کہ منزلوں چلے جاؤ اور کوئی آسودہ گھر دیکھنے میں نہ آئے وہ کوئی عمدہ حالت نہیں ہے، کہیں کہیں شاذ طور پر اگر اب بھی اس شان و شوکت کا جلوہ نظر آجاتا ہے تو یہ انھیں لوگوں کی وجہ سے ہے جو اس ملک کے قدیم زمیندار کہلاتے ہیں اور جن کا ادب اب تک رعایا

کے دلوں میں ہو۔"

رعایا کی قوت بعد اس کے کہ بادشاہ کی طرف سے اُن کے ساتھ رعایت، انصاف اور مہربانی کا برتاؤ ہو عین سلطنت کی قوت ہے، اس قوت کے حاصل کرنے کے لیئے ہر ایک ذریعہ کو اختیار کرنا چاہیئے۔

زمینداری انتظام کی تائید میں دو یہ بہت بڑی لاجواب دلیلیں ہیں ایک یہ کہ اس سے ذی وجاہت لوگوں کا گروہ ملک میں جابجا پیدا ہو جاتا ہے، اور دوسرے یہ کہ سرکار کو بہت بے فکری ہو جاتی ہے اور سرکار کا محاصل آسانی سے وصول ہوتا ہے۔

آخر میں لکھتے ہیں :-

"اب اخیر سوال یہ ہے کہ زمینداروں کا یہ گروہ کن لوگوں میں سے پیدا ہو گا اور سرمایہ جو زمینداروں کو انتظام قایم کرنے کے لیئے درکار ہے کہاں سے بہم پہنچے گا ؟ میرے نزدیک اس کی مفصلۂ ذیل صورتیں ہیں۔"

(۱) سرکار جن لوگوں کو نقد رسوم دیتی ہے اور جو اب بھی زمیندار کہلاتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگ اس جدید انتظام کے بموجب دیہات زمینداری لینے کے لیئے آمادہ ہو جائینگے۔

(۲) بڑے بڑے جاگیردار اور مقطعہ دار اور سمستانوں کے لوگ اس طرف رغبت کرینگے۔

(۳) جن علاقوں میں سے ریل گزری ہے وہاں اور دوسرے مقامات کے دولتمند اور ذی ہمت لوگ پہنچیں گے۔ ذی ہمت دولتمند کے لیئے اس وقت حیدرآباد میں اس سے زیادہ کوئی مفید تجارت نہیں ہے کہ وہ تلنگانہ میں زمین حاصل کرے اور اپنا سرمایۂ زراعت کی ترقی میں صرف کرے۔

سرحدی علاقوں میں سرکار عظمت مدار کے علاقے کے رہنے والے وہ بڑے بڑے لوگ جو زراعت کا شغل رکھتے ہیں اور جن کے علاقہ میں اس قسم کے ویران جنگل نہیں رہے جن میں وہ اپنا سرمایہ صرف کر سکیں بہت اشتیاق کے ساتھ آگے بڑھینگے اور اپنا سرمایہ اس مفید کام میں صرف کرینگے اور سرمایہ کے ساتھ کچھ آدمیوں کو بھی لائینگے، اور اسی چیز کی سرکار عالی کے علاقوں میں اور خاص کر تلنگانہ میں سخت ضرورت ہے۔ بہت سی مفرور رعایا ان حالات کو سنکر اپنے وطن کی خوشی میں زمینداروں کے

ساتھ پھر اپنے موروثی بادشاہ کے زیر حکومت آبسے گی۔

اِس کے بعد نتیجہ کلام کے طور پر لکھتے ہیں:۔

"میری پیش کی ہوئی تجویز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ رعیت داری بندوبست کو برباد کرکے اس کی جگہ زمینداری انتظام قایم کیا جاوے، بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ وہ ذریعے بہم پہنچائے جائیں جن سے زراعت کی ترقی کے لیے ملک کی طرف سے سرمایہ کام میں لایا جائے۔ اور اگر ایک ایسے وقت جب کہ بہت بڑے سرمایہ کے صرف کے بعد تلنگانہ کی ریل جاری ہوئی ہے اور ایک موقع اس بات کا ہاتھ آیا ہے کہ لوگ اس قسم کی اولوالعزمیوں کے کام کریں اس قسم کی تدبیریں اختیار نہ کی جائینگی، تو درحقیقت ہم ان تمام فوائد کو ہاتھ سے جانے دینگے جو ریلوے کے ایسے بڑے سرمایہ سے ہم اپنے تلنگانہ کے ویران ملک کو پہنچا سکتے ہیں۔

کوئی ایسی چیز جو ہمیشہ اپنے حال پر قایم رہے کیا ترقی کرسکتی ہے، قیام میں خود ترقی کا پتہ نہیں ہے زمانہ کبھی ایک جگہ قایم نہیں رہتا، کیونکہ اس میں ترقی اور تنزل مدوجزر کی طرح ہوتا رہتا ہے اور وہ ملک جو اپنی پرانی لکیر کو پیٹا کرتا ہے، کبھی ترقی نہیں کرتا۔"

نواب انتصار جنگ کی مندرجہ بالا اسکیم سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ اُن کی تمام تجویزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا فائدہ گورنمنٹ اور رعایا دونوں کو یکساں پہنچتا تھا، وہ تمام یادداشتیں جو اُنھوں نے مختلف اوقات میں ملک کی اصلاح وترقی کے سلسلہ میں لکھیں ہیں اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اپنا فرض ادا کرنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ کوئی دوسرا جذبہ ہے جو اُن کے اندر کام کر رہا ہے۔

مرمت وترقی ذرائع آب پاشی

نواب انتصار جنگ نے ۱۲۹۳ف میں بحیثیت رکن مال گزاری تلنگانہ کا جو دورہ کیا تھا، اس کے سلسلہ میں باولیوں کی مرمت کے متعلق ایک مفید تجویز پیش کی تھی جس کا تذکرہ اوپر ہوچکا ہے، چونکہ یہ معاملہ نہایت اہم تھا اس لیے مدار المہام نے حکم دیا کہ

اس پر بال کے تمام عہدہ داروں کی رائے لی جائے، جب یہ حکم دیا جارہا تھا، اُس وقت نواب انتصار جنگ نے باصرار مدار المہام سے یہ منظوری حاصل کرلی کہ کسی ایک تعلقہ میں عملی طور سے اُن کی تجویز کا امتحان کیا جائے۔ چنانچہ تعلقہ نارائن پیٹھ ضلع ناگر کرنول میں، اس تجویز کا امتحان کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنہ ۱۲۹۴ف کی ششماہی میں ۲۱۲ مرمت طلب باولیوں کی مرمت رعایا نے مجوزہ شرائط پر منظور کی، اور جیسا کہ نواب انتصار جنگ نے اپنی ایک مابعد کی یادداشت میں اعداد و واقعات سے ثابت کیا ہے، اس سے گورنمنٹ اور رعایا دونوں کو فائدہ پہنچا۔

صوبہ دار مقرر ہونے پر نواب انتصار جنگ نے تلنگانہ کے ذرائع آبپاشی پر از سر نو بحث کی اور ایک معرکۃ الآرا یادداشت اس کے متعلق لکھی جس میں علاوہ باولیوں کی آبپاشی کے اُن تمام ذرائع و وسائل پر اپنے خیالات ظاہر کیے جن کا تلنگانہ میں رواج ہے۔ یہ یادداشت اُن کی غیر معمولی قابلیت اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے، لیکن ہم طوالت کے خیال سے اس کو کلیۃً نظر انداز کرتے ہیں، البتہ اس کا ایک فقرہ نقل کرینگے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ اس کد و کاوش سے نواب انتصار جنگ کا کیا مقصد تھا وہ لکھتے ہیں:۔

"ان تجویزوں کے مطابق چھوٹی سی چھوٹی باولی سے لے کر متوسط درجہ کے تالاب تک ایسے ہزارہا کام ہر ایک ضلع میں موجود ہو جائینگے جن میں مختلف حیثیت اور مقدرت کی رعایا اپنے اپنے مقدور کے مطابق اپنا سرمایہ صرف کرنے کے لیے آگے بڑھیگی اور اُن سرمایہ کا یہ مصرف جو کہ بالکل اُن کے مذاق طبیعت اور فطری خواہش اور جوش کے مناسب ہوگا، اُن کو ایک نہایت مفید سبق کفایت شعاری کا بھی تعلیم کریگا، ہر ایک زراعت پیشہ شخص کو اس بات کی خواہش ہوگی کہ اپنے موجودہ سرمایہ کو اور جو کچھ کہ اُس سے اور بچایا جاسکے اُس کو بچاکر اُن کاموں میں صرف کریں اور بیشک جب کہ چند سال کے بعد یہ باولیاں اور تالاب اور کنٹے اُن کے لیے دولت کے سرچشمہ ثابت ہونگے، اور اس محنتی اور جفاکش گروہ کے ہاتھ میں پیسہ

ہوگا، تو روز بروز ایسے کاموں کی طرف لوگوں کی خواہش ترقی کرےگی، اُن کی دولت اُن کے سامانِ زراعت کو ترقی دےگی۔ اُفتادہ اور ویران زمینیں مزروعہ ہونگی، تری زمینوں کی تعداد میں روزافزوں اضافہ ہوگا سرکاری محاصل کو ترقی ہوگی، اور کوئی گاؤں ایسا باقی نہ رہیگا، جہاں ایک معقول گروہ اس قسم کی ملکیتوں کا مالک نہ پایا جائے، اور جس کے گھر میں چلتی ہوئی باؤلیوں اور لبالب تالابوں اور کنٹوں کی برکت اُن کی ہر ایک در و دیوار سے نہ ٹپکتی ہو، یہ کام اُن کو قحط اور خشک سالی کی مصیبتوں کے وقت عزت اور حرمت کے ساتھ اُن کی جگھوں میں قایم رکھ سکینگے اور یہ آفت جو آج طاری ہے کہ ذرا سی مصیبت کو بھی دیہات کی رعایا برداشت نہیں کر سکتی اور دیہات کو ویران کر کے چل دیتی ہے، اور ایک سال کی خشک سالی کا اثر برسوں تک باقی رہتا ہے، وہ باقی نہ رہیگی۔"

خود نواب انتصار جنگ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں اُنھوں نے یہ یادداشت پیش کی تلنگانہ کے وسائل آب پاشی کی حالت نہایت تباہ تھی، جہاں پہلے کھیت لہلہاتے تھے وہاں اب ببولوں کے بن کھڑے تھے، سینکڑوں تالاب برباد ہو چکے تھے جن کی مرمت کے لئے لاکھوں روپیہ درکار تھا۔

نواب انتصار جنگ کی یادداشتیں ایسی مدلل و پرزور تھیں کہ ارکانِ حکومت نے ان پر توجہ کرنے کی ضرورت محسوس کی، اسی زمانہ میں مسٹر ڈنلاپ انسپکٹر جنرل مال نے بھی ۱۷ اپریل ۱۸۸۵ء کو ایک مفصل یادداشت، مسئلہ آب پاشی کے متعلق پیش کی، جس پر نواب انتصار جنگ نے ایک مدلل تبصرہ لکھا، جس میں اُنھوں نے کہیں مسٹر ڈنلاپ کی تائید کی اور کہیں اختلاف کیا، چنانچہ ایک جگہ اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"میں ایسی ہر ایک تجویز سے جس میں سرکار کو نقد سود کی ذمہ داری کے ساتھ روپیہ قرض لینا پڑے اختلاف کرنے پر مجبور رہوں سرکار عالی کو صرف اپنے ملک کا اندرونی

انتظام قایم رکھنا ہی اُس کو بیرونی حملوں یا بیرونی دشمنوں کا کوئی خوف نہیں ہی، ایسی ایک سرکار کے لیے یہ ہتک نہیں ہی کہ وہ اُن سلطنتوں کی تقلید کرے جو دوسرے سنگین اخراجات کے تحمل کی وجہ سے اُن مفید کاموں کے لیے اپنے موازنہ میں کافی گنجایش نہیں نکال سکتیں، سرکار عالی کو یہ ضرور ہی کہ مناسب جزرسی اور کفایت شعاری کو کام میں لائے اور ان کاموں کے لیے مناسب رقم جو حال کی رقم سے سہ چند چہار چند سے کم نہو اپنے موازنہ میں پیدا کرے برخلاف اس کے قرضہ لینے کی طرف اگر سرکار عالی کا قدم بڑھ گیا تو کفایت شعاری کی ترغیب میں لامحالہ کمی ہو گی۔"

مجلس کا قیام غرض ان تجاویز کے بعد ذرائع آب پاشی کی اصلاح اور تعمیر کی ضرورت تسلیم کی گئی اور یہ طے پایا کہ ۱۲۹۷ف میں ایک مناسب اور مستحکم اصول پر یہ کام جاری کر دیا جائے، چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک مجلس مقرر کی گئی جس میں نواب محسن الملک بہادر، اے جی ڈنلاپ مولوی چراغ علی صاحب معتمد مال۔ جی یام صاحب معتمد تعمیرات عامہ، اور خود نواب انتصار جنگ بہادر صوبہ دار شرقی اور چند دوسرے عہدہ دار شریک کیے گئے اس مجلس نے ۱۱ر صفر ۱۳۰۵ھ کو ایک یادداشت مدار المہام کی خدمت میں پیش کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ سال حال سے ذرائع آب پاشی کی مرمت کا کام بہ نگرانی ایک مجلس شروع کیا جائے، اور منجملہ اُن تجاویز کے جو مرمت کے مختلف طریقوں کے متعلق صوبہ دار شرقی نواب انتصار جنگ نے پیش کی ہیں جو تجویز مفید ہو اُس کے مطابق مرمت کی اجازت دی جائے۔

نواب مدار المہام نے اس تجویز سے اتفاق کر کے اس کی منظوری کے لیے اعلیٰ حضرت سے سفارش کی اور حضور ممدوح نے مجلس کا قیام منظور فرمایا۔ چنانچہ ایک مجلس بنام "مجلس آب پاشی ممالک محروسہ سرکار عالی" قایم کی گئی جس کے میر مجلس نواب وقار الامرا بہادر تجویز کیے گئے اور انسپکٹر جنرل صیغہ مال، چیف انجنیر، اور نواب انتصار جنگ اور بعض دوسرے عہدہ دار بھی

اس میں شامل کیے گئے، اس مجلس کو اختیار دیا گیا کہ وہ کنوؤں کے علاوہ آب سانی کے تمام ذرائع اپنے ہاتھ میں لے لے، اس کے علاوہ مجلس کو کام کرنے کے متعلق مفصل ہدایتیں دی گئیں اور سال حال کے خرچ کے لئے دس لاکھ روپیہ دیا گیا کہ وہ جس طور پر مناسب سمجھے اپنے اختیار سے اس رقم کو تقسیم و صرف کرے۔

اس زمانہ سے ذرائع آب پاشی کی مرمت و اصلاح کا وہ دور شروع ہوا جو آئندہ چل کر گورنمنٹ اور رعایا دونوں کے لئے مفید ثابت ہوا۔

نواب انتصار جنگ کے اصلاحی احکام

سنہ ۱۹۰۲ء میں صوبہ دار اور ان کے ماتحت تعلقہ داروں کے اقتدار میں اضافہ کیا گیا، اور محکمہ پولیس اور بعض دوسرے صیغے صوبہ دار کے ماتحت کیے گئے

ان جدید تغیرات کے موقع پر نواب انتصار جنگ نے تفصیلی احکام اپنے ماتحت عہدہ داروں کے نام جاری کیے اور ان کو بتایا کہ جدید تغیرات سے کیا مقصد ہے اور یہ کہ آئندہ ان کا طرز عمل سرکاری معاملات کے سلسلہ میں اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ کیا ہوگا؟ ان احکام کے سلسلہ میں انھوں نے مختلف دفاتر کی جزئیات پر بھی توجہ کی ہے، اور دفاتر کے عام طرزعمل کے متعلق اصلاحات و ہدایت جاری کی ہیں، ہم ان تمام جزئیات کو نظرانداز کر کے چند عام ہدایات کا ذکر کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ انتظامی امور میں ان کا عام طرزِ عمل کیا تھا اور وہ سرکاری ملازمین اور عہدہ داروں سے کن چیزوں کے متوقع رہتے تھے، وہ ایک مختصر تمہید کے بعد سررشتہ پولیس کے جدید انتظام کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

"صوبہ دار کو جہاں تک کوتوالی سے اب تعلق ہے میں اس کو صاف طور سے ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتا مال اور عدالت کو توالی کے کام میں بجز اس کے کوتوالی کا کام ایک ایسا کام ہے کہ جس پر نہایت مستعدی اور چستی سے اور بلا تعویق ہر ایک افسر کو متوجہ ہونا ضرور ہے۔ اور میں اپنا ہر ایک قسم کا اقتدار اس سررشتہ کو پُررعب اور کامیاب بنانے میں صرف کروں گا اور بہت زیادہ اس تعلق پر نظر رکھوں گا جو کہ عدالت کو کوتوالی کے ساتھ ہے، تاکہ کوتوالی کو عدالت کی طرف سے ہر ایک

واجبی آسانی کے ساتھ مدد مل سکے"

کوئی شخص ضلع میں ایسا نہیں ہے اور خصوصاً وہ جن کو زمین سے کسی قسم کا تعلق ہے (اور بوجہ اپنے اس تعلق کے اپنے علاقہ میں بہت کچھ قابو رکھتے ہیں) جو کہ صوبہ دار اور تعلقہ داران اضلاع سے اپنے تعلقات نہ رکھتے ہوں، پس ان تمام لوگوں کے ہر طرح ذہن نشین کر دیا جائے کہ آیندہ ہم اُن کے ان طرز کارروائی پر بخوبی غور کرینگے جو کہ وہ کوتوالی کے ساتھ وارداتوں کے انسداد اور برآمد اور مجرمین کی گرفتاری میں برتینگے، تعلقہ دار صاحبان اضلاع اور تحصیلدار صاحبان کا دیہات پر بخوبی قابو ہے اور میں تو نہیں سمجھتا کہ گاؤں میں کوئی واردات ہو، اور پٹیل پٹواری اور دیگر اہالی دیہہ اس سے بے خبر رہیں اور اگر وہ عین وقت پر کوشش کریں تو شاید ہے کہ کوئی ایسی واردات برآمد ہونے سے رہ جائے، بس جس چیز کی اب ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ عہدہ داران موصوف ان سب اپنے ماتحت لوگوں پر اپنی عملی کارروائی سے ثابت کر دیں کہ آیندہ اگر اُن کی طرف سے کوتوالی کے کاروبار میں کوئی اغماض ہوگا تو ہم اُن کے ساتھ بہت ہی سخت طرح سے پیش آئینگے"

اس کے بعد نواب انتصار جنگ خود پولیس کے عہدہ داروں کو متنبہ کرتے ہیں۔

"ہم اس سے بخوبی واقف ہیں کہ پولیس کا سررشتہ ایک ایسا سررشتہ ہے کہ کتنا ہی کچھ وہ اپنا کام ایمان داری سے انجام دے تاہم مخلوق کی زبان سے اُس کو نجات نہیں مل سکتی لہذا جو آوازیں ہمارے کانوں تک پہنچتی ہیں اس کو سچ باور کر لینے سے پہلے نہایت درجہ ہم کو احتیاط کرنی چاہیئے اور خصوصاً اُن کارروائیوں سے جن سے عام لوگوں کی نگاہ میں پولیس کی بے وقعتی ہوتی ہو، ہر طرح احتیاط درکار ہے۔

باایں ہمہ کچھ شک نہیں ہے اور مجھ کو اپنے دورہ کے زمانہ میں ذاتی تجربہ ہے

اِس پر کافی وثوق حاصل ہو گیا ہے کہ شکایتوں کی اس فہرست میں بہت سی واقعی شکایتیں بھی شامل ہیں جن کا انسداد آئندہ ہمارا ایک ضروری فرض ہونا چاہیئے اور اس مقصد کے لیئے ہم کو ہر وقت تیار رہنا ہے کہ جب کبھی ایسی واجبی شکایت حسب اطمینان ثابت ہو جائے تو ملزموں کو قرار واقعی سزا دیں۔

کوئی فعل جس سے کسی شخص کو ناواجبی تکلیف یا نقصان پہنچے ہمیشہ مرتکب کو سزا کا مستوجب کرتا ہے اور جب ان افعال کا ارتکاب خود اُن لوگوں (ملازمین پولیس) کی طرف سے ہو جو کہ رعایا کے حفظ امن اور راحت کے ذمہ دار ہیں تو سزا کی تجویز کے وقت بے شبہ زیادہ سختی برتنے کا موقع ہوگا"

غرض یہ ہے کہ کوتوالی کے ملازموں پر بھی آئندہ یہ بات بخوبی معلوم رہنی چاہیئے کہ تعلقہ داران ضلع سے اُن کا کوئی فعل مخفی نہ رہ سکیگا۔ اور جب کہ اُن کا کوئی قصور یا جرم ثابت ہو جائیگا تو کافی سزا اُن کو دی جائے گی"

سزا کی سختی کے ذکر میں مجکو اس قدر اور کہہ دینا ضرور ہے کہ جس ملازم کو آئندہ خدمت سے جدا کرنا منظور ہو، اُس کو بپاداش اس کے کسی فعل کے ایسی کوئی سزا نہ دیجائے جس سے اُس کی غیر معمولی توہین ہوتی ہو اور خصوصاً افسروں کی نسبت یہ احتیاط اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ایسی توہینوں کے برداشت کرنے کے بعد نہ اُس کی منزلت عام میں باقی رہتی ہے اور نہ خود اس شخص سزا یافتہ میں غیرت اور حمیت باقی رہتی ہے، اور کوئی شخص جو اپنے عہدہ کے مناسب عزت نہ رکھتا ہو، وہ اس عہدہ کے قابل متصور نہیں ہو سکتا، گو کہ دوسری قابلیتیں اُس میں کیسی ہی کیوں نہ موجود ہوں"

ریاستوں کے متعلق گزشتہ زمانہ میں یہ عام شکایت تھی اور کسی قدر اب بھی موجود ہے کہ وہاں ترقی کا مدار حسن کارگزاری یا قابلیت پر نہیں ہوتا بلکہ سفارش پر ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناقابل لوگ ہر محکمہ اور ہر صیغہ میں داخل ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے کام میں ابتری پھیل جاتی ہے، اور لایق

لوگ یا تو دل شکستہ ہو کر ترک تعلق کر لیتے ہیں یا نا قدر شناسی کی وجہ سے اپنا فرض منصبی بید لی سے ادا کرتے ہیں، نواب انتصار جنگ ان حالات سے بے خبر نہ تھے، اس لیے خود اُن کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ حسن کارگزاری پر اپنے ماتحت ملازمین کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، برخلاف اس کے نالائق و ناکارہ لوگوں کے متعلق وہ کسی کی سفارش نہیں سنتے تھے، چنانچہ ان احکام کے سلسلہ میں بھی وہ ملازمین پولیس کو تنبیہ کرنے کے بعد اُن کے حقوق کی حفاظت کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں:۔

"تمام ہمارے ماتحت اس بات پر بخوبی مطمئن ہو جائیں کہ جب وہ ہماری مرضی کے مطابق اپنا مفوضہ کام عمدگی سے انجام دینگے تو اُن کے حقوق کی حفاظت میں ہماری طرف سے کوئی بھی دقیقہ فروگزاشت نہوگا اور اُس کے ساتھ ہر ایک شخص کے ذہن نشین ہو جانا چاہیئے کہ ایک دفعہ نوکر ہو جانے کے بعد پھر ترقی صرف اپنی کارگزاری اور اپنے رویہ سے حاصل ہو سکیگی، نہ خاندان یا سفارش کے لحاظ سے۔

اپنے استحقاق پر جو کہ ہر ایک کے درجہ اور نمبر اور کارگزاری اور رویہ سے مرکب ہوگا، لوگوں کو ایسا وثوق ہو جانا چاہیئے کہ اپنی کامیابی کے لیئے اُن کو خارجی سفارشیں تلاش کرنے کی خود ضرورت نہ رہے جس کی تلاش پر وہ اس وقت مجبور ہو جاتے ہیں جب کہ اُن کے واجبی حقوق سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور جو چشم پوشی نہایت نفرت سے دیکھنے کے قابل ہے۔"

مذکورہ بالا اُصول پر جس قدر اہتمام سے کارروائی کی جائیگی، اُسی قدر کارگزار ملازموں کو اپنی خدمات کی انجام دہی کی طرف زیادہ توجہ ہوگی، اور ناکارگزار لوگ جو صرف سفارش اور مروتوں پر اپنی زندگی بسر کرنے کے خوگر ہیں، اس سررشتہ کو چھوڑتے چلے جائینگے، اور ایک دو برس کے اندر اندر کوتوالی کا سررشتہ پورے اطمینان کی حالت میں آجائیگا۔"

نواب انتصار جنگ کی تمام تجویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایا کی خوش حالی اور فارغ البالی ہمیشہ اُن کے پیش نظر رہتی تھی۔ اگرچہ وہ قانون کے پورے پابند تھے لیکن با ایں ہمہ سخت گیری کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے جہاں تک اُن سے ممکن ہوتا تھا قانون کے حدود کے اندر رہ کر رعایا کے لیئے آسانیاں بہم پہنچانے میں تامل نہیں کرتے تھے، اور اسی طریق عمل کے وہ اپنے ماتحت عہدہ داروں سے متوقع رہتے تھے۔ چنانچہ انہی احکام کے سلسلہ میں پولیس کے علاوہ اُنھوں نے تعلقہ داروں کو بھی متنبہ کیا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:۔

"دوم سوم تعلقہ داروں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مزارعین کو اُن کی باقی کی علت میں بے دخل کر سکیں اس کے ساتھ اس ضابطہ کا بیان نہیں ہوا ہے جو ایسے موقع پر برتنا چاہیئے اور یقین ہے کہ آیندہ وہ ضروری ضوابط بھی جاری ہونگے بالفعل اس قدر واضح رہے کہ اراضی سے کسی مزارع کی بیدخلی سرکاری بقایا کی علت میں صرف اُس وقت ہونی جائز سمجھی جائیگی جب کہ باقی کسی آفت ارضی وسماوی کی وجہ سے نہیں بلکہ باقی دار کی شرارت اور بدچلنی وغیرہ کی وجہ سے پڑی ہے، اور دوسرا کوئی جائز ذریعہ اس باقی کے وصول کے لیئے موجود نہ ہو، اور اشتہار جو اس باب میں دیا گیا ہے، اُس کی مدت منقضی ہو گئی ہو، اور حجت باقی دار کے مقابلہ میں باقی نہ رہی ہو۔

اِن احکام کے آخر میں جو حکام کے توسیع اقتدار کے بارہ میں ہیں لکھتے ہیں:۔

"حال کے اقتدار نامہ سے سرکار نے اپنے ماتحت عہدہ داروں پر اس سے زیادہ اعتماد کیا ہے جس قدر کہ درحقیقت معتدل طور سے کرنا چاہیئے تھا اس اعتماد اور اطمینان کی اصلی شکر گزاری اب یہی ہے کہ عہدہ داران موصوف اپنی طرز کارروائی سے ثابت کر دیں کہ جس قسم کا ان پر اعتماد کیا گیا ہے وہ ہر طرح اس کے لائق تھے اور ایسا موقع نہ آنے دینگے جس سے سرکار کو اپنے فیاض طریقہ عطائے اقتدار

افسوس کرنا اور اُس کو بدلنا پڑے۔"

سکندرآباد سے ورنگل تک جدید ریلوے لائن

مملکت آصفیہ میں ریلوے کا آغاز یکم فروری سنہ ۱۸۷۰ء سے ہوا جب کہ گلبرگہ سے سکندرآباد تک ریلوے لائن کی تعمیر شروع ہوئی لیکن ہم اس وقت جس ریلوے لائن کا تذکرہ کر رہے ہیں یہ سنہ ۱۸۸۶ء میں نواب انتصار جنگ کے عہد میں سکندرآباد سے ورنگل تک تعمیر ہوئی، اس سلسلہ میں نواب انتصار جنگ کو بھی بہت کچھ کام کرنا پڑا، خصوصاً زمین اور باغات وغیرہ کے معاوضہ کا مسئلہ (جو ریلوے لائن میں آ گئے تھے) ایسا پیچیدہ تھا جس نے اُن کو اور اُن کے ماتحت عہدہ داروں کو مدت تک مصروف رکھا، ہم جزئیات کو چھوڑ کر اس موقع پر نواب انتصار جنگ کی ایک یادداشت سے جو اس ریلوے کے متعلق ہے بعض حصے نقل کرتے ہیں۔ وہ مدار المہام کو صوبہ کی سالانہ رپورٹ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

"اسی سال صوبہ ہذا میں ایک جدید ریلوے لائن کی کارروائی شروع ہوئی جو ابتدا میں چاندا ریلوے کے نام سے موسوم ہوئی تھی اور اب آخر میں اُس کا نام نظام گارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے ہے، ہمارا کام اس کارروائی کے متعلق یہ تھا کہ جو زمین ریلوے کمپنی کو مطلوب تھی وہ اُس کو سپرد کر دیں اور زمین و دیگر اشیاء موقوعہ زمین درآمدہ ریلوے کا معاوضہ اس کے مستحقین کو دیں، یہ اس سال کام سکندرآباد سے لے کر ورنگل تک ۱۰۴ میل کی مسافت میں پھیلا ہوا تھا۔"

"معاوضہ کی تجویز کا اصول وہی قرار دیا گیا ہے جو سرکار عظمت مدار کے علاقہ میں ہے، اُن تعدد لحاظات اور خصوصیات کے ساتھ جو اس ملک کی حالت کے مناسب تھیں، اور جن میں سے ایک بڑا اصول یہ تھا کہ اراضیات اور درختوں کا معاوضہ اُن کے محاصل اور منافع کے لحاظ سے حتی الامکان اراضیات اور درختوں میں دیا جائے، اور چونکہ سرکار کے قبضہ میں ہر جگہ ہر قسم کی زمین کافی تعداد سے موجود ہے، اور معاوضہ چاہنے والے بھی اسی کو زیادہ پسند کرتے ہیں تو یہ اصول اس ملک کی حالت کے لحاظ سے بہت

عمدہ تھا، اور اس ذریعہ سے اکثر موقعوں پر ایک بہت بڑا صریح بارِ خزانہ پر سے کم ہو گیا، بایں ہمہ نقدی معاوضہ کی ضرورت باقی ہے"

"لیکن ایک دوسری اہم بحث ہنوز تصفیہ طلب باقی ہے کہ ریلوے کمپنی نے جن زمینوں پر چند روزہ کے نام سے قبضہ حاصل کیا ہے ان کا معاوضہ ہنگامی طور سے تجویز کیا جائیگا یا دوامی طور سے۔ ریلوے کمپنی کے ایجنٹ صاحب نے اس بات کو قبول کر لیا ہے کہ وہ نہیں بتلا سکتے کہ جس وقت وہ اس زمین کو چھوڑینگے اُس کی کیا حالت ہو گی، یعنی اُس میں غار ہونگے یا اُس میں اور ایسی کوئی چیز ہو گی جو زراعت کے لیے حارج ہو نہ وہ یہ تبلا سکتے ہیں کہ ٹھیک وہ کس وقت پر اس کو چھوڑینگے، تو ایسی حالت میں میری رائے یہ ہے اور یہی رائے میں نے سرکار میں پیش کی ہے کہ اُن زمینوں کا معاوضہ بھی مستقل طور سے دیدیا جاے، آیندہ اگر وہ زمینیں ریلوے کے قبضہ سے چھوٹینگی تو جس حالت میں بھی ہونگی سرکار کی ملکیت متصور ہونگی"

"اگر ایسا نہ کیا جائے تو مالکان و قابضان اراضی کی حق تلفی کا باعث ہو گا وہ اُن زمینوں میں جو عارضی طور سے اُن کو معاوضہ میں سپرد کی جائیں اپنا سرمایہ مستقل طور سے صرف کر کے زراعت کو ترقی نہ دے سکینگے، اور اگر اس عرصہ تک اُن کو سال بہ سال سرکار کی طرف سے کوئی رقم بطور محاصل سالانہ دی جائے تو قطع نظر اس کے کہ خزانہ پر براہ راست ایسا بار قایم رکھنا سرکار کے لیئے خود مفید نہیں ہے، مالکان و قابضان اراضی کے حق میں جن کا مستقل قبضہ زمین پر سے اُٹھایا گیا ہے وہ کوئی معقول مراعات نہ ہو گی اور بہر حال وہ اس قدر مدت تک جس کی کوئی حد معین نہیں ہے اپنی محنت اور اپنے انتظام کو اپنے وسائل آمدنی کے بڑھانے میں صرف کرنے سے بالکل قاصر رہینگے، اور ان منافع سے محروم رہینگے جن کا حق ہر ایک مالک کو علم انتظام مدن کی رو سے حاصل ہے"

"ایک خاص امر ہے جس کا ذکر کرنا ریلوے کے متعلق اس موقع پر ضرور ہے۔ یہ ایک ظاہر

امر ہی کہ جس وقت ریلوے کے اس جدید سلسلہ کی کارروائی ملک میں شروع ہوئی تو بعض وجوہ سے گو کہ وہ واقعی تھیں یا غیر واقعی ملک میں ایک قسم کی ناراضی اور بدگمانی پائی جاتی تھی یہ نارضامندی کی علامتیں خاص بلدہ سے شروع ہوئی تھیں اور مختلف ذرائع سے اُن کا اثر اضلاع میں بھی پہنچا تھا، اور اگرچہ کچھ شک نہیں ہے کہ نواب مدار المہام سرکار عالی کے اُن پر اطمینان اظہارات سے جو کہ عام طور پر جناب ممدوح نے اس انتظام کی نسبت فرمائے جو ریلوے کمپنی کے ساتھ ہوا تھا اور حضرت بندگان عالی متعالی کی منظوریوں سے وہ نارضامندی یا بدگمانی بہت کچھ فرو ہوئی تھی تاہم اُس وقت تک کہ میں نے دورہ شروع کیا مجکو اُس کی علامتیں اضلاع میں دکھلائی دیتی تھیں ''۔

'' میں نے دیکھا کہ ہر ایک جگہ ہمارے عہدہ داروں اور ریلوے کمپنی کے افسروں کے باہم کسی قدر کشمکش ہو رہی ہی، اور ہمارے افسر ریلوے کمپنی کے کاروبار کو اُس ہمدردی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جس نگاہ سے اُن کو اس وجہ سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ ایک ایسا کام ہی جس پر آیندہ اُس حصہ ملک کی تمام ترقیاں منحصر ہیں جن میں کہ وہ ریلوی گزرنے والی تھی، پس میرا پہلا کام یہ تھا کہ میں نے سرکار عالی اور ریلوے کمپنی کے افسروں کے باہمی تعلقات میں سے کدورتوں کو یک قلم دور کر دیا میں نے اپنے افسروں کو سمجھا دیا کہ اگر اس وقت میں ہم ریلوے افسروں کو پوری مدد نہ دیں جہاں تک ہم سے متعلق ہی تو اس کا نتیجہ خود سرکار عالی کے لیئے مضر ہوگا، اگر ریلوے کمپنی کو مزدوروں کے بہم پہنچنے میں دقت ہوگی تو بالضرور وہ اُن کی اُجرت کے نرخ کو بڑھائینگے اور اسی طرح اور ہر ایک مشکل پر غالب آنے کے لیئے وہ ضرورت سے زیادہ روپیہ خرچ کرنے پر مجبور ہونگے اور ہر ایک پیسہ جو اس طرح پر ضرورت سے زیادہ خرچ ہوگا وہ سرکار عالی پر اُس

ذمہ داری کو بڑہائیگا جو کہ بیس برس تک کمپنی کے سرمایہ کے سود کے متعلق سرکار عالی سے متعلق ہی، یہ ایک ایسا صریحی مضمون تھا کہ ہمارے سب افسروں نے آسانی سے اُس کو سمجھ لیا اور اپنے اُن پہلے خیالات کو دل سے نکال ڈالا، اور مجکو بہت ہی خوشی ہوئی جب میں نے دیکھا کہ اس قدر جلد دونوں علاقوں کے افسر بطور دو دلی دوستوں کے آپس میں ملنے لگے اور ایک کو دوسرے کے ذاتی آرام و راحت کا خیال مثل اپنی ذاتِ خاص کے آرام و راحت کے رہنے لگا"

"مجکو ابتدا سے یہ خیال تھا کہ اسٹیشن ایسے مقامات پر بنائے جائیں جہاں عام آرام اور تجارت کے لئے وہ زیادہ مفید ہوں لیکن دو اسٹیشن جو ریلوے کمپنی نے ایک بمقام یم نم پیٹ اور دوم پیم برتی میں تجویز کیے تھے، اُن کا موقع عمدہ نہیں تھا مہتمم صاحب پیمایش و مجوزہ معاوضہ اراضیات درآمدہ بکار سرکار اور بعض دوسرے ہمارے عہدہ داروں کو خیال تھا کہ ہرگاہ ریلوے کمپنی کے افسر موقع تجویز کر چکے ہیں اور نقشہ بن گیا ہی، زمین بھی لے لی ہی اور کام بھی شروع کر دیا ہی، تو اب اُن میں ترمیم کی کوئی اُمید نہیں ہی لیکن ریلوے کمپنی کے افسروں کی اُسی خوش اخلاقی اور عمدگی کا نتیجہ ہی کہ جب میں نے بالمشافہ مسٹر مولنس ورتھ سے اُن دقتوں کو بیان کیا جو یم نم پیٹ اور پیم برتی اسٹیشن قائم ہونے سے متصور تھیں اور ترمیم کے فوائد کو تبلایا تو باوجود اس کے کہ اُس وقت اُن کو بہت تکلیف ہوئی لیکن وہ بدل اور بخوشی آمادہ ہو گئے اور مسٹر فرینول چیف انجنیر اور ایجنٹ ریلوے کمپنی نے مقامات کی تبدیلی کی اجازت دیدی اب وہ اسٹیشن جو یم نم پیٹ میں تجویز ہوتا تھا خاص گھٹ کیسرہ میں ہی اور پیم برتی والا اسٹیشن خاص جنگاؤں میں ہی"

ان واقعات کی اطلاع دینے کے بعد نواب انتصار جنگ نے ریلوے کے متعلق دوسرے

معاملات و انتظامات پر تفصیلی بحث کی ہے اور معاوضہ کی جو کارروائی عمل میں آئی ہے اُس سے مدار المہام کو آگاہ کیا ہے، اِسی سلسلہ میں اُنھوں نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ :-

"۵ دیول اور ۸۰ قبرستان جو ریلوے میں آئے یہ ریلوے کی خاص سڑک میں نہیں ہیں بلکہ اُس زمین میں ہیں جہاں سے ریلوے نے مٹی کھودی ہے، اُنھوں نے مٹی کے کھودتے وقت اُن مواقع کو بچا دیا ہے۔ لہٰذا ہم کو کسی خاص کارروائی کی ضرورت نہیں پڑی، ایک دیول کی مورت بمقام رنگا بہی دیہ راجہ بھوانی داس ریلوے سڑک سے زیادہ قریب ہو گئی ہے، اور اُس پر سرخ رنگت رہنے کی وجہ سے، ریلوے کے گارڈ اور ڈریور کو دقت رہتی تھی۔ لہٰذا اس کی نسبت برضا مندی پوجاریان یہ تجویز ہوئی ہے کہ اُس موقع پر سے اُس کو مذہبی مراسم کے ساتھ دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، اور اس تقریب کے مراسم ادا کرنے کے لئے سرکار نے دو سو روپیہ کی علے الحساب منظوری دی ہے۔"

اس یادداشت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نواب انتصار جنگ کس طرح ہر موقع سے ریاست کی لئے مناسب فائدہ اٹھانا جانتے تھے، اور ایک واقعہ کے تمام جزئیات پر کس طرح حاوی ہو جاتے تھے، اور ہر واقعہ کے تمام پہلوؤں کا ایک عاقبت اندیش مدبّر کی طرح عمیق نظر سے مطالعہ کرتے تھے۔

صوبہ کے صدر مقام کی تبدیلی اور جدید تعمیرات

جب نواب انتصار جنگ صوبہ مشرقی کے صوبہ دار مقرر ہوئے اُس وقت صوبہ کا صدر مقام بھونگیر تھا جو حیدرآباد سے مشرق کی جانب ۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ مقام ایک معمولی قصبہ کی حیثیت رکھتا تھا، نواب انتصار جنگ کی حوصلہ مند طبیعت نے چاہا کہ ورنگل کو جو اس صوبہ کا ایک مشہور تاریخی مقام ہے اور اب حوادث زمانہ نے اس کو مٹا دیا ہے، اس صوبہ کا مستقر اور صدر مقام بنائیں، چونکہ حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں اعلیحضرت بھی اس صوبہ میں ریلوے کے افتتاح کے لئے تشریف لا چکے تھے، اس لئے نواب انتصار جنگ نے

اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھاکر نواب سالار جنگ ثانی کی خدمت میں یہ تجویز پیش کردی کہ بلحاظ اُن تمام ترقیات کے جو اس شہر کی آبادی میں ہوئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں اس کا نام پھر اپنے قدیم نام اور مشہور قلعہ پر ورنگل رکھا جائے اور ہنمکنڈہ اور مٹھوارہ وغیرہ مقامات اپنے معروف ناموں کے ساتھ اس بڑے شہر کے محلے قرار دیئے جائیں اور ضلع کا نام بھی بجائے کھمم کے ورنگل کا ضلع رکھا جائے، نیز صوبہ کا نام بھی جب کہ اپنے مستقر کے نام سے پکارا جائے صوبہ ورنگل ہو، نواب سر سالار جنگ پہلے سے اس تجویز کے حامی تھے بلکہ غالباً سب سے پہلے انہی کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی تشریف آوری کی یادگار میں ورنگل کو زندہ کیا جائے، غرض اعلیٰ حضرت سے اس کی منظوری حاصل کرلی گئی لیکن اس کا باقاعدہ اجرا اور اعلان نواب بشیر الدولہ آسمان جاہ کے عہد وزارت میں ہوا، اگرچہ عمارات کی تعمیر اور تمام انتظامات کی پہلے سے ابتدا ہوچکی تھی

نواب انتصار جنگ نے صوبہ داری کی کچہری اور دوسرے سرکاری مکانات کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیئے ایک شاندار جلسہ اُس وسیع و مرتفع میدان میں منعقد کیا جو قاضی پیٹھ ریلوے اسٹیشن سے ساڑھے تین میل اور ہنمکنڈہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر سڑک سے جانب شرق واقع ہے یہ جلسہ بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا، ضلع کے تمام حکام اور بہت سے یورپین جنٹلمین اور لیڈیاں بڑے بڑے جاگیردار و منصب دار اور ساہوکار اور مختلف پیشہ کے لوگ اور عام تماشائی بڑی کثرت سے شریک تھے فوج اور پولیس کا معقول انتظام تھا، جہاں سنگ بنیاد کا پتھر رکھا جانے والا تھا، وہاں خیموں کی ایک قطار قایم کی گئی تھی، اور اس خیال سے کہ شاید بارش شروع ہو جائے اس میدان میں سراپردوں کے ذریعہ سے ایک بہت وسیع اور محفوظ جگہ بنادی گئی تھی، تمام میدان خوب صورت جھنڈیوں سے آراستہ تھا۔

ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ جلسہ میں ایک نجومی پنڈت بھی تشریف رکھتے تھے جنھوں نے کاغذ پر کچھ لکیریں اور ہندسے بناکر اور کچھ بچار کر اپنے معتقدین کو یقین دلایا کہ سوا سات بجے ستارے ایسے عمدہ موقع پر آگئے ہیں جس سے بہتر وقت اس تقریب کے لیئے دوسرا ہو نہیں سکتا اور آٹھ بجے تک

ستاروں کی یہی حالت رہیگی، اس کی اطلاع جب صوبہ دارصاحب (نواب انتصار جنگ) کو دی گئی تو وہ مسکرائے اور انھوں نے پنڈت صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خدا کو جب کوئی کام اچھا کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ خود اُس کے سب سامان اُسی قسم کے جمع کر دیتا ہے، اور اپنے دوستوں سے جو وہاں موجود تھے تیمور کی وہ حکایت بیان کی جس میں تیمور اور ہندو پنڈتوں کی ملاقات کا ذکر خود تیمور نے اپنے قلم سے لکھا ہے جب کہ وہ ابتدائی فتوحات کے بعد ہندوستان پر مسلط ہوا تو منجم پنڈتوں نے اس کی گزشتہ مہمات کی وہ ٹھیک ٹھیک مبارک ساعتیں بتا دیں جن میں کہ حسن اتفاق سے خود اس نے لڑائیاں شروع کی تھیں اور آخر کو ان میں کامیاب ہوا تھا۔

غرض ۹ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ (۱۰ اگست ۱۸۸۶ء) کو ساڑھے سات بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی قاضی سرور میاں جو حضرت قاضی[1] صاحب نور اللہ مرقدہ کے فرزند ہیں اور نہایت صالح و متقی ہیں اور تمام لوگ اُن کی بزرگی کے قائل اور اُن کے معترف ہیں بنیاد کے موقع پر تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کر پہلے اعلیٰ حضرت اور سرسالار جنگ ثانی کے لیے ترقی عمر و اقبال کی دعا مانگی اس کے بعد خداے تعالےٰ سے خلوص و خضوع کے ساتھ التجا کی کہ :-

"الٰہی یہ گھر جس کی آج بنیاد رکھی جاتی ہے اس لیئے تعمیر ہوتا ہے کہ تیری مخلوق کا اس میں انصاف ہو، اور اُن کی حاجتیں اُس سے برآئیں تو اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ اس گھر کو جو ایسے عمدہ مطلب کے لیئے بنایا جاتا ہے قایم و آباد رکھ"

---

[1] اُن ہی قاضی صاحب مرحوم کے نام سے قاضی پیٹھ کی آبادی قایم ہوئی ہے اور انہی کا وہ مزار ہے جو قاضی پیٹھ اور ورنگل کے درمیان واقع ہے اور جن کو یہاں کا شاہ ولایت مانا جاتا ہے، ان قاضی صاحب کی نسبت یہ لطیفہ مشہور ہے کہ جب اعلیٰ حضرت ریلوے کے افتتاح کی غرض سے ورنگل کو تشریف لیے جاتے تھے، تو حضرت شاہ ولایت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ ہمارے نام کے مقام کو چھوڑ کر یہ رسم دوسری جگہ ادا ہو، غرض حضرت کے تصرف سے سڑک دھنس گئی اور ٹرین رک گئی اور بہ مجبوری تمام لوگوں کو قاضی پیٹھ میں اُترنا پڑا اور اُسی جگہ ریلوے کے افتتاح کی رسم اعلیٰ حضرت نے ادا فرمائی۔

اِس کے بعد صوبہ دار صاحب نے عمارت کے نقشے حاضرین کو دکھائے اور اُن کا مختصر حال بیان کیا، اس کے بعد بنیاد کا پتھر موقع پر رکھا گیا، ہر طرف سے مبارک و سلامت کا غلغلہ بلند ہوا، فوج نے تین دفعہ شلک کے ذریعہ سے سلامی کی رسم ادا کی جس سے تمام میدان گونج اُٹھا۔

اس موقع پر نواب انتصار جنگ نے بعض مقامی معاملات پر بحث کرتے ہوئے جو مفصل تقریر کی اس کے بعض حصوں کا نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا اُنھوں نے فرمایا:۔

"نہایت خوشی کی بات ہے کہ تاریخی سندوں اور اُن کی رِوایتوں سے جو یہاں کے باشندے نسلاً بعد نسلٍ محفوظ رکھتے چلے آتے ہیں وہ اس بات کو اب تک نہیں بھولے اور اُن کو یاد ہے کہ اُن کی یہ بستی جہاں کے وہ رہنے والے ہیں دنیا میں اُس کو کیا افتخار حاصل تھا۔ ورنگل جس وقت ورنگل تھا اُس وقت وہ اپنی آبادی اور دولت اور عظمت اور شان و شوکت و فوجی قدرت میں دُور دُور تک اپنا نظیر نہ رکھتا تھا مگر انقلاب زمانہ سے نہ آج دنیا کے پردہ پر ورنگل کا شہر باقی ہے نہ اُس کی وہ شان و شوکت صرف ایک قلعہ اس لیے باقی رہ گیا ہے کہ اُس پرانے تلنگانہ کے دار الخلافت کا نام اُس کی وجہ سے لوگوں کو زبان پر آتا رہے اور اُس میں بھی بجز اُن چند خراب و شکستہ یادگاروں کے جن سے اُن پہلے زمانوں کی سرسبزی و شادابی کا نشان ملے اور کچھ باقی نہیں ہے، مگر وہ خدائے قادر مطلق جس کی شان میں وارد ہے۔ تولج اللیل فی النہار و تولج النہار فی اللیل، و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی جس کی قدرت کے بے انتہا کرشمے ہر وقت اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مری ہوئی چیزیں کس طرح زندہ ہو جاتی ہیں اور خشک چٹیل اور خاک سیاہ میدان جہاں ایک پرکاہ تک نظر نہیں آتا اُس کے ایک ابر کرم سے لہلہاتے ہوئے سبزہ زار بن جاتے ہیں ضرور اس پر قادر ہے کہ پھر ایک دفعہ ورنگل کے شہر کو دنیا کے پردہ پر قایم کر دے اور میں تو دیکھتا ہوں کہ اس مجھے

سب سامان جمع ہوتے جاتے ہیں جو اس عالم اسباب میں ضروری خیال کیئے گئے ہیں۔"

"ریلوے انجن کی سیٹی کی آواز جو دونوں وقت اب تمہارے کانوں میں آتی ہے اس بات کا علانیہ ثبوت ہے کہ وہ بڑی سے بڑی قوت جو کسی ملک یا شہر کے آباد کرنے کے لیئے کام میں لائی جا سکتی ہے، وہ اپنا کام کرنے کے لیئے موجود ہو گئی ہے اور جس قدر اُس کا سلسلہ وسیع ہوتا جائیگا، تجارت اور دولت کی ترقی کے وسائل ترقی کرتے جائینگے ـــــــــ"

"آپ نے ابھی دیکھا کہ صوبہ دار کی کچہری کی بنیاد قایم ہوئی، ان عمارت میں سرکار عالی کا ایک لاکھ روپیہ کے قریب صرف ہوگا، یہ بھی صرف اس لیئے ہے کہ رعایائے صُوبہ کو اور خصوصاً آپ لوگوں کو جو اب مستقر صوبہ کے باشندے کہلائے جانے کے مستحق ہو گئے ہیں، امن و انصاف کی تلاش میں دُور جانا نہ پڑے اور آپ کی پوری حفاظت ہو۔"

"گزشتہ سال کے دورہ میں مجھ سے آپ میں سے اکثر ذی وجاہت اور مُعتبر لوگوں نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر صوبہ دار کا مستقر یہاں قرار پائے اور ہنمکنڈہ و منٹھوارہ کے درمیان نالہ کا پُل بن کر عمدہ سڑک بن جائے تو آبادی کو نہایت درجہ ترقی ہو جائیگی، میں نے آپ سے اُس وقت اس کا وعدہ کر لیا تھا اور مجکو نہایت خوشی ہے کہ آج میں اپنے اُس وعدہ کو پورا کر سکا۔ صوبہ داری کی کچہری اور مکانات کی بنیاد بھی قایم ہوئی، نالہ کا پُل بھی تعمیر ہو رہا ہے، ہنمکنڈہ اور منٹھوارہ کی سڑک آبادی اور بیرونی آبادی عمدہ حالت میں ہو گئی ہے ـــــ"

سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آخر میں کہا:۔

"میرے بعض دوستوں نے بعض اوقات کہا ہے کہ ہنمکنڈہ کو اب دوسرا گلبرگہ

بنانا چاہیئے، میں اپنے دوستوں کا جنھوں نے محبت کی راہ سے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں مگر میں تو اس سے خوش ہونگا کہ جس شہر کا نام ورنگل ہو وہ آج کے گلبرگہ کے مقابلہ میں دوسرا گلبرگہ بنے، میرے دوستو تم ورنگل کو ورنگل ہی بنانے میں سعی کرو، اور اب میں دعا کرتا ہوں کہ جن عمدہ اور توقعات کے بھرے ہوئے خیالات کے ساتھ یہ کام شروع کیا جاتا ہے خداوند کریم اُن مقاصد کو بحسن وخوبی برلاوے اور روز بروز تمھارے اس شہر کو ترقی نصیب ہو۔"

غرض سنگِ بنیاد کا جلسہ نہایت کامیاب ہوا، ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ :۔

"دن کا جلسہ اس چہل پہل کے ساتھ ختم ہوا، رات کو صوبہ دار صاحب کی طرف سے تمام یورپین افسروں اور لیڈیوں کی جو اس موقع پر تشریف رکھتے تھے اور جن میں مسٹر بالر اور مس بالر صاحبہ بھی شامل تھے اور دوسرے سرکاری عہدہ داران موجودہ مستقر ضلع کی دعوت تھی ۱۲ بجے تک نہایت لطف وخوشی کے ساتھ وہ صحبت قایم رہی اور اُس کے بعد سب لوگ خوشی خوشی رخصت ہوئے"

تھوڑی مدت میں یہ تمام عمارتیں مکمل ہوگئیں، عدالت اور دفاتر کی عمارتوں کے علاوہ اسی سلسلہ میں ایک وسیع وشاندار ایوانِ شاہی یا گورنمنٹ ہاؤس بھی بن گیا جو دُور سے نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، اعلیٰ حضرت جب کبھی اس صوبہ میں تشریف لاتے ہیں تو یہاں قیام فرماتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف بنگلے، مسجد، کنوئیں، کلب بن کر تیار ہوگئے ہیں، اور یہ ویران مقام اب اس علاقہ کا سب سے زیادہ پُررونق حصہ بن گیا ہے، یہ سب عمارتیں اس سڑک کے دورویہ کھلے میدان میں واقع ہیں جو قاضی پیٹھ اسٹیشن سے آتی ہے۔

صوبہ دار کے عمارات سے آگے بڑھ کر سڑک کے داہنی طرف ایک باغ ہے جس کو محبوب باغ کہتے ہیں۔ اس سے آگے چوراہہ پر ایک بلند کمان تین محراب کی نواب انتصار جنگ کی یادگار میں کسی دسیکھ نے تعمیر کرائی ہے جس پر یہ کتبہ نصب ہے:۔

بفرمانِ شہ محبوب علی خاں | ہوا جب انتظام سمتِ شرقی
وقار الملک نے کی سعی و کوشش | ورنگل میں نئی بستی بسائی
گماں ہے یادگاری میں اُسی کے | ہے ہنگل رام چندر نے بنائی
کہا ہاتف نے، اس کی سالِ تعمیر | فلک شوکت گماں ہے بادشاہی

نواب انتصار جنگ کو صوبہ کے صدر مقام کی آبادی و ترقی میں اس قدر انہماک تھا کہ جب یہ کام شروع ہوا تو برابر ترقی ہی کرتا چلا گیا، اور اُنھوں نے اپنے ماتحت افسروں میں بھی یہ ذوق پیدا کر دیا، ایک پارسی جنٹلمین فرامجی جمشید جی جو نواب انتصار جنگ کے عہد میں ضلع کھمم کے اول تعلقہ دار تھے، اور بعد کو حسن کارگزاری کے صلہ میں نواب فرامرز جنگ کے خطاب سے ممتاز ہوئے صوبہ کی ترقی کے وسائل اختیار کرنے میں خاص طور پر نواب انتصار جنگ کے ساتھ شریک تھے۔

نواب انتصار جنگ کا عہد صوبہ داری ختم ہونے کے بعد جب نواب اعظم یار جنگ صوبہ شرقی کے صوبہ دار مقرر ہوئے تو فرامجی جمشید جی نے ۱۲۹۹ف میں ورنگل کی آبادی و ترقی کے متعلق ایک مطوّل رپورٹ اُن کی خدمت میں پیش کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو تین سال کے قلیل مدت میں کئی لاکھ روپیہ کی سرکاری و خانگی عمارتیں نواب انتصار جنگ کی سعی و تحریک سے ورنگل میں بن گئیں اور تجارت، کاروبار اور آبادی میں معقول اضافہ ہوا۔

فرامجی لکھتے ہیں :-

"قلیل میعاد دو سال میں شہر ورنگل کی آبادی میں کسقدر کثیر ترقی ہوئی، اور رعایائے عامہ نے کس قدر ہمت کے ساتھ ایک کثیر رقم آبادی کے لیے صرف کی ہے، میں جناب عالی کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کارروائی میں میرا کوئی ذاتی دخل نہیں ہے جو کچھ میں نے کیا ہے وہ اپنا فرض منصبی ادا کیا ہے بلکہ یہ کل ترقی آبادی صرف اُس عملی ہمدردی نواب انتصار جنگ بہادر کا نتیجہ ہے، جو اُنھوں نے اپنے انصاف و معدلت سے اپنے عہد صوبہ داری میں رعایائے ورنگل کے

کے ساتھ برتی ہے، اور اس کے عوض میں رعایائے ورنگل اپنی آبادی کو ہمیشہ ایک عمدہ یادگار نواب صاحب ممدوح کا سمجھتی ہے۔"

اس کے بعد فرامجی جمشید جی نے نام بنام اُن تمام سرکاری اور پبلک عمارات کی فہرست مع اُس رقم کے تفصیل کے پیش کی ہے جو ان عمارات پر خرچ ہوئی۔ ان صدہا عمارات میں سے صرف ایک دو کا حال تمثیلاً بیان کیا جاتا ہے۔

بازار رامنا پیٹھہ فرامجی جمشید جی لکھتے ہیں کہ یہ ایک نہایت قدیم بازار اندرون شہر ورنگل واقع ہے اس بازار کے قدیم مکانات مٹی سے بنے ہوئے بہت پست تھے اس بازار میں نہایت مالدار بیوپاری تجارت کرتے ہیں، میں نے دو سال قبل کل بیوپاریوں کو فہمایش کی اور اُن کو ترغیب دی کہ وہ عمدہ عمدہ مکانات اپنی قدیم جائے پر تیار کریں اور بالکل آزادی کے ساتھ تجارت کریں، اس موقع پر یہ کیفیت بے موقع نہوگی کہ میری ترغیب کے زمانہ میں بیوپاری لوگ بہتر مکان کی تیاری کرنے بلکہ عمدہ لباس پوشی سے ہمیشہ خائف رہتے تھے ــــــ" سابق میں ایسی حالت تھی کہ نہ صرف عہدہ دار بلکہ ایک ایک کوتوالی کا سپاہی اور ایک تحصیل کا چپراسی ایک لکھ پتی بیوپاری کو ہر طرح ذلیل کر سکتا تھا، نواب انتصار جنگ بہادر کے عہد صوبہ داری سے بیوپاریوں اور رعایائے عامہ کو اس مظلمہ سے آزادی حاصل ہوئی اور نواب صاحب ممدوح کی ہدایات کے موافق میں نے تجار اور رعایا کو آزادانہ اپنی بود و باش کرنے پر اور بلا خوف اہلکاران و عہدہ داران سرکار اپنی طرز معاشرت کو بہتر حالت میں رکھنے کے لیئے آمادہ کیا، اور وقت بوقت ترغیب ہوتی رہی جس کا نتیجہ قلیل عرصہ دو سال میں یہ برآمد ہوا ہے کہ رامنا پیٹھہ کا بازار جو صرف مٹی کے مکانات سے بنا ہوا تھا وہ آج دو منزلہ چھوٹی بڑی حویلیوں سے بھرا ہوا ہے تجار و رعایا مع اپنے اہل و عیال خوشی کے ساتھ بسر کر رہے ہیں، اور علاوہ قدیم بازار رامنا پیٹھہ کے ایک عمدہ جدید بازار موسوم بہ انتصار گنج ان ہی بیوپاریوں نے آباد کیا ہے جہاں لاکھوں روپیہ کی تجارت ہوتی ہے۔

انتصار گنج انتصار گنج جدید بازار متصل اسٹیشن ورنگل کی تعمیر حسب ہدایت نواب انتصار جنگ بہادر صوبہ دار وقت میں نئے آغاز کی یہ وہ مقام ہے کہ جہاں دو سال قبل زراعت ہوتی تھی اور سڑک کی عدم موجودگی کی وجہ سے مٹھوارہ سے ورنگل اسٹیشن تک ہنڈیوں کا گزر نہایت مشکل کے ساتھ ہوتا تھا میں نے کریم آباد اور رامنا پیٹھ اور مٹھوارہ کے ساہوکاروں کو اس جدید بازار کی تیاری کے لیے ترغیب دی اور آمادہ کیا کہ وہ جدید بازار کی تیاری شروع کریں اس بازار کا دو طرفہ طول ۲۵۲۰ گز ہے ۱۲۹۷ف میں انتصار گنج کی آبادی کے لیئے جو زمین دی گئی اس کی جملہ ۹۳۳۸۰ گز مکسر ہے۔

آبادی کی ترقی نواب انتصار جنگ کے عہد میں جس طرح امن وامان اور تجارت و زراعت نے اس صوبہ میں ترقی کی اسی طرح آبادی میں بھی اضافہ ہوا، چنانچہ ایک سرکاری نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین تعلقوں میں جو سرحد انگریزی سے ملے ہوئے ہیں پانچ سال کے اندر ۲۰۲۸ اشخاص نے انگریزی علاقہ سے آکر یہاں مستقل سکونت اختیار کی اور کاشتکاری کا کام شروع کیا۔

شفا خانہ شفاخانہ کی ایک مختصر عمارت یہاں موجود تھی، نواب انتصار جنگ کی تحریک سے نواب سر آسماں جاہ نے مزید عمارات کی توسیع منظور کی اور متعدد عمارتیں تیار ہوئیں۔ بیمار مرد اور عورتوں کے لیے علٰحدہ علٰحدہ مکانات تعمیر ہوئے، جن میں بیمار بہت اچھی حالت میں رکھے جاتے تھے، سرکاری عہدہ داروں وغیرہ کے لیئے ایک علٰحدہ مکان تھا جہاں وہ کرایہ دے کر رہ سکتے تھے۔

لاوارث بچوں کا مدرسہ اور دار الاقامہ نواب انتصار جنگ نے زمانہ صوبہ داری میں رفاہ عام کے لیے جو مفید کام انجام دیئے ہیں اُن میں ایک قابل ذکر کام لاوارث بچوں کے لیئے مدرسہ اور دارالاقامہ کا قایم کرنا بھی ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسے کے حالات نواب سر آسماں جاہ مدار المہام کے الفاظ میں بیان کیئے جائیں۔ نواب ممدوح نے

۱۲۹۹ف میں صوبہ شرقی کے بعض اضلاع کا معائنہ کیا اور اسی سلسلہ میں لاوارث بچوں کا مدرسہ بھی دیکھا، نواب انتصار جنگ اس زمانہ میں صوبہ داری سے واپس آچکے تھے اور دوسرے عہدہ پر ممتاز تھے اگرچہ اس موقع پر مدار المہام کے ساتھ شریک سفر تھے۔

نواب سر آسماں جاہ لکھتے ہیں:-

مدرسہ کا معائنہ ہوا اس میں ۸۰ نابالغ اطفال لاوارث تعلیم پاتے ہیں اور سرکار کے خرچ سے اُن کی پرورش ہوتی ہے، قدیم طریقہ کے بموجب لاوارث بچے اُن لوگوں کو دیدیئے جاتے تھے جو اُن کو پرورش کے لئے لینا چاہتے تھے، اور اگرچہ اُن لوگوں سے بچوں کے حق میں بہت مفید شرائط حاصل کی جاتی تھیں مگر اس میں شک نہیں کہ بالآخر اُن میں سے اکثروں کی حالت لونڈی اور غلاموں کی سی ہو جاتی تھی، نواب انتصار جنگ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے زمانہ صوبہ داری شرقی میں سرکار کی توجہ اس طرف مصروف کی کہ پرانا طریقہ موقوف کیا جائے، اور سرکار چونکہ اُن کی فطری ولی ہوتی ہے اپنے صرف سے ان بچوں کو پرورش اور اُن کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے چنانچہ اُنھوں نے بہ اُمید منظوری سرکار اسی صوبہ میں جہاں وہ صوبہ دار تھے اُس پرانے طریقہ کو قطعاً بند کر دیا، اور اپنے ذاتی صرف سے اُن بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، جو اُس وقت اُن کو اس صوبہ سے دستیاب ہوئے تھے، اُنھوں نے نہایت زور سے سرکار میں اس مسئلہ کو پیش کیا کہ سرکار جب لاوارث مال کی مالک بنتی ہے تو لاوارث بچوں کی تعلیم اور پرورش کا ذمہ بھی سرکار پر ہونا چاہیئے، اور وہ پرورش اس طرح ہونی چاہیئے کہ جہاں تک کسی بچہ کا مذہب تحقیق ہو سکے وہاں تک وہ اُسی مذہب میں رکھا جائے اور اُسی احتیاط مذہبی کے ساتھ اُس کی خورد نوش کا بندوبست کیا جائے۔

یہ مسئلہ عرصہ تک یوں ہی زیر تجویز چلا آتا تھا لیکن میں نے اپنے ابتدائی عہد مدار المہامی میں اُن سب تجویزوں کو منظور کر لیا، اور نواب انتصار جنگ کی درخواست پر یہ حکم بھی دیدیا کہ تمام ممالک محروسہ کے لاوارث بچے اسی جگہ رکھے جائیں چنانچہ انہی اصولوں پر یہ مدرسہ قایم ہوا۔

ہی جو اسکول اور بورڈنگ ہاؤس پر شامل ہے اور ایک عیسائی لیڈی اس کی ہیڈ ماسٹرس اور منیجرس ہے اُردو، انگریزی و تلنگی کی تعلیم ہوتی ہے اور حرفہ کے لحاظ سے لڑکوں کو نجّاری کا کام سکھایا جاتا ہے اور لڑکیوں کو علی العموم اس ایک خیال کے ساتھ تعلیم دی جاتی ہے کہ آخر الامر اُن سب کو ڈاکٹری کی تعلیم دی جائیگی۔

بچوں میں ہندو اور مسلمان دونوں قسم کے بچے ہیں اور سب اپنے اپنے مذہب پر رکھے گئے ہیں مسلمان بچوں کے لیے اس قدر اہتمام زیادہ کیا گیا ہے کہ ایک پیرمرد آخوں اُن کو نماز اور روزہ وغیرہ کے احکام کی تعلیم دیتے ہیں، مدرسہ کا مکان بہت عمدہ اور فرحت بخش موقع پر ہے، تمام بچوں کی صحت اور تندرستی عمدہ حالت میں تھی، لباس بھی درست تھا، اُن کے رہنے کا مکان بھی اور سب چیزیں صاف تھیں، لڑکیوں نے جو ریشم اور اون سے مختلف قسم کی چیزیں بنائی تھیں اور لڑکوں کے بنائے ہوئے چوبینہ کے نمونے سب اچھے تھے، اور معلوم ہوتا تھا کہ تعلیم کی ترقی کے ساتھ حرفت کو بھی ترقی ہو رہی ہے، جو ایک ضروری امر ہے۔

جو نتیجہ کہ اس انتظام سے حاصل ہو چکا ہے، اور جس کے حاصل ہونے کی اُمید ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہے، خصوصاً جب کہ خیال کیا جاتا ہے کہ بالفعل ہر بچہ کی پرورش میں کل مبلغ ۶ روپیہ سالانہ خرچ ہوتے ہیں جو بلحاظ اُن مفید نتائج کے جن کی کہ توقع ہے ایک نہایت ہی قلیل رقم ہے گورنمنٹ کو نواب انتصار جنگ کا مشکور ہونا چاہیے کہ اُنھوں نے اتنے تھوڑے خرچ میں رعایا کے اس واجب الرحم گروہ کے لیئے ایسا عمدہ اور مفید انتظام کر دیا۔

ملکی صنعت و پیداوار کی نمائش

صوبہ شرقی میں ایک موضع جنڑکل ہے جس کا قدیم نام "دیرا پلم" ہے، یہ موضع ورنگل ریلوے لائن کے اسٹیشن آکیر سے ۶ میل اور اسٹیشن جن گاؤں سے ۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، موضع کے قریب مشرقی جانب ایک ٹیلہ پر دیول ہے، جو بہت مقدس سمجھا جاتا ہے یہاں ہر سال ہزاروں جاتری جمع ہوتے ہیں، اور نہاتے ہیں، یہ مجمع کئی روز تک رہتا ہے لیکن تین دن زیادہ متبرک خیال کیے جاتے ہیں، ان دنوں میں لوگوں کا بڑا ازدحام ہوتا ہے

اس معبد (دیول) کے اطراف میں متعدد دھرم سالے ہیں اور ایک کمان ہے جس کو راجہ گردھاری پرشاد عرف منبی راجہ نے تیار کرایا ہے، کمان کے بالائی حصہ پر نوبت خانہ بھی ہے یہ اعزاز اعلیٰ حضرت کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ اور اس کے مصارف کے لیئے چھ سو سالانہ گورنمنٹ نظام سے ملتا ہے، ۲۴ پجاری اس معبد کے محافظ ہیں جو ریاست سے یومیہ پاتے ہیں۔

اس جاترا میں نہ صرف ممالک محروسہ نظام بلکہ دوسرے مقامات سے بھی لوگ آتے تھے بازار قایم ہو جاتا تھا اور خرید و فروخت ہوتی تھی، ان دوکانوں سے محصول بھی لیا جاتا تھا، جب اس صوبہ میں نواب انتصار جنگ بہادر صوبہ دار ہو کر آئے تو حسب عادت اُنھوں نے اس جاترا کی طرف بھی توجہ کی، حسن اتفاق سے اسی سال صوبہ میں ریل بھی جاری ہو گئی تھی، لہٰذا اُنھوں نے عام اعلان کے ذریعہ سے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ ملکی مصنوعات اور پیداوار اس موقع پر لائیں، اسی اعلان کے ذریعہ سے اُنھوں نے لوگوں کو بتایا کہ:۔

"یہ بھی بند و بست کیا گیا ہے کہ اس صوبہ کی عمدہ مصنوعات اور پیداوار وغیرہ پر انعامات بھی دیئے جائیں اور آئندہ رفتہ رفتہ اسی جاترا کو صوبہ شرقی کی سالانہ نمایش گاہ قرار دیا جائے زراعت کے کاروبار اور آلات اور پیداوار کی ترقی اور عمدہ نسل کے مویشی پر جو کہ صوبہ شرقی میں پیدا ہوئی ہو اور وہیں اُس نے پرورش پائی ہو، خاص انعامات دیئے جائینگے۔"

اس اعلان کا مفید نتیجہ نکلا، مختلف قسم کا سامان نمائش گاہ میں آیا، مثلاً میز، کرسی، اسلحہ، قالین برتن، مختلف قسم کے کپڑے، گلّے، بیل اور پیداوار کے نمونے، یہ تمام سامان قریب قریب اسی صوبہ سے آیا تھا، نمایش کے اختتام پر کمیٹی کی تجویز سے انعام تقسیم کیا گیا، اور نواب انتصار جنگ نے ایک بہت زبردست تقریر کی جس میں نمایش کی ضرورت پر زور دیا اور سامان جو آیا تھا اُس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی، اُنھوں نے ہر ہر چیز کے متعلق صحیح ریمارک کیئے اور حسن و قبح کو بیان کیا، اُن کے خاص خاص ریمارک اس موقع پر نقل کیئے جاتے ہیں، مٹھوارہ کی قالین بافی کے متعلق وہ اپنی رائے اس طرح ظاہر

کرتے ہیں :-

"متھوارے کے قالین بافوں نے حقیقت میں کام کیا ہے، یہ چھوٹا سا ریشمی قالین جس کی قیمت ڈیڑھ سو روپیہ گز بیان کی گئی ہے اس ملک بلکہ جہاں تک مجکو علم ہے تمام ہندوستان میں متھوارہ کے سوا دوسری جگہ اپنی نظیر نہیں رکھتا، دوسرے اونی وسوتی قالینوں کی ساخت بھی کس قدر نفیس اور اُن کے جال بوٹے کس قدر خوبصورت ہیں"

اِسی طرح ہر ہر چیز پر رائے دیتے ہوئے ایک آتشباز کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

"آتشباز نے جو نمونہ رات اپنی صنعت کا دکھلایا بہت اچھا تھا اس کے تار امند ل اور انار سب اچھے تھے اور سب کام ایسا ہے کہ اگر ہم کو کسی وقت چند لمحہ کی عارضی خوشی حاصل کرنے کے لیئے روپیہ کو آگ دینے کی کوئی ضرورت پیش آئی تو اس کے لیئے ہم کو حیدرآباد سے مدد لینے کی ضرورت نہ پڑیگی"

اس کے بعد انھوں نے قالین بافوں کو ملامت کی ہے کہ وہ خام رنگ استعمال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے سال حال (۱۸۸۶ء) میں لندن کی نمایش میں اُن کی یہ صنعت نظروں سے گرگئی جس سے سخت نقصان پہنچا، مزید برآں دولاکھ روپیہ کی ایک فرمایش اسی رنگ کی خامی کی وجہ سے واپس لے لی گئی، اگر یہ دو لاکھ ان کاریگروں کے گھروں میں آتا تو اُن کی خوش حالی میں ترقی ہوتی اِسی سلسلہ میں انھوں نے اعلان کیا کہ اس سال رنگ کا لحاظ کیئے بغیر محض عمدہ صنعت پر انعام دیا گیا ہے لیکن آئندہ سال خام رنگ پر کوئی انعام نہیں دیا جائیگا۔

اس کے بعد وہ اس صوبہ کے کاریگروں کی صناعی کی تعریف کرتے ہیں کہ اُن میں یہ استعداد اچھی ہے کہ وہ ہر چیز کی بہت عمدہ نقل اُتار لیتے ہیں لہذا آئندہ اُن کو سبک اور عمدہ نمونے دیئے جائیں اور اسی کے مطابق کام بنوایا جائے، اسی بناء پر وہ تجویز کرتے ہیں کہ صوبہ کے صدر مقام پر ایک دار النمو اور قایم کیا جائے، جس میں عمدہ عمدہ نمونے مہیا رہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ابھی مدت تک صرف

اسی قدر کافی ہے کہ ہمارے کاریگر نمونے کے مطابق عمدہ چیزیں تیار کرلیں جو قیمت کے لحاظ سے بھی ارزاں ہوں، اس کے بعد اُنھوں نے صوبہ کی پیداوار پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ لوگ عام طور پر ادنیٰ اور متوسط درجے کے اجناس کی کاشت کرتے ہیں، اعلیٰ درجہ کی کاشت پر مطلق توجہ نہیں ہے، وہ یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ لوگ پھل، پھول، ترکاریوں کی طرف توجہ کریں اور گیہوں اور نیشکر وغیرہ کی کاشت کو ترقی دیں، لیکن اُن کا خیال ہے کہ:-

"عمدہ عمدہ تخم اور عمدہ عمدہ نمونوں کا بہم پہنچانا یہ بھی بے شک ابتدا ابتدا میں ہمارا کام ہے کیونکہ معلوم ہے کہ بہ استثنائے معدودے چند اکثر لوگ اس مشکل پر بدون ایسی امداد کے غالب نہیں آسکتے۔"

غرض نمایش کا یہ پہلا تجربہ بہت کامیاب ثابت ہوا ۹۵ اشخاص نے انعام حاصل کیا، اس موقع پر پہلی دفعہ لوگوں کی آسایش کے لیے عارضی شفاخانہ اور ڈاکخانہ کا بھی انتظام کیا گیا تھا، جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا، اُنھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ دوکانداروں سے جو محصول لیا جاتا ہے یہ خاص نمایش کے انتظام مثلاً روشنی اور صفائی وغیرہ میں صرف ہوگا اور اسی رقم میں سے انعامات بھی تقسیم کیے جائینگے

دوسری سال نواب انتصار جنگ نے اس نمایش کے لیے اور زیادہ اہتمام کیا، وہ اس نکتہ کو خوب سمجھتے تھے کہ رعایا ان چیزوں پر کیونکر متوجہ ہو گی لہٰذا دوسرے سال اُنھوں نے نمایش کا افتتاح کرنے اور تقسیم انعام کے لیے نواب منیر الملک بہادر معین المہام (فرزند ثانی سر سالار جنگ اول) کو مدعو کیا، اس موقع پر نواب انتصار جنگ نے جو رپورٹ نمایش کے متعلق معین المہام کے سامنے پیش کی ہے وہ نہایت مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

اس رپورٹ میں اُنھوں نے سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ اس نمایش کے قایم کرنے کا خیال اُن کو کیونکر پیدا ہوا۔ نیز یہ کہ اس سے ملکی تجارت اور صنعت و حرفت کو کس قدر فائدہ پہنچیگا، اس کے بعد اعلیٰ حضرت نظام کی شاہانہ نوازش اور بے تعصبی کا ذکر کیا ہے کہ حضور ممدوح نے اس سال اس دیول کو نوبت عطا فرما کر لاکھوں ہندو رعایا کو مسرور کیا، اسی سلسلہ میں اُنھوں نے سلاطینِ آصفیہ

کی بے تعصبی اور رعایا پروری کی مثالیں بیان کر کے بجا طور پر یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ :-

"وقت ہے کہ سرکار عالی کی ہندو رعایا آصف جاہی سلسلہ کے بادشاہوں کا نام اپنے قدیم ہندو راجاؤں کی تاریخ میں بطور ہندو راجاؤں کے بابِ فضل داخل کرے۔"

اس کے بعد اُنھوں نے نواب منیر الملک بہادر کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ پہلی دفعہ سرکاری طور پر آپ کی رونق افروزی سے ہندوؤں کے اس مقدس مذہبی مقام کو کیسا افتخار حاصل ہوا۔

ان تمہیدی مطالب کے بعد اُنھوں نے نمائش گاہ کے متعلق ضروری حالات بیان کئے اور جو جدید خبریں اس سال نمائش میں آئی تھیں اُن کا تذکرہ کیا، اُنھوں نے بتایا کہ اسٹیشن آلیر سے جڑ کل تک ایک وسیع سڑک تیار ہو رہی ہے جو آئندہ سال بہت کارآمد ثابت ہوگی، سڑک کے دونوں جانب چبوترے بنا دیئے گئے ہیں جن کا طول دو ہزار گز ہے، نمائشی اشیاء کے رکھنے کے لئے اس سال ایک چھوٹا سا مکان تیار کر دیا گیا ہے جس کا طول ۴۰ فٹ ہے، اور چونکہ میلہ کی حفاظت کے لیے پولیس کی خاص طور پر ضرورت ہوتی ہے اس لیے میلہ کے وسط میں پولیس کے لئے بھی ایک مکان تعمیر کر دیا گیا ہے۔

نمائش گاہ کے سامان پر نواب صاحب کا تبصرہ نہایت مفصل اور دلچسپ ہے لیکن طوالت کے خیال سے یہاں اُس کے بعض حصے نقل کئے جاتے ہیں جس سے فی الجملہ دکن کی مصنوعات کا اندازہ ہوگا۔ وہ اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

(۱) نارائن پیٹھ ضلع ناگر کرنول کا ریشمی زردوزی، سوتی پارچہ، اس سال بالکل نیا آیا ہے، نارائن پیٹھ کے تاجر اس سال ایک غلطی کر گئے وہ معمولی اور متوسط قسم کا مال اپنے ساتھ لائے، نہایت اعلیٰ درجہ کا مال جس میں دو دو سو اور اڑھائی سو روپیہ کی ایک ایک ساڑھی ہوتی ہے اس خیال سے نہ لائے کہ دیہات کی رعایا ایسے قیمتی مال کی خریدار نہیں ہوتی۔ لیکن جڑ کل پہنچکر اُن کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔

(٢) ہنمکنڈہ کے کاموں میں اس سال لیڈیز ہینڈ بیگ، میز کی چھریاں، کانٹے، چمچے، ٹھسر کا پارچہ طلائی زیور اور رشاک بالکل نئی چیزیں ہیں جو گزشتہ سال کی نمائش میں نہ تھیں۔

(٣) متھوارہ سے جو سلک کا کپڑا آیا ہے وہ بالکل نیا ہے، سابق میں کم عرض کا سفید ریشمی کپڑا وہاں تیار ہوتا تھا لیکن گزشتہ سال کی نمائش کے بعد سے ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ آیندہ اپنی کامیابی کے لیے ان کو کیا کرنا چاہیئے لہذا اس سال انھوں نے بڑے عرض کے سفید تھان بھی بنائے اور اُن سفید ریشمی تھانوں میں سیاہ ریشمی تاگہ دیکر ایسا خوبصورت چارخانہ بنا دیا ہے جو بہت خواہش کے ساتھ اب بہت سے کاموں میں آسکیگا۔ متھوارہ کے شامیانہ بنانے والوں نے بھی امسال شامیانہ کا ایک نیا نمونہ پیش کیا۔

(٤) بھونگیر کے زرگر نے جو قمیص اور کوٹ کے طلائی بٹن اور گھنڈیاں اس سال تیار کی ہیں بہت ہی خوبصورت اور ولائتی کام کا بہت ہی ٹھیک نمونہ ہے اور چونکہ اس میں خالص سونا ہے، لہذا یہ بہت عمدہ چیز سمجھی جاتی ہے۔

(٥) جریال ضلع کھمم کی ساخت بندوق، وردنا پیٹھ کا حقہ، چلم اور چاندی کا بکلوس اور سکن ویر تعلقہ مدہرہ ضلع کھمم کی زرین کار دھوتیاں، پیتری تعلقہ جریال کا چاے کا خوبصورت سٹ، اور بوجا کا خوشنما شمعدان، وال کوداڑ تعلقہ کھمم کا طپنچہ اور گپتی یہ سب سامان اس سال کی نمائش میں بالکل نیا ہے۔

(٦) ومسور تعلقہ مدہرہ ضلع کے ایک کاریگر نے امسال عینکوں کا نمونہ پیش کیا ہے، جس پتھر کی بنائی ہوئی عینک ہے، یہ پتھر بھی اسی علاقہ میں پیدا ہوتا ہے اور خوردبین پتھر ہے اس پر اگر کوشش ہوگی تو آیندہ سال تصویریں وغیرہ دیکھنے کی بڑی بڑی چیزیں بھی اس کی ساخت کی پیش ہو سکیں گی۔

(٧) محمد دلاور حسین صاحب باشندہ ہنمکنڈہ نے ایک تقویم پیش کی ہے جس میں سو سال سے زیادہ کا حساب ہے، بیشک انھوں نے بہت محنت کی ہے، میری دلی تمنا ہے کہ یہ سلسلہ ترقی کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچے کہ صوبہ میں مصنف لوگ پیدا ہوں اور اس سالانہ نمائش گاہ میں اُن کی تصنیفات پر انعام

تجویز کیا جایا کرے۔

اِن سب چیزوں کے بیان کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں:۔

مٹھوارہ کے مشہور قالین، ریشمی اور زردوزی ساڑھیاں ہنمکنڈہ کے لوہے کی ہتھیار اور لکڑی کے صندوق وصندوقچیاں اور گاڑی اور طلائی ونقرئی زیور اور بھونگیر کی دوخت شیروانیاں اور متفرق مقامات کے چاندی وسونے کے زیور اور بھونگیر کے مٹی کے برتن اور نقاشوں کی کاریگری سے امسال بھی نمائش کا کمرہ جگمگا رہا ہے“۔

اِس کے بعد اُنھوں نے غلّہ کی مختلف اجناس اور پھلوں پر ریویو کیا ہے، اور اسی سلسلہ میں اُنھوں نے اس امر پر افسوس کیا ہے کہ چونکہ یہ مختلف قسم کے پھلوں کا موسم نہیں ہے اس لئے ہر قسم کے پھل نمائش گاہ میں نہیں آسکتے لہذا آئندہ سے میں قاعدہ جاری کرنا چاہتا ہوں کہ تازہ میوے اور دوسری چیزیں جو رکھی نہیں جاسکتیں، اپنی تیاری کے وقت تعلقدار ضلع کے پاس بھیجدی جایا کریں جو نمائش گاہ کی انتظامی کمیٹی کے پریسیڈنٹ ہیں تعلقدار باتفاق رائے چند ممبروں کے اس کی نسبت یادداشت لکھ لیا کریں گے جس کی بنیاد پر سالانہ نمائش گاہ میں انعام تجویز ہوسکیگا۔

اِس سال ۱۱۱ اشخاص نے انعام حاصل کیا، نواب مُنیر الملک بہادر اور کرنل مارشل پرائیوٹ سکرٹری اعلیٰ حضرت نے بھی معقول رقم انعام کی مد میں عطا کی، اور نمائش بخیر وخوبی اختتام کو پہونچی۔

نمائش گاہ کے موقع پر نواب منیر الملک کو رعایا وحکام کی طرف سے متعدد ایڈریس دیئے گئے جن کا نواب ممدوح نے فرداً فرداً جواب دیا، ان جوابات کے سلسلہ میں اُنھوں نے نواب انتصار جنگ کے خدمات کا خاص طور پر اعتراف کیا ہے، وہ دیول کے بیجاریوں اور عام رعایا کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

”میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ آسانیاں اور سامان آسائش آپ

لوگوں کے واسطے مہیا ہوئے ہیں اُس میں بہت بڑا حصہ نواب انتصار جنگ بہادر صوبہ دار اور دیگر افسران ضلع کی عمدہ کوششوں کا ہے۔"

ایک دوسرے ایڈریس کے جواب میں کہتے ہیں :-

"میں اپنی تقریر کو ختم نہیں کرسکتا جب تک کہ نواب انتصار جنگ بہادر کا شکریہ نہ ادا کردوں جنھوں نے اپنی بے انتہا کوشش اور مدبرانہ انتظام سے ایک الیسی کورویہ کو ایسا مشہور کردیا۔"

مندرجہ بالا حالات پڑھنے سے یہ اندازہ ہوگا کہ ان تمام انتظامات سے نواب انتصار جنگ کا بڑا مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ :-

(۱) رعایا اور گورنمنٹ کے مابین خوشگوار تعلقات اور باہمی اعتماد پیدا ہو۔

(۲) ملک کی آبادی اور زراعت میں ترقی ہو، بڑے بڑے زمیندار، جاگیردار اور اہل وجاہت پیدا ہوں، جس سے ریاست کے وقار اور قوت میں اضافہ ہو۔

(۳) ملک کی مُردہ صنعتیں زندہ ہوں اور ترقی کریں، لوگوں میں تجارتی حوصلہ مندی اور کاروبار کی رغبت پیدا ہو، تاکہ قومی دولت میں اضافہ ہو اور بڑے بڑے تاجر اور سرمایہ دار ملک میں پیدا ہو کر حکومت کے اعزاز و وقار کو بڑھائیں، وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ لوگ معاشرت و تمدن کی حیثیت سے بھی ترقی کریں اور جائز حدود کے اندر آزادی کی برکتوں سے فائدہ اُٹھائیں، وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ "کوئی ملک ان کمبل پوشوں سے ترقی نہیں کرسکتا" اس سے اُن کا مقصد یہی تھا کہ جب تک دولت و سرمایہ اور تہذیب و معاشرت کے لحاظ سے ملک ترقی نہیں کریگا ترقی یافتہ نہیں سمجھا جائیگا۔

گزشتہ ۳۰-۴۰ سال کے زمانہ میں حیدرآباد تہذیب و تمدن اور آئین و اُصول کے لحاظ سے بہت ترقی کرگیا ہے اس لیے ممکن ہے کہ اُس عہد کی بہت سی باتیں خصوصاً نظم مملکت کے اُصول آج ہماری نظروں میں معمولی معلوم ہوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نواب انتصار جنگ جس زمانہ میں دکن کے پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں میں حیدرآباد کے شاندار مستقبل کی بنیاد رکھ رہے تھے وہ زمانہ ہمارے زمانے

مختلف تھا، اس وقت حیدر آباد ترقی کے موجودہ اسباب و وسائل سے ناآشنا تھا، اور ابھی اُس نے ترقی کے ابتدائی مراحل بھی طے نہیں کیٔے تھے، اور جب کوئی قوم اس درجہ میں ہو تو سب باتیں اس کو بچوں کی طرح سکھائی جاتی ہیں، اور معمولی معمولی باتوں پر اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے تاکہ اُس میں اور زیادہ ولولہ عمل پیدا ہو، آج حیدر آباد خواہ ترقی کے کسی درجہ پر ہو، لیکن کسی حالت میں اُن لوگوں کی خدمات نظر انداز نہیں کی جا سکتیں جنھوں نے مشکلات کے ہجوم میں جب کہ باہمی رشک و حسد کی وجہ سے ہر کام کرنے والے کے خلاف ایک طوفان برپا تھا بغیر کسی لغزش یا کمزوری کے استقلال و راستبازی کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا، نواب انتصار جنگ بھی انھیں لوگوں میں ہیں جنھوں نے اپنے دماغ کی بہترین طاقت اور شباب کی پُرولولہ زندگی کا بہترین حصہ دولت آصفیہ کی خدمت میں صرف کر دیا۔ لہٰذا ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اُن کے کارناموں کو پڑھتے وقت اُس زمانہ کے حیدر آباد کو بھی پیش نظر رکھیں، صرف اِسی طریقہ سے ہم اس زمانہ کے کام کرنے والوں کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ایک عدالت کا افتتاح نواب انتصار جنگ کی تحریک سے جدید عدالتی انتظامات کے سلسلہ میں نارائن پیٹھ ضلع ناگر کرنول میں ایک عدالت منصفی قایم کی گئی جس کے افتتاح کی رسم کے موقع پر خود نواب انتصار جنگ بھی موجود تھے اور اُنھوں نے ایک پُر مغز افتتاحی تقریر بھی کی، اگرچہ کسی عدالت کا افتتاح بظاہر ایک معمولی واقعہ ہے لیکن جس ملک میں جدید انتظامات کا آغاز ہو وہاں بعض معمولی واقعات بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں، ۱۶ شعبان ۱۳۰۴ھ کو ایک شاندار مجمع میں یہ رسم عمل میں آئی۔

تعلقدار ضلع کی مختصر تقریر کے بعد نواب انتصار جنگ نے مجمع کو مخاطب کیا۔ اُنھوں نے بتایا کہ میرے ۱۲۹۳ف کے دورہ کے موقع پر ایک عدالت منصفی کے قیام کی جو خواہش کی گئی تھی وہ مجکو یاد تھی، جب موقع ملا میں نے اس کی تحریک کی جو منظور ہوتی، اور خوشی کی بات ہے کہ آج وہ منصفی کھولی جاتی ہے، جس سے آپ کو دیوانی کے مقدمات میں بہت آسانی ہو گی۔ اسی سلسلہ میں اُنھوں نے اپنے مقتضائے طبیعت کے مطابق یہ بھی کہا:-

"لیکن میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان تمام کامیابیوں سے متمتع ہو کر زیادہ

تو اس طرف رغبت مت کرنا کہ مقدمات زیادہ دائر ہوں، اسٹامپ کی آمدنی زیادہ ہو، یہ بیہودہ ہو، مگر میری خواہش اس کے بالکل برخلاف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب تک تم دوسرے طور سے اپنے مدیونوں سے معاملہ کر سکو مقدمے دائر کرنے کا خیال نہ کرنا اور خصوصًا کاشتکاروں کے ساتھ بہت نرمی کرنا اگر ان کے ساتھ سختی ہوئی اور یہ تباہ ہو گئے تو اس سے خود تمہارا نقصان ہے۔

——— تجربہ سے اگر ہم کو معلوم ہوگا کہ آپ لوگ کاشتکاروں کے ساتھ سختی کرتے ہیں تو ہم حفاظتی تجویزوں میں سختی کرینگے اور اگر معلوم ہوگا کہ آپ لوگ کاشتکاروں کے ساتھ خود نرم برتاؤ کرتے ہیں تو ہم کارروائی کو اپنی حالت پر چلنے دینگے۔"

اِس کے بعد اُنھوں نے وکلا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"مجکو یہ دیکھ کر بھی خوشی ہوئی کہ آج جس قدر وکلاء اور مختار یہاں موجود ہیں وہ ایک منصفی کی ضرورتوں کے لیے بہت کچھ کافی ہیں آپ صاحبوں سے بھی مجکو یہ کہنا ضرور ہے کہ میں وکلاء کے وجود کو عدالت اور رعایا دونوں کے لیے بہت کارآمد اور مُفید سمجھتا ہوں بشرطیکہ آپ اپنا کام اچھی طرح کریں، آپ کا یہ کام نہ ہونا چاہیے کہ آپ لوگوں کو رغبت دلا کر خواہ مخواہ مقدمات کی تعداد بڑھائیں اور لوگوں میں باہم جھگڑے پیدا کرائیں، آپ کا کام صرف یہ ہے کہ جب کوئی اپنا معاملہ آپ تک لائے تو آپ اس کو نیک صلاح اور قانونی مدد دیں۔"

کتاب کے ابتدائی حصہ میں کسی جگہ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس زمانہ تک حیدرآباد میں عدالتوں کا پورا پورا احترام قایم نہیں ہوا تھا خصوصًا بڑے بڑے امراء جاگیردار عدالت کے احکام کی زیادہ پروا نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے نواب انتصار جنگ کو اپنی تقریر میں یہ بھی کہنا پڑا:۔

"یہ امر بالکل ناقابل برداشت ہوگا کہ منصف صاحب کے احکام کی تعمیل میں کوئی

عدل یا تساہل برتا جائے تمام سررشتوں پر اور تمام لوگوں پر ان احکام کی تعمیل واجب ہے جو منصفی کے محکمہ سے صادر ہوں میں اس وقت نارائن پیٹھ میں موجود ہوں اگر منصف صاحب کا حکم میرے پاس پہنچے کہ اپنے فلاں عملہ کو ادائے شہادت کے لیے بھیجدیجئے مجکو کوئی چارہ کار نہ ہوگا بجز اس کے کہ اس کی تعمیل کروں خود مجکو منصف صاحب اگر کسی وقت اپنے محکمہ میں شہادت کے واسطے طلب فرمائیں میں بسر و چشم حاضر ہونگا اور عدالت میں اپنی حاضری کو اپنا فخر سمجھونگا"۔

نواب انتصار جنگ کی تقریر کے بعد جدید منصف صاحب نے مختصر الفاظ میں ان عمدہ نصایح پر نواب صاحب ممدوح کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد رعایا کے ہر طبقہ کے قایم مقاموں کی طرف سے ایک ایڈریس نواب انتصار جنگ کی خدمت میں پیش کیا گیا، جس میں اُن گوناگوں احسانات اور جدید انتظامات کا شکریہ ادا کیا گیا تھا جن کا تعلق نواب صاحب ممدوح کی حکومت سے تھا، یہ ایڈریس ایک مکلف خریطہ میں رکھ کر پیش کیا گیا۔

اس کے بعد نواب انتصار جنگ مع حکام و رعایا کی جماعت کے منصف صاحب کو عدالت کے خیمہ کی طرف لے گئے اور بسم اللہ کہہ کر اُن کو اجلاس کی کرسی پر بٹھایا اور مبارک بادی۔ اس کے بعد نواب ممدوح نے اعلان کیا کہ منصفی کی عدالت کھل گئی۔ چنانچہ اسی روز تین عرضی دعوی منصف صاحب کے اجلاس میں پیش ہوئے۔

عام اِصلاحات اور مفید احکام

نواب انتصار جنگ نے اپنے زمانہ صوبہ داری میں سینکڑوں مفید احکام جاری کیئے جو زیادہ تر رعایا کی فلاح و آسایش، ملکی ترقی، اور سرکاری دفاتر کی اصلاح و تہذیب کے متعلق ہیں، ہر حکم کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ہمہ گیر طبیعت کسی چیز کو اصلاح بغیر چھوڑنا نہیں چاہتی، وہ خود بھی جوش و ولولہ کے ساتھ کام کرتے ہیں، اور ماتحت عہدہ داروں سے بھی کام لیتے اور اُن کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ اُن میں اور زیادہ کام کرنے کا جوش پیدا ہو۔ مثلاً ایک حکم کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

"میں خود دورہ کو اُٹھ چکا ہوں اور اپنے صوبہ کے ہر ایک ضلع میں مجکو جانا اور ہر ایک تحصیلدار اور ناظم جمعبندی کے کام کو اسی سال مجکو دیکھنا ہے، میں اُمید کرتا ہوں کہ ہر ایک عہدہ دار افسر جن سے ان ہدایات کی تعمیل متعلق ہو ایسی احتیاط اور مستعدی کے ساتھ ہدایات کے بموجب عمل پیرا ہونگے کہ اُن کے کاموں کے دیکھنے کے بعد میرا کام صرف اُن کا شکریہ ادا کرنا اور اُن کی عمدہ خدمات کی اطلاع عالی جناب مدار المہام سرکار عالی کی خدمت میں پیش کرنے کا رہ جائے۔"

ایک دوسرے حکم کو جو ایک تعلقہ دار کے نام ہے ان الفاظ میں ختم کرتے ہیں:۔

"اور میں بدل مشکور ہوں آپ کی اُس عمدہ سالانہ مکمل رپورٹ کا جو ۱۲۹۳ف کے ختم کے بعد آپ نے روانہ کی تھی اور توقع ہے کہ آیندہ ان کیفیتوں میں اور بھی عمدگی پیدا ہوتی جائیگی تعلقہ دار صاحبان کی یہ کیفیتیں برابر نواب مدار المہام سرکار عالی کے ملاحظہ کے واسطے گزرانی جائینگی اور جب کہ مجکو اپنے صدر تختہ جات صوبہ کے ساتھ اپنی کیفیت شامل کرنی پڑیگی اور ہر ایک کا مقابلہ دوسرے اضلاع صوبہ سے کیا جائیگا تو مجکو دیکھنا ہے کہ کون سا ضلع اس کیفیت میں بلحاظ ان عمدہ نتائج کے

اوّل درجہ حاصل کرتا ہے"۔

صوبہ کی حالت ایسی اصلاح طلب تھی کہ مختلف معاملات کے متعلق لازمی طور پر روزانہ احکام صادر کرنے کی نوبت آتی تھی اور ہر حکم کسی نہ کسی لحاظ سے مفید وضروری ہوتا تھا۔ چنانچہ رعایا نے جو ایڈریس عدالت منصفی کے افتتاح کے وقت نواب انتصار جنگ کو دیا تھا اُس میں ان احکام کی کثرت کی طرف بھی اشارہ تھا، یعنی:۔

"بلا مبالغہ ہر روز ایک نیا انتظام ہماری آسایش کے لیئے کیا مال میں کیا عدالت میں، کیا کوتوالی میں برابر قایم ہوتا جاتا ہے۔ ہر روز ایک نئی گشتی ہمارے محسن افسر اعلیٰ صوبہ، عالی جناب نواب انتصار جنگ بہادر دام اقبالہم کی ہماری رفاہ عام کے لیئے جاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی تمدنی حالت کو نہایت سہولت کے ساتھ درست کرتے چلے جاتے ہیں، اور سرکار عالی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ہم پر سرکار عالی نے ایک ایسے روشن خیال رعایا پرور، محنتی، دلسوز حاکم کو مقرر فرمایا ہے کہ جس کے عہد حکومت اور زمانہ معدلت میں ہم ایسی آسایش اور آزادی کے ساتھ بسر کرتے ہیں"۔

اِس سے اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں احکام کی کسقدر کثرت تھی، اور تمام صُوبہ میں کیسی سرگرمی سے کام ہو رہا تھا کم وبیش چار سال تک یہی حالت رہی، اور اس تھوڑی سی مدت میں صوبہ میں عجیب انقلاب پیدا ہو گیا، ان احکام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے، لیکن کتاب اُن کی متحمل نہیں ہو سکتی اس لیئے تمثیلاً اختصار کے ساتھ چند مفید احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مفید احکام کی عام اشاعت

اسی زمانہ میں رعایا کی فلاح وبہبودی کے متعلق جو احکام مدار المہام اور دوسرے اعلیٰ حکام کی طرف سے جاری ہوتے اور سرکاری جریدہ میں بھی شائع ہو جاتے تھے، صوبہ کے اہلکار اور پٹواری وغیرہ رعایا کو اُن سے ناواقف رکھتے تھے تاکہ لوگ اپنے حقوق سے واقف نہوں اور بدستور تاریکی میں مبتلا رہیں اور اہلکار ناجائز فائدہ اُٹھاتے رہیں، جب نواب انتصار جنگ

دورہ پر گئے تو اُن کو ان حالات کی اطلاع ہوئی اور معلوم ہوا کہ غریب رعایا بہت سے مفید احکام سے بے خبر ہی تو اُنھوں نے تہدیدی احکام تعلقہ داروں کے نام جاری کیئے کہ وہ تحصیلداروں وغیرہ کو متنبّہ کردیں کہ :۔

"جب اُن کو کسی موضع میں جانے کا اتفاق ہو، تو وہ رعایا کو جمع کر کے اُن تمام احکام سے اطلاع کردیا کریں، میں نے دیکھا ہی کہ رعیت کو جب اُن حکموں کی اطلاع دی گئی تو سب خوش ہوگئے، اور اُن کو سرکار عالی کی مہربانی کی وجہ سے ایک اطمینان حاصل ہوا۔"

اس کے بعد نواب انتصار جنگ نے اُن احکام کی تفصیل بھی بیان کی ہی جن سے رعایا کو بے خبر رکھا گیا ہی اور تاکید کی ہی کہ یہ سب احکام رعایا تک پہونچا دیئے جائیں۔

بے ضابطہ عرایض کے ساتھ سلوک

اس زمانہ میں یہ عام رواج تھا کہ لوگ بے ضابطہ طور اعلیٰ حکام کے پاس ماتحت عہدہ داروں کے متعلق عرضیاں بھیجدیتے تھے جس میں کسی معاملہ کے متعلق شکایت ہوتی تھی اعلیٰ حکام ماتحت محکمہ جات سے ان عرایض پر کیفیت طلب کرتے تھے، اور مراسلات کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع ہوجاتا تھا، نواب انتصار جنگ نے اس طریقہ کو موقوف کردیا، کیونکہ اُن کے نزدیک :

"علاوہ اس کے کہ اس سے محکمہ جات ماتحت میں کام کی زیادہ کثرت ہو، ایک ناواجب مداخلت اضلاع کے حکام کے اقتدارات میں بھی ہی حکام اضلاع آزاد رہنے چاہئیں کہ وہ اخیر وقت تک اپنی ذمہ داری سے کام کریں فریق ناراض کو صرف یہ حق ہی کہ جب اُن کے حکم سے ناراض ہو تو اس کا مرافعہ پیش کرے جس کے ساتھ تجویز کی مصدقہ نقل شامل ہوگی؛ ..... البتہ ایک حصہ ان عرضیوں کا ایسا بھی ہوتا ہی جس میں یہ شکایت ہوتی ہی کہ مقدمہ ضلع میں دیر سے پڑا ہی اور فیصل نہیں ہوتا، اس پر ہم کو اس نگرانی کے لحاظ سے جو محکمہ جات ماتحت کی کارروائی کی نسبت

ہم سے متعلق ہے کیفیت طلب کرنی پڑتی ہے..... مگر یہ کیفیت صرف وجہ توقف انفصال کے متعلق ہوتی ہے مقدمات کے واقعات سے اُس میں کچھ بحث نہیں ہوتی"

عہدہ داروں اور ملازموں کی شکایت کے متعلق جو عرضیاں آتی ہیں اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

"اُن میں ایک حصہ تو اس قابل ہوتا ہے کہ فوراً چاک کردیا جائے اور چاک کردیا جاتا ہے اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جن پر تعلقہ دار صاحبان اضلاع کا مطلع رہنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ سرکاری طور سے تعلقہ دار صاحبان کی خدمت میں مرسل ہوتی ہیں یہ حصہ کارروائی کا بالکل ایک راز کا دفتر ہوتا ہے اور چاہیئے کہ عام طور پر اہل سررشتہ بھی اُس پر مطلع نہ ہونے پائیں"

اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"اب ایک قسم عرائض کی وہ رہتی ہے جو کہ مقدمات سے متعلق ہوتی ہے اور ہم اس پر کوئی کیفیت بھی اضلاع سے طلب کرنا ضرور نہیں سمجھتے ان میں سے کچھ داخل دفتر کردی جاتی ہیں، اور کچھ کی نسبت ہم سمجھتے ہیں کہ تعلقہ دار صاحبان اضلاع اُن پر مطلع ہوں اور وہ جو کچھ مناسب سمجھیں اُن پر کارروائی کریں یہ عرائض بتجویز مناسب کے لیئے اضلاع کو بھیجی جاتی ہیں اُن سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ نتیجہ اخیر سے پھر صوبہ داری کے محکمہ کو اطلاع دیجائے"

ان احکام سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدود سے تجاوز کرنا یا ناجائز اقتدار حاصل کرنا جس طرح وہ دوسروں کے لیئے جائز نہیں رکھتے اپنے لیئے بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

ممانعت معاملت قرضہ و خرید فروخت ملازمین سرکار

اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ سرکاری ملازمین اپنے علاقہ میں لوگوں سے قرض لیا کرتے تھے اور خرید و فروخت کا معاملہ بھی کرتے تھے، اس طریقہ کا اثر سرکاری معاملات پر جو کچھ پڑ سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں چنانچہ جب نواب انتصار جنگ کو بحالت دورہ ان واقعات پر اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے تعلقہ داروں کے نام یہ حکم بھیجا کہ مجھے معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے

کہ بعض سرکاری اہلکار ضلع کے پٹیل اور پٹواری وغیرہ سے یا اُن کی ضمانت پر ساہوکاروں سے قرض لیتے ہیں، اور اُن کے ہاتھ اپنے گھوڑے اور بیل وغیرہ فروخت کرتے ہیں، اسی طرح بعض اہلکار زمیندار سے تحائف وغیرہ بھی لیا کرتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اس مذموم او ناجائز طریقہ کو کامل طور پر روک دوں، چنانچہ احکام ذیل صادر کیئے جاتے ہیں۔

(۱) کوئی اہلکار اپنے علاقہ میں بغیر اجازت اپنے محکمہ بالا دست کے کسی کاشتکار، زمیندار مستاجر، یا پٹیل پٹواری سے یا اُن کی ضمانت پر کسی دوسرے سے قرض نہ لے۔

(۲) کوئی عہدہ دار یعنی افسر محکمہ اپنے عملہ ماتحت کے کسی اہلکار سے یا اُس کی ضمانت پر قرض نہ لے۔

(۳) اہلکار و عہدہ دار کو جس طرح قرض لینے کی ممانعت ہی اسی طرح قرض دینے اور دلانے کی بھی ممانعت کی جاتی ہی۔

(۴) اگر احکام ممانعت سے پہلے اس قسم کا کوئی معاملہ ہو چکا ہی تو تین مہینے کے اندر اس کا تصفیہ ہو جائے، اور اس مدت کے بعد ہر ضلع سے ایک کیفیت آنی چاہیئے کہ ان احکام کی تعمیل ہو گئی یا نہیں اور اگر کوئی پرانا معاملہ باقی رہ گیا ہی تو کیوں رہ گیا۔

(۵) کوئی ملازم سرکار کسی کاشتکار، مستاجر، یا پٹیل اور پٹواری کے ہاتھ نہ کوئی چیز فروخت کرے نہ اُن سے خریدے، نہ کوئی تحفہ یا نذرانہ قبول کرے۔

آخر میں یہ بتایا گیا تھا کہ جو ملازمین سرکار اس کے خلاف ورزی کرینگے اُن کو جرمانہ سے لے کر موقوفی تک کی سزا دی جا سکتی ہی۔

سرکاری محکموں اور دفاتر میں مسلح داخل ہونے کی ممانعت

یہ ایک عام حکم ہی جو اُنھوں نے اپنے صوبہ کے ہر محکمہ اور دفتر میں بھیجا، اور اپنے بالا دست محکموں میں بھی اس کی ایک ایک نقل روانہ کی۔ وہ لکھتے ہیں:-

"میرے سامنے حال میں ایک مقدمہ پیش ہوا ہی جس میں ایک شخص مسلح

حالت میں ایک سرکاری دفتر میں اپنے مقدمہ کی پیروی کے لیئے داخل ہوا اور عملہ کو جس نے اس کو جواب دیا کہ ابھی تمھارا مقدمہ تیار نہیں ہے، اپنے طپنچہ سے دھمکایا، ..... عدالت نے شخص مذکور کو ایک سال قید کی سزا دی ہے، اس ایک مقدمہ سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کے لحاظ سے اب یہ امر لازم ہے کہ عام طور سے ایسا انتظام کیا جائے کہ آیندہ پھر ایسے خطرات پیش نہ آئیں یہ بالکل ایک سرکاری محکمہ کی وقعت اور عظمت اور آداب کے خلاف ہے کہ اہل مقدمات مسلح حالت میں محکموں میں آئیں ان مسلح لوگوں سے اس عہدہ دار یا اہلکار کے لیئے ہمیشہ خطرہ ہے جو ان کے برخلاف کوئی کارروائی کرے یا حکم دے، اور اس سے ایک بہت بڑا خلل سرکاری ملازمین کی آزادی میں بھی واقع ہوتا ہے لہذا حسب ذیل حکم دیا جاتا ہے؟

(۱) سوائے ملازمان کوتوالی یا دوسری جمعیتوں کے جو کسی محکمہ میں اس لیئے حاضر ہوں کہ اس محکمہ کے انتظام اور رعب کو قایم رکھیں، یا جن کی حفاظت میں کوئی مجرم ہو، اور سوائے افسر محکمہ کے اگر وہ اجلاس میں اپنے پاس کوئی ہتھیار رکھنا چاہیئے کوئی شخص مجاز نہیں ہے کہ وہ مسلح حالت میں کسی عہدہ دار کے اجلاس میں یا عملہ کی نشست یا کسی سرکاری دفتر یا گودام میں داخل ہو۔

(۲) جو لوگ مسلح حالت میں محکمہ تک آئیں ان کو لازم ہوگا کہ اپنے ہتھیار پہرہ میں رکھ کر اندر آئیں؛ اگر وہ ہتھیار رکھنے سے انکار کریں تو پہرہ والے کو یا کسی دوسرے ملازم محکمہ کو اختیار ہوگا کہ شخص مذکور کو اندر آنے سے روکے، اس پر بھی اگر وہ اس حکم کی تعمیل نہ کرے اور زبردستی مسلح حالت میں محکمہ میں آنا چاہے تو گرفتار کرکے کوتوالی کے سپرد کردیا جائے، جہاں سے بلا توقف غیر ضروری مقدمہ عدالت فوجداری میں چالان کیا جائیگا۔

نواب انتصار جنگ اس حکم کو یہاں تک ضروری خیال کرتے تھے کہ ان کی خواہش کے موافق مدار المہام نے اعلیٰ حضرت سے اجازت لیکر یہ قاعدہ تمام ملک محروسہ میں جاری کردیا صرف صوبہ

شرقی کے ساتھ مخصوص نہیں رہا، یہ صورت اور احکام میں بھی پیش آئی جو ابتدا میں تو نواب انتصار جنگ نے اپنے صوبہ میں جاری کیئے اس کے بعد مفید سمجھ کر تمام صوبوں میں جاری کر دیئے گئے۔

ریشم کے کیڑوں کے متعلق رعایا کو آزادی

صوبۂ شرقی کے بعض اضلاع میں ریشم کے کیڑے پیدا ہوتے تھے لیکن ان کی پرورش پر پابندیاں تھیں، نواب انتصار جنگ نے مدار المہام سے اجازت لے کر عام حکم دیا کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ آزادی سے اُن کیڑوں کی پرورش کرے اور جس حد تک چاہے ترقی دے کسی قسم کا محصول اس سے نہیں لیا جائیگا، اُنھوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ تعلقہ داروں کو لکھا کہ وہ لوگوں کو اس کام کی ترغیب دیں تاکہ دولت مند اپنا سرمایہ اس مفید کام میں لگائیں، اُن کا خیال ہے کہ :-

"اگر اس ملک میں جہاں ریشمی کپڑے عمدہ عمدہ تیار ہوتے ہیں کافی تعداد میں عمدہ قسم کا ریشم تیار ہونے لگے تو ملک کی دولت کی ترقی کا باعث ہوگا، درآمد کی تجارت کو ترقی ہوگی۔"

ترقیِ زراعت

نواب انتصار جنگ کو اپنے صوبہ میں زراعت کی ترقی کا خاص خیال تھا جس کے لیئے وہ ہمیشہ مختلف تدبیریں کرتے رہے، اعلیٰ اجناس کی کاشت کے متعلق اُنھوں نے رعایا کو خاص طور پر ترغیب دی اور مناسب سہولتیں بہم پہنچائیں، گیہوں، روئی اور نیشکر کی طرف اُنھوں نے خاص توجہ کی، اسی سلسلہ میں اُنھوں نے یہ کوشش بھی کی کہ کوئی زمین اُفتادہ نہ رہے، چنانچہ یہ حکم جاری کیا کہ جن زمینوں کو رعایا نے بلاوجہ اُفتادہ رکھا ہے اُن کے معاوضہ میں رعایا سے کچھ نہ کچھ جمع لی جائے ۱۳۰۴ھ میں اور زیادہ اس کا اہتمام کیا چنانچہ ایک تعلقہ دار کے نام یہ حکم جاری کیا کہ :-

(۱) اپنے ناظمان جمعبندی کو حکم دیجئے کہ جن زمینوں کو رعایا نے بغیر کسی قوی مجبوری کے اُفتادہ رکھا ہے اس کی سالم جمع رعایا پر باندھیں۔ مثلاً اگر پانی موجود تھا اور اُنھوں نے تری کی کاشت نہیں کی یا خشکی کے کسی کھیت کو بغیر کسی معقول عذر کے اُفتادہ رکھا تو اس کی جمع رعایا سے لینی چاہیئے ......" نا داری کا عذر بھی قابل سماعت نہ ہوگا مگر یہ کہ خدا نخواستہ

کوئی اتفاقی صدمہ عین اس سال کی زراعت کے وقت اس کو پیش آگیا کہ مویشی مر گئے یا آگ لگ گئی یا اور کوئی ایسا ہی قوی سبب ہوا ہو' ایسی حالت میں البتہ بعذر ناداری اس سال رقم کا معاف کرنا ضرور ہوگا۔

(۲) لیکن اسی کے ساتھ رعایا کو کامل آزادی دینی چاہیئے کہ وہ اگر کسی زمین کو اپنی طاقت سے زیادہ سمجھتی ہو اُس کا راضی نامہ دے اور جب ایسا راضی نامہ پیش ہو بلا عذر اور بلا توقف اس کو منظور ہونا چاہیئے' × × × × × × × × سب سے بدالزام یہ ہو کہ نادار لوگوں کے ہاتھ میں زمینیں رہیں جو نہ خود کاشت کر سکیں نہ دوسروں کو کاشت کرنے دیں گے

اسی طرح کے متعدد احکام ہیں جن کا مقصد یہ ہو کہ ملک زراعت کی حیثیت سے ترقی کرے۔

جانوروں کو زہر سے بچانے کی تدبیر

اس زمانہ میں زراعت پیشہ لوگوں کے جانور نامعلوم طور پر زہر سے ہلاک کر دیئے جاتے تھے جس سے یہ غریب لوگ مصیبت میں مبتلا ہو جاتے تھے اور باوجود تلاش مجرموں کا پتہ نہیں چلتا تھا- آخر کار نواب انتصار جنگ نے اس معاملہ پر توجہ کی اور تعلقہ داروں کو لکھا کہ اس بات پر یقین کیا گیا ہو کہ چمڑے کے کارخانے رکھنے والے جو ترغیب ڈھیروں کو دیتے ہیں وہ جانوروں کی زہر خورانی کا بہت بڑا باعث ہو- کارخانے والے ڈھیروں کو جو پیشگی روپیہ تقسیم کرتے ہیں وہ ایک علانیہ ترغیب اس قسم کے مجرمانہ افعال کے واسطے ہو- پس فوراً اس ترغیب کو روکنا چاہیئے- جس قدر کارخانے آپکے علاقہ میں ہیں اُن لوگوں سے اقرار نامے لیئے جائیں کہ وہ آئندہ کبھی کسی شخص کو چمڑوں کے بہم پہنچانے کے لیئے پیشگی روپیہ نہ دینگے' اور جو رقم اُن کی ڈھیروں وغیرہ پر اس وقت پیشگی ہو اس کی ایک فہرست موضع وار اور نام وار داخل کریں' اور اس کا تصفیہ چند مہینے کے اندر کرلیں تعلقہ دار اس تصفیہ میں کارخانے والوں کو کچھ مدد بھی دیں تاکہ اس مدت کے اندر ہی جس قدر جلد ممکن ہو اس کا تصفیہ ہو جائے' اگر کارخانے والوں سے ان احکام کی بجا آوری میں کوئی خلاف ورزی ہو تو کارخانہ کو بند کر دیا جائے' اور اگر کسی قسم کا ثبوت اُن کے خلاف مہیا ہو سکتا ہو تو اُس کے ساتھ اُن کو فوجداری سپرد کرنا چاہیئے' اسی سلسلہ میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جابجا ڈھیروں کی پنچایت کر کے اُن کو

متنبہ کیا جائے اور اقرار نامہ لیا جائے کہ وہ آیندہ اس قسم کے جرائم کا ارتکاب نہ کرینگے۔

پھل لانیوالے درختوں کو رعایا کے لیئے خاص کرنا

دیہات میں یہ قاعدہ جاری تھا کہ جو پھل لانے والے درخت رعایا کی باؤلیوں پر یا گھروں میں ہوتے تھے، اُن کا محصول معاف تھا، دَورہ کے زمانہ میں رعایا نے نواب انتصار جنگ سے یہ شکایت کی کہ اس قسم کے درخت جو احاطہ ہائے مکان کے اندر نہیں ہوتے مگر مکانات کے باہر، مختلف حقوق اور خدمتوں کے لحاظ سے وہ بھی درحقیقت رعایا کے ہی سمجھے جاتے ہیں، وہ برابر ہراج میں شامل ہو جاتے اور اس سے رعایا پر بہت سختی گزرتی ہی۔ نواب ممدوح نے مؤثر طریقہ سے رعایا کی یہ شکایت مدار المہام کو لکھی اور یہ خواہش کی کہ بستی کے اندر جس قدر درخت ہیں اُن سے رعایا کو متمتع ہونے کا موقع دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

"اب جب کہ اُن پر سرکاری مستاجر دخیل ہو جاتا ہی تو یہ غریب رعیت ایک ایک پھل کو محتاج ہو جاتی ہی اور اُن کی اس نہایت قابلِ ترحم تکلیف کے مقابلہ میں سرکار کو جو کچھ حاصل ہوتا ہی وہ نہایت خفیف ہی۔ اور کبھی سرکار کی یہ مرضی نہیں ہی کہ رعایا کو اس قدر تنگ کر کے ایسی خفیف خفیف رقوم جمع کرے"

مدار المہام نے نواب انتصار جنگ کی خواہش کے مطابق رعایا کو یہ حقوق عطا کیئے۔

ہنود کے مذہبی معاملات کا تعلق صدر الصدور سے منقطع ہونا

۱۳۰۵ھ میں نواب انتصار جنگ نے مدار المہام کی خدمت میں یہ تحریک کی کہ ہنود کے مندروں اور اوقاف کا نیز ہر قسم کی امداد و انتظام کا تعلق صدر الصدور امور مذہبی سے ہی لیکن یہ مناسب نہیں کیونکہ صدر الصدور کا عہدہ اہل اسلام کا ایک مذہبی عہدہ ہی اور ایک گروہ کے عہدہ کے ماتحت دوسرے گروہ کے مذہبی معاملات کا رکھنا مصلحت عامّہ کے خلاف ہی، لیکن صوبہ دار اور تعلقہ دار بلا لحاظ و امتیاز مذہب مقرر ہوتے ہیں، اور اُن کا عہدہ کوئی مذہبی نہیں بلکہ عام قسم کا عہدہ ہی اور وہ ہر ملت و مذہب کی رعایا سے یکساں تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ہنود کے مذہبی معاملات کا تعلق صوبہ داروں اور تعلقہ داروں سے ہونا چاہیئے۔

نواب مدار المہام نے اس تحریک کو منظور کیا اور نواب محسن الملک نے ایک مراسلہ کے ذریعہ سے

اطلاع دی کہ :۔

"نواب مدار المہام سرکار عالی اس تحریک کو نہایت واجب اور قرین انصاف سمجھ کر منظور فرماتے ہیں کہ معاملات مذہبی اہلِ ہنود کا تعلق تعلقہ داروں اور صوبہ داروں سے کیا جائے جو عام طور پر ہر ایک مذہب و ملت کی رعایا سے یکساں تعلق رکھتے ہیں۔"

ایک مجلس کا تقرر اس زمانہ میں کسی ضلع میں حفظِ صحت، صفائی اور اندرون آبادی کی سڑکوں کی تعمیر و مرمت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا، نہ ریاست کے بجٹ میں اس قدر گنجائش تھی کہ یہ سب کام انجام دیئے جا سکیں، لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ نواب انتصار جنگ اس ضروری معاملہ کو نظر انداز کر دیں، اس لیے انھوں نے یہ چاہا کہ یہ سب کام رعایا کے صرفہ سے انجام پائیں چنانچہ اُن کے حکم سے تعلقہ داروں نے مختلف اوقات میں ایک مجلس منعقد کر کے رعایا سے مشورہ کیا اور چند تجاویز طے کیں، اس کے بعد خود نواب انتصار جنگ نے اس موقع پر جب کہ صوبہ داری کی عمارات کا سنگِ بنیاد رکھا جا رہا تھا ایک عام جلسہ کر کے رعایا کو ان امور کے متعلق مخاطب کیا، اور نہایت دل نشیں طریقہ سے ایک مجلس صفائی کے قیام کی ضرورت ظاہر کی جو سرکاری اور غیر سرکاری اراکین پر مشتمل ہو اور خود رعایا کے روپیہ سے آبادی کی اِصلاح و فلاح کا انتظام کرے۔ اُنھوں نے مختلف سرکاری انتظامات کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا :۔

"جب یہ سب کچھ خدا کی عنایت سے موجود ہے تو اب جو چیز کرنی باقی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے آرام و آرایش کے لیے جو کچھ ہم خود کر سکتے ہیں اُس کے لیے سب لوگ مل کر ہمت چست باندھیں خدا بھی انہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔"

اِس کے بعد اُنھوں نے بتایا کہ عام رائے کے مطابق یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ جو اجناس بستی کی ضرورتوں کے لحاظ سے بازاروں میں آتی ہیں اُن پر خفیف سا کوئی محصول قایم کر لیا جائے

جو ایسے آسان طریقہ سے وصول ہوگا کہ کسی شخص کو اس کا ادا کرنا ناگوار نہ گزرے گا۔ میں نے بحیثیت صوبہ دار بشرط منظوری نواب مدار المہام اس طریقہ کو منظور کر لیا ہے۔ اسی سلسلۂ بیان میں اُنھوں نے مجلس کے تقرر کا اعلان کیا جس کے میر مجلس تو اوّل تعلقہ دار ہونگے اور ارکان سرکاری اور غیر سرکاری دونوں قسم کے ہونگے، لیکن غیر سرکاری ارکان کی تعداد زیادہ ہوگی، محصول کی شرح اور خرچ کا طریقہ بھی یہی مجلس تجویز کریگی۔

چونکہ یہ بالکل ایک نیا کام اور نیا انتظام تھا اور لوگوں کو طرح طرح کے شکوک پیدا ہو سکتے تھے اس لیئے نواب انتصار جنگ نے رعایا کو صاف طور پر یہ بتا دیا کہ:۔

"جو روپیہ اس طور پر وصول ہوگا وہ سب آپ ہی کے مفید کاموں میں صرف ہوگا، سرکار سے اس کے سوا اور کچھ تعلق نہیں کہ سرکار کے خزانہ ضلع میں اُس وقت تک وہ روپیہ حفاظت سے رکھا ہے جب تک کہ آپ کی مجلس منتظم وقتاً فوقتاً اس کو صرف کرے ایک پیسہ اس میں سے سرکار کو اپنے کاموں کے لیئے لینا منظور نہیں ہے۔"

ہندوستان میں ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ آبادی کے جس حصہ میں سرکاری دفاتر ہوتے ہیں یا حکام رہا کرتے ہیں، وہاں صفائی وغیرہ کا بہ نسبت شہر کے دوسرے حصوں کے زیادہ اہتمام ہوتا ہے اب نواب انتصار جنگ کا خیال اس کے متعلق سُنیئے وہ اُس رعایا کو جو ابھی اپنے حقوق سے واقف بھی نہیں یہ بتاتے ہیں:

"مجھکو اپنی مدت العمر کے تجربوں سے اُن مقامات پر جہاں صفائی کا اس قسم کا انتظام ہے ایسی شکایتوں پر مطلع ہونے کا اکثر موقع ملا ہے کہ روپیہ جو رعیت سے وصول کیا جاتا ہے، وہ اکثر ایسے مواقع کی آرایش اور درستی وغیرہ میں صرف ہوتا ہے جہاں معزز سرکاری عہدہ دار رہتے ہیں، مگر میں ہمیشہ ایسے مصارف کو نہایت سخت نگاہ سے دیکھونگا اور مجھکو اُمید ہے کہ سرکاری عہدہ دار جن کا ابھی مدتوں تک بہت کچھ قابو غیر سرکاری ممبروں کی رائے پر رہیگا، خود انصاف کو مدنظر رکھینگے اور

جن لوگوں سے محصول کی کثیر التعداد رقم وصول ہوگی اُنہیں کی عام آسایش اور ضروریات اور مواقع کے خوبصورت کرنے میں جہاں تک گنجایش ہو اُس کو زیادہ صرف کرینگے۔ ایک طرف رائے کی آزادی، اور دوسری طرف مصارف میں اس قسم کی مراعات سب لوگوں کو بہت جلد مطمئن کردیگی کہ جو کام اِس طرح پر شروع کیا گیا ہے وہ درحقیقت اُن کے لیے ایک آیت رحمت ہے، نہ موجب زحمت۔"

اس تقریر کے بعد اُنھوں نے مجلس کے متعلق دوسری جزئیات پر گفتگو کی، اور رعایا کے ایک قایم مقام نے نواب انتصار جنگ کا شکریہ ادا کیا۔

نواب انتصار جنگ کی سعی و عمل کے نتائج اور سرکاری طور پر اعتراف خدمات

نواب انتصار جنگ کی مسلسل جد و جہد اور سعی و عمل کے نہایت عمدہ نتائج ظاہر ہوئے، صوبہ شرقی نے آبادی، زراعت، تجارت، امن و امان، اور عمدہ قوانین کے لحاظ سے غیر معمولی ترقی کی، رعایا کو رائے و عمل کی آزادی نصیب ہوئی، اور حکام میں وفاداری و انصاف کا جذبہ پیدا ہوا، اور ان سب خصوصیات کے لحاظ سے یہ صوبہ اس قدر ممتاز ہو گیا کہ دوسرے صوبوں میں اس کی تقلید کی کوشش کی جاتی تھی، حسن انتظام کی یہ شہرت تھی کہ انگریزی سرحدی علاقوں سے لوگ بھاگ کر صوبہ شرقی میں آباد ہونے کے لئے آتے تھے، رعایا کی یہ حالت تھی کہ وہ نواب انتصار جنگ کو اپنا آزادی دہندہ سمجھتی تھی، اور عدل و انصاف کے لیے اُن کا نام تمام حیدرآباد میں ضرب المثل تھا۔

دوسری طرف مدار المہام اور اعلیٰ حضرت بھی اُن کی خدمت کے معترف تھے اور اُن کی وفاداری پر اعتماد کرتے تھے، درحقیقت یہ اُن کی عجیب خوش نصیبی تھی کہ رعایا اور فرماں روا دونوں کا اعتماد اُن کو حاصل تھا جس کا قولاً و عملاً بارہا اعتراف کیا گیا، چنانچہ جب ۱۳۰۳ھ میں نواب مختار الملک سالار جنگ ثانی بہ سلسلہ دورہ اس صوبہ میں تشریف لے گئے اور جدید انتظامات کا بچشم خود مشاہدہ کیا تو اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے ہاتھ سے نواب انتصار جنگ کو حسب ذیل خط لکھا:۔

انتصار جنگ   کیامپ انگر

صوبہ دار شرقی   ۷ر شوال ۱۳۰۳ھ

نتائجیکہ در سمت آں مہربان متعلق تعمیل احکام ایں جانب بظہور آمدہ بدرجہ غایت قابل اطمینان و عمدہ، و آں را بر لیاقت و دیانت و حسن کارگزاری و شفقت آں مہربان منسوب می نمائم۔

بالآخر اظہار ایں معنے ضروری می شمارم کہ دریں دورہ قلیل المدت انچہ کہ واقفیت از انتظام و کارگزاری آں مہرباں حاصل نمودن ازاں بے انتہا خورسند شدم، و اُمید بلکہ اطمینانِ کامل دارم کہ سمت شرقی در ایام نگرانی و حکومت آں مہربان رشک دیگر اسمات سرکار عالی خواہد شد۔"

(دستخط)

مختار الملک

مدار المہام سرکار عالی

اس کے علاوہ ایک عام دربار میں بھی نواب انتصار جنگ کی قابلیت اور حسن کارگزاری کا اعتراف کیا، اس موقع پر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ نواب مختار الملک نے جس زمانہ میں یہ دورہ کیا اس وقت تک نواب انتصار جنگ کی صوبہ داری پر صرف ڈیڑھ سال کا زمانہ گزرا تھا، اور اسی قلیل مدت میں صوبہ کی حالت میں نمایاں انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔

۱۸۸۸ء میں نواب بشیر الدولہ سر آسماں جاہ نے جو اس زمانہ میں مدار المہام تھے، ۲۸ اگست سنہ مذکور کو ایک خط وائسرائے کے سکرٹری کو نواب انتصار جنگ کے تعارف اور وائسرائے سے ملاقات کے متعلق لکھا اس میں بھی ان امور کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ لکھتے ہیں:-

چار سال تک اُنھوں نے مفصلات میں بیش قیمت خدمات انجام دیں اور رعایا کی خستہ حالت کو دور کرنے میں کوشش کی اور ان کی اصل تکالیف کو بہت جلد دور کرایا۔ جب مرحوم سالار جنگ نے مشتاق حسین کے صوبہ میں دورہ کیا تو اُنھوں نے صوبہ دار کے اس عمدہ کام کا جو اُنھوں نے اس صوبہ میں جاری کیا تھا نہایت ہی تعریفی الفاظ میں ایک عام[1] دربار میں اعتراف کیا۔ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں

---

[1] نواب مختار الملک سالار جنگ ثانی نے ۱۸۸۳ء میں صوبہ شرقی کے دورہ کے موقع پر ایک ایڈریس کے جواب میں رعایا کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

کہ شرقی صوبہ کی رعایا مشتاق حسین کے نام کو احسانمندی کے جذبات کے ساتھ ہمیشہ یاد رکھے گی"

سالار جنگ، نواب انتصار الملک کو اپنا ریونیو سکرٹری بنانا چاہتے تھے جو بڑی ذمہ داری کا عہدہ ہے۔

(بقیہ نوٹ صن ۱۸۰) "قبل اس کے کہ میں اپنی اسپیچ کو ختم کروں آپ سب لوگوں کے یہ امر ذہن نشین کر دینا چاہتا ہوں کہ مولوی مشتاق حسین انتصار جنگ بہادر صوبہ دار، اس صوبہ کو ایک ایسے افسر مل گئے ہیں کہ جو اپنے منصبی فرائض کو بجان و دل ادا کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہے وہ اپنے صوبہ کی رعایا کی فلاح کو ترقی دینے پر کوشش کرنے سے نہیں تھکتے وہ رعایا کے حق میں جیسا کہ ان کو ہونا چاہیئے، بہت بڑے پکے دوست اور ان کے حقوق کی حفاظت میں ان کے وکیل ہیں، وہ ان جاگیرداروں اور مقطعہ داروں اور ان سب صاحبوں کے بھی دوست اور معاون ہیں جو رعایا کی بہبود کو مدنظر رکھتے ہیں وہ اس بات میں بھی بے انتہا سعی کرتے ہیں کہ بیادگار رونق افزائی حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی بہ تقریب افتتاح ورنگل ریلوے کے جہاں تک ہو سکے ورنگل کو اس کی اگلی عظمت و شان حاصل ہو جائے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ وہ وہ ذریعے اختیار کئے جائیں جن سے رعایا آرام و چین حاصل کرے اور سرکار کے عدل و انصاف کو گویا ہر شخص اپنے دروازہ پر تلاش کر سکے بہادر موصوف فی الواقع ایک بہت اہم اور عمدہ کام میں مصروف ہیں اور میں صدق دل سے یہ امید کرتا ہوں کہ ان کی سعی اور کوشش کو جو تعریف کے قابل ہے کامیابی ہو اور میں یقینی جانتا ہوں کہ وہ اپنے نام کو ان اضلاع میں اس خوبی کے ساتھ چھوڑ جاوینگے کہ لوگ سالہا سال تک ان کو نیکی کے ساتھ یاد کرتے رہینگے، سرکار عالی کو انتصار جنگ بہادر پر کامل اعتماد ہے، اور ان کی قابل تحسین کوششوں میں ان کی اعانت اور حمایت کرنے پر میں ہمیشہ مستعد رہونگا"

سنہ ۱۳۰۶ھ میں نواب بشیر الدولہ سر آسماں جاہ نے صوبہ شرقی کے بعض حصّوں کا دورہ کیا اور صدر مقام کے جملہ دفاتر دیکھے، اس دورہ میں سر ڈینس فٹز پیٹرک رزیڈنٹ بھی نواب ممدوح کے ساتھ تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نواب انتصار جنگ اپنی صوبہ داری کا زمانہ ختم کرکے دوسرے عہدہ پر ممتاز ہو چکے تھے۔ نواب سر آسماں جاہ نے دورہ سے واپس آکر اپنا تفصیلی معائنہ ہر صیغہ کا سرکاری طور پر شائع کیا۔ چونکہ یہ گورنمنٹ نظام کے سب سے زیادہ ذمہ دار شخص کی تحریر ہے، اس لئے ہم اس کے بعض ضروری حصے جو نواب انتصار جنگ سے تعلق رکھتے ہیں پیش کرتے ہیں۔ نواب ممدوح لکھتے ہیں:۔

"اس پچھلے پانچ برس میں بہ نسبت اُس سے پہلے کے پانچ برس کے سولہ لاکھ پندرہ ہزار چھ سو آٹھ زیادہ وصول ہوئے، اور اسی آخر کے پانچ برس میں کے ایک سال یعنی سنہ ۱۲۹۶ف میں تعداد رقم وصولی اکیس لاکھ باسٹھ ہزار پانسو اکیس تھی جو کہ پندرہ برس کے کسی اور سال میں یہ تعداد نہیں ہوئی اور بلا مبالغہ کہا جاتا ہے کہ یہ نتیجہ عمدہ انتظام اور نگرانی کا ہے جو کہ اس صوبہ میں نواب انتصار جنگ بہادر کے زمانہ صوبہ داری میں ہوئی"

اسی طرح ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے کے بعد وہ آخر میں اس صوبہ کی حالت پر ایک عام تبصرہ کرتے ہیں جو اگرچہ کسی قدر طویل ہے لیکن مختلف وجوہ سے اس کا اکثر حصّہ یہاں نقل کرنا مناسب ہے۔

نواب سر آسماں جاہ کا ریمارک

"اب خاتمہ پر میں اپنی رائے نسبت عام انتظام اور اصلاحات اور عہدہ داروں کے ظاہر کرنا مناسب جانتا ہوں۔ انتظام کی کیفیت یہ ہے کہ یہ ضلع تلنگانہ کے ان اضلاع میں سے ہے جو کہ انتظامی حالت کے لحاظ سے چند سال ہوئے کہ سب سے پیچھے پڑا ہوا سمجھا جاتا تھا اور باوجود سرکار کی خاص توجہ اور عہدہ داروں کی کوشش کے اب تک بہت سے نقص موجود ہیں اور بہت کچھ کرنے کو باقی ہیں، مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کچھ ہوا اور ہر صیغہ میں جو کچھ ترقی ہوئی

اور آیندہ انتظام کی تکمیل کے لیے جو عملی کوششیں ہو رہی ہیں اور جو کام جاری ہیں اُن کے لحاظ سے میں اپنی دلی خوشی ظاہر کرتا ہوں اور جو کچھ میں نے دیکھا اور جانچا اس کی نسبت بلحاظ زمانہ گزشتہ کے حالات کے بہت کچھ اپنا اطمینان ظاہر کرتا ہوں۔

بیس برس ہوئے جب کہ میں ماہ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ میں مرحوم سر سالار جنگ اول کے ساتھ ملک کے دورہ کو نکلا تھا اور چونکہ ایک بڑے صیغہ کی نگرانی میرے ذمہ تھی میں نے بہت دل لگا کر اضلاع کی انتظامی حالت کو دیکھا تھا جو فرق اس وقت کی حالت سے اب میں دیکھتا ہوں اس کی نسبت مجھ سے زیادہ کوئی اپنی خوشی اور حیرت ظاہر نہیں کر سکتا، اس وقت مجھے اور مرحوم مدار المہام کو ملک کے حالات دیکھنے سے نہایت رنج ہوا تھا۔ نہ عہدہ دار لائق تھے نہ کوئی اپنے فرایض منصبی کو اچھی طرح انجام دیتا تھا، نہ رشوت اور تغلب کی چنداں احتیاط تھی، نہ کوئی ضابطہ تھا نہ قاعدہ نہ حکموں کی تعمیل برابر ہوتی تھی، عدالتوں کا تو ذکر ہی نہ تھا جو کچھ تھا وہ برائے نام مالگزاری میں جمع کا لگانا اور وصول کرنا گویا پٹیل پٹواریوں اور تحصیل کے عملہ کے ہاتھ میں تھا، برسوں تک حسابات داخل نہ ہوتے تھے مطالبہ اور وصول کی مقدار سے بھی سالہا سال تک سرکار کو اطلاع نہ ہوتی تھی دورہ پر جانا نام کے لیے تھا، رعایا کی شکایتیں سننے اور اُن کے ساتھ ہمدردی کرنے اور بعض خرابیوں کے دیکھنے اور اس کی اصلاح کرنے کا کیا ذکر تھا۔

حقیقت میں اس وقت جاگیرداروں کے انتظام سے کچھ ہی بہتر حالت ملک کی تھی اور یہ درد انگیز حالت مرحوم کے ساتھ میں نے خود میدک، بیدر، اور اورنگ آباد کی دیکھی تھی جب میں اس حالت کو اس وقت سے ملاتا ہوں اور جو کچھ میں نے اب ضلع کھمم میں دیکھا اس پر خیال کرتا ہوں تو مجھے بے انتہا خوشی اور اطمینان ہوتا ہے، چاروں طرف ترقی نظر آتی ہے، ہر جانب اصلاح کے آثار اور تہذیب کے نتیجے دکھائی دیتے ہیں عمارتیں بنتی چلی جاتی ہیں، تجارت بڑھ رہی ہے۔ باہر کے لوگ اپنا سرمایہ پورے اطمینان سے سرکار کے ملک میں لگا رہے ہیں، کاشتکار زراعت کی ترقی میں مشغول ہیں، دیہات کے ملازمین سے لیکر صوبہ دار تک اپنے اپنے کاموں میں مصروف اور اپنے فرایض کے انجام دینے میں سرگرم ہیں، ہر چیز

کی تحقیق اور تنقیح بخوبی ہوتی ہے، ہر عہدہ دار کے کام کی نگرانی اس کے افسر کرتے ہیں، کوتوالی اور عدالت کا انتظام اول کی بہ نسبت نہایت بہتر اور عمدہ ہے، مالگزاری کے انتظام کی تکمیل جو بیمائش و بندوبست پر منحصر ہے نہایت نرمی سے ہو رہی ہے۔ عہدہ دار اکثر لایق اور ہوشیار اور متدین اور اپنے اپنے کام سے واقف اور اپنے فرایض کے انجام میں مستعد ہیں، احکام کی تعمیل بھی بہت اچھی ہوتی ہے، سرکاری خوف بھی لوگوں کے دلوں پر ہے، غرض کہ ۲۰ برس گزشتہ کی بہ نسبت حیرت انگیز ترقی ہے جن عہدہ داروں کا کام میں نے دیکھا اُن کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ جو ترقی اور درستی ضلع کھمم میں نظر آتی ہے، وہ نتیجہ نواب انتصار جنگ بہادر کی اُن عمدہ کوششوں اور بے نظیر کارروائیوں کا ہے جو کہ انھوں نے اپنے زمانہ صوبہ داری میں کیں درحقیقت اگر وہ اپنے آپ کو اس صوبہ کی درستی اور اصلاحات میں فنا نہ کر دیتے تو وہ عمدہ حالت جو میں نے اس صوبہ کی پائی اس وقت نظر نہ آتی مرحوم سالار جنگ جب کہ شوال ۱۳۰۳ھ میں صوبہ شرقی میں گئے تھے اور انھوں نے جو حالت مختلف ضلعوں کی دیکھی تھی اور اُس کی نسبت اپنی یادداشت لکھی، اور بذریعہ عرضداشت مورخہ ۲۱ شوال ۱۳۰۳ھ کے حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی کے ملاحظہ میں پیش کی تھی انھوں نے نواب انتصار جنگ بہادر کی نسبت جو کہ اس وقت صوبہ دار تھے یہ لکھا تھا کہ :۔

"انتصار جنگ بہادر صوبہ دار شرقی کی کارگزاری کی نسبت خانہ زاد کو اس موقع پر اس قدر کہنا ہے کہ جو خیالات اُن کی محنت اور لیاقت اور مستعدی اور دیانت و انتظام کی نسبت فدوی کے تھے، اور جن کی نسبت اُن کے دورہ کی رپورٹ میں اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں اس کی اور بھی تصدیق ہوئی فدوی براستی عرض کرتا ہے کہ جس محنت و لیاقت و دلسوزی سے وہ اپنے فرایض منصبی انجام دیتے ہیں وہ قابل اس کے ہیں کہ حضرت خاص طور پر ان کی قدردانی فرمائیں"۔

میں مرحوم کی اس رائے سے ساتھ اتفاق کرتا ہوں اور نواب انتصار جنگ بہادر کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہر طرح سے سرکار کے شکریہ اور قدردانی کے مستحق ہیں کچھ ضرور نہیں ہے ایک افسر جو اپنا کام اس طرح انجام دیتا ہے اُس کو خود اس کے کام سے اسقدر خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے شکریوں سے اُس کو مستغنی کر دیتی ہے۔

انقلاب وزارت اور نواب انتصار جنگ کا معتمد مالگزاری کے عہدہ پر تبادلہ

نواب انتصار جنگ چار سال تک صوبہ داری کے فرائض کمال خوش اسلوبی اور انہماک سے ادا کرتے رہے لیکن اُسی زمانہ میں حیدرآباد میں وزارت کا انقلاب ہوگیا اور نواب ممدوح حیدرآباد طلب کر لئے گئے اور اس طرح گویا حیدرآباد میں اُن کی ملازمت کا یہ تیسرا دور شروع ہوا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم اُن کی ملازمت کے اس دورِ جدید کے حالات بیان کریں یہ مناسب معلوم ہوتا ہی کہ اس وقت کی سیاسی حالت اور انقلاب وزارت کے اسباب و علل کو اختصار کے ساتھ بیان کردیں تاکہ ناظرین کو ان واقعات کی روشنی میں نواب انتصار جنگ کے جدید عہدے کی مشکلات کے اندازہ کرنے کا موقع ملے۔

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس زمانے میں اعلیٰ حضرت آصف جاہ سادس کو حکمرانی کے کامل اختیارات حاصل ہو چکے تھے اور بظاہر ملک میں کوئی بالا تر طاقت ایسی نہ تھی جس کو مداخلت یا مزاحمت کا حق حاصل ہو، لیکن حقیقت یہ ہی کہ رزیڈنٹ کا غیر باضابطہ اقتدار، خفیہ و علانیہ برابر اپنا کام کر رہا تھا۔ اگرچہ ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے اندرونی معاملات کے متعلق مدت سے گورنمنٹ برطانیہ کی پالیسی عدم مداخلت کے اصول پر مبنی ہی، لیکن واقعہ یہ ہی کہ اس پالیسی پر عمل کرنا زیادہ تر ویسرائے اور رزیڈنٹ کی مرضی اور اندازِ طبع پر منحصر ہی۔ ہر ویسرائے جو ہندوستان آتا ہی ایک جدید پالیسی کا حامی ہوتا ہی یعنی بعض کا طرزِ عمل والیانِ ملک کے ساتھ پسندیدہ اور خوشگوار ہوتا ہی اور بعض کا اس کے برعکس۔ پولیٹیکل ایجنٹ اور رزیڈنٹ کا تعلق چونکہ مقامی ہوتا ہی اس لئے اُن کے طرزِ عمل کا اثر ریاستوں میں زیادہ محسوس کیا جاتا ہی اور کبھی کبھی اُن کے گرد و پیش اس قسم کے واقعات بھی جمع ہو جاتے ہیں جو اُن کو مداخلت پر یا کسی خاص پالیسی کے اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

عموماً یہ دیکھا جاتا ہی کہ جب کوئی نیا فرماں روا مسند نشین ہوتا ہی خصوصاً جب کہ وہ نوجوان ہو تو مداخلت کا سلسلہ کچھ مدت تک ضرور قائم رہتا ہی کبھی ایسا ہوتا ہی کہ نئے فرماں روا کے

مسند نشیں ہوتے ہی مختلف پارٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن میں حصول اقتدار کے لئے باہم کش مکش شروع ہو جاتی ہے یا کوئی شخص ذاتی اثرات کی بنا پر غیر معمولی اقتدار اور اختیارات حاصل کر لیتا ہے اور دوسرے اُس کی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، ایسے موقعے پر قدرتاً رزیڈنٹ کو مداخلت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور آخر کار وہ کسی ایک پارٹی کی مخالفت یا حمایت پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رزیڈنٹ محض امپریل گورنمنٹ کا اقتدار اور اثر قائم رکھنے کے لئے معاملات میں دخل دیتا ہے تاکہ اہل ملک کو یہ محسوس ہو کہ ایک بالاتر طاقت اور بھی ہے جس کو روک ٹوک کا منصب حاصل ہے۔

بے شبہ اگر یہ مداخلت اپنے حدود کے اندر رہے تو نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات والیان ملک کا طرز عمل اور ریاست کا انتظام قابل اطمینان نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرماں روائے ملک کا ہم مذہب گروہ رعایا کے دوسرے طبقے کو ستاتا ہے، ایسی حالت میں مفاد عامہ کی خاطر مداخلت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ غرض اگر پولیٹیکل ایجنٹ یا رزیڈنٹ اپنے حدود کے اندر رہ کر اپنے مفید مشورہ سے والیان ملک اور دیسی حکام کی رہ نمائی کریں تو یہ امر قابل اعتراض نہیں۔ لیکن افسوس کہ بعض اوقات ان مشوروں میں تحکم کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اگر فرماں روا کو اپنی شخصیت کا احساس ہے تو کش مکش شروع ہو جاتی ہے۔ ورنہ یہ بیرونی اقتدار و تسلط مستحکم ہو جاتا ہے، ایسی صورتوں میں طاقت و اقتدار کے دو علیحدہ علیحدہ مرکز قائم ہو جاتے ہیں اور ریاست کے جلیل القدر عہدہ دار اور بلند رتبہ حکام اپنی پوزیشن کو مضبوط رکھنے کے لئے ایوان رزیڈنسی میں آمد و رفت شروع کر دیتے اور رزیڈنٹ کے اشارہ چشم و ابرو پر کام کرنے لگتے ہیں، بلکہ بعض اوقات یہ دیسی عہدہ دار ان بیرونی تعلقات کی بدولت فرماں روائے ملک پر دباؤ ڈال کر ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ حالت والیانِ ملک کے لئے نہایت تلخ ہوتی ہے۔ لیکن اُن کو چار و ناچار صبر کرنا پڑتا ہے یا در پردہ کسی دوسری پارٹی کی حوصلہ افزائی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو ذاتی اغراض یا وفاداری کی بنا پر فرماں روائے ملک کے اغراض و مقاصد کی حمایت کرتی ہے۔

جب ریاستوں میں اس قسم کی کش مکش شروع ہو جاتی ہے تو آخر کار کوئی نہ کوئی پارٹی مغلوب ہو کر مخالفت کا شکار ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات نہایت نیک نفس، وفادار اور ملک کے خیر خواہ عہدے دار بھی مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ملک اُن کی خدمات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے، یہ ایک نہایت اجمالی خاکہ ہے اُن حالات کا جو ریاستوں میں پیش آتے ہیں اور اب سے ۳۰، ۴۰ برس پہلے حیدرآباد میں خصوصیت کے ساتھ پیش آتے تھے اور جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں حیدرآباد اسی قسم کے مشکلات میں مبتلا تھا۔

اعلیٰ حضرت اور سر سالار جنگ ثانی کے ناخوشگوار تعلقات

سر سالار جنگ ثانی کو ابھی عہدۂ مدار المہامی پر فائز ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ اعلیٰ حضرت نظام سے اُن کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے اور جو اعتماد مدار المہام پر ہونا چاہیئے وہ باقی نہ رہا۔ جو لوگ اس قسم کے اختلافات سے فائدہ اُٹھانے اور ذاتی اغراض حاصل کرنے کے خوگر ہیں اُنھوں نے ان اختلافات کو بڑھانے میں اس حد تک کوشش کی کہ مصالحت کی اُمیدیں منقطع ہو گئیں۔ نواب سر سالار جنگ کا یہ خیال تھا کہ مولوی سید حسین بلگرامی (نواب عماد الملک) اعلیٰ حضرت کے مزاج میں میری طرف سے برہمی پیدا کرتے ہیں چونکہ نواب عماد الملک نے ایک کونسل کے قیام کی بھی تجویز کی تھی جس سے سر سالار جنگ کے اختیارات خواہ مخواہ محدود ہو جاتے اس لئے عماد الملک کے متعلق اُن کی بدگمانیاں اور زیادہ مستحکم ہو گئی تھیں۔

سردار دلیر جنگ (عبد الحق) جن کی شخصیت اُس زمانے میں خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھی مدار المہام کے ہوا خواہ تھے اور یہ کہا جاتا ہے کہ رزیڈنسی میں مدار المہام کی طرف سے سفارت کی خدمت انجام دیتے تھے۔ غرض ایک طرف تو اعلیٰ حضرت کو اپنے حقیقی و واقعی شاہانہ اختیارات پر اعتماد تھا دوسری طرف سر سالار جنگ کو رزیڈنٹ کی حمایت اور مہربانی حاصل تھی اور یہ کوئی راز نہیں ہے کہ اس زمانے میں حیدرآباد میں منصب وزارت پر پہنچنا یا اس سے معزول ہونا زیادہ تر رزیڈنٹ اور وائسرائے کی مرضی اور مشورے سے ہوتا تھا اور ان مشوروں کی جو اہمیت تھی وہ محتاج

بیان نہیں۔ سر سالار جنگ اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے۔ لہٰذا اسی قوت کے اعتماد پر انھوں نے اپنے حدود سے بے باکانہ تجاوز کیا اور بعض مواقع پر اعلیٰ حضرت کے احکام کو نظر انداز کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے مدار المہام کے اس طرز عمل کو محسوس کر کے سخت برہمی کا اظہار فرمایا، لیکن با ایں ہمہ مدار المہام نے اپنے طریقِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

رزیڈنٹ کی اندرونی مداخلت میں ترقی

مدار المہام کے طرزِ عمل سے، رزیڈنٹ کو انتظامی امور میں مداخلت کا کافی موقع مل گیا اور صرف یہی نہیں کہ اہم معاملات میں بلکہ روزمرہ کے معمولی انتظامات اور مقدمات میں بھی رزیڈنٹ سے استصواب کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ عہدہ داروں کے تقرر، برطرفی اور تبادلہ میں بھی رزیڈنٹ کا ہاتھ کام کرتا تھا اندرونی انتظامات کے سلسلہ میں اگر کوئی اسکیم تیار ہوتی تھی یا کوئی بڑا عہدہ دار انتظامی امور کے متعلق کوئی یادداشت یا رپورٹ مدار المہام کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتا تھا تو وہ بھی "بڑے صاحب" یا "صاحب عالی شان" (رزیڈنٹ) کی خدمت میں بھیجی جاتی تھی۔ اسی طرح گویا ریاست کے ہر شعبہ اور ہر صیغہ پر رزیڈنٹ کا غیر قانونی اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ مدار المہام کا طریقہ یہ تھا کہ ان کو جو کچھ اعلیٰ حضرت سے منظور کرانا ہوتا تھا رزیڈنٹ کی مدد سے منظور کر لیتے تھے اور جن امور کے متعلق ان کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت منظور نہیں فرمائیں گے تو اُن کے متعلق پہلے رزیڈنٹ کا اتفاق حاصل کر کے اعلیٰ حضرت کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان حالات کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے شاہانہ اقتدار پر گویا ایک پردہ پڑا ہوا تھا اور رزیڈنٹ کی شخصیت نمایاں ہو گئی تھی۔ ان وجوہ سے اعلیٰ حضرت اپنے اختیارات کو آزادی اور مسرت کے ساتھ عمل میں نہیں لا سکتے تھے۔ حالانکہ تمام معاہدات جو گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ نظام کے مابین ہو چکے تھے، اُن میں یہ طے پا گیا تھا کہ سرکار انگریزی ریاست کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گی۔ چنانچہ اس عہد کے بعد بھی ایک موقعے پر سر جان گورسٹ انڈر سکریٹری آف اسٹیٹ نے پارلیمنٹ میں کیبنٹ یا مجلس وزرائے حیدرآباد کے مسئلہ کی نسبت گفتگو کرتے ہوئے صاف صاف اس بات کو تسلیم کیا کہ اس قسم کی تجویزیں حیدرآباد کے اندرونی انتظام سے متعلق

ہیں اور وہاں کے اندرونی انتظامی معاملات میں انگریزی گورنمنٹ کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن یہاں حیدرآباد میں معاملہ برعکس تھا حقیقت تو یہ ہے کہ خود ریاست کے اعلیٰ حکام نے اپنی کمزوری اور غلط کاری سے رزیڈنٹ کو مداخلت کا موقع دیدیا تھا۔

جو پارٹی رزیڈنٹ کو خوش رکھنا ضروری سمجھتی تھی وہ سر سالار جنگ کی بھی ہوا خواہ تھی کیونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ مسٹر کارڈری (رزیڈنٹ) سر سالار جنگ کے طرفدار ہیں۔ اعلیٰ حضرت اور مدار المہام کے مابین اختلافات کا قائم رہنا اس پارٹی کے مقاصد کے مطابق تھا۔

غرض جب کش مکش کی انتہا ہو گئی تو اعلیٰ حضرت نے مدار المہام کی معزولی کا عزم کیا اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اعلیٰ حضرت خود رزیڈنٹ کے پاس تشریف لے گئے اور یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک خط اُردو زبان میں والیسرائے کے نام لکھیں گے اور وہ براہ راست والیسرائے کو بھیجدیا جائے۔ چنانچہ یہ خط بھیجا گیا اور مسٹر کارڈری کو اعلیٰ حضرت نظام کی اس خواہش کو مسترد کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

لارڈ ڈفرن کی آمد اور عام خیالات

اسی زمانے میں جب کہ عام طور پر یہ مشہور ہو چکا تھا کہ اعلیٰ حضرت مدار المہام کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں لارڈ ڈفرن (والیسرائے) نے حیدرآباد آنے کا ارادہ ظاہر کیا، چنانچہ ۲۸ صفر ۱۳۰۴ھ م ۲۴ نومبر ۱۸۸۶ء کو وہ آئے اور مناسب طریقے سے اُن کا خیر مقدم کیا گیا، لوگوں کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ وہ اس غرض سے آتے ہیں کہ ہز ہائنس نظام کو مدار المہام کے برقرار رکھنے کی ترغیب دیں۔ لیکن والیسرائے نے پبلک طور پر اس معاملہ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ چنانچہ پاینر مورخہ ۲ دسمبر ۱۸۸۶ء نے لارڈ ڈفرن کی آمد کے متعلق حسب ذیل ریمارک کیا:-

"جن لوگوں کو حضور والیسرائے کے حیدرآباد جانے پر بہت سے امور کے ظاہر ہونے کی توقع تھی وہ ضرور اپنی اس اُمید میں اپنے کو ناکامیاب سمجھتے ہونگے بعض اوقات لارڈ ڈفرن صاف اظہار کر دیتے ہیں لیکن

حیدر آباد میں وہ بالکل ہی خاموش رہے، اُن کی دعوت کا جلسہ جو حضور نظام کی طرف سے ہوا تھا اُس میں اُمید تھی کہ لارڈ ڈفرن کچھ ظاہر کریں لیکن وہ بھی چپ چاپ گزر گیا،

حضور والسرائے نے ہز ہائنس نظام کے جام تندرستی کی تحریک کرتے وقت معمولی باتوں کی نسبت عام طور پر ذکر کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کہا، اور حضور نظام نے اس کے جواب میں کچھ بھی ذکر نہیں کیا، غرض کہ حضور والسرائے نے علاوہ اور امور کے لحاظ کے ہز ہائنس کی طبیعت کا ٹھیک اندازہ کیا، اور سمجھا کہ اس معاملہ میں عام طور سے زور ڈالنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور جو اصلی مقصد تھا اس کو اُنھوں نے پرائیویٹ ملاقات کے لئے ملتوی رکھا۔ جو رخصت ہونے سے پیشتر اُنھوں نے حضور نظام سے کی۔

ہر طرح پر اُمید کی جاتی ہی کہ اس ملاقات کا نتیجہ اچھا ہوا، اور جس خاموشی و برخلافی سے سر اسٹوارٹ بیلی کو ناکامیابی رہی تھی وہ حضور والسرائے کے زور اور تقریر کے سامنے جاتی رہی۔ غرض کہ نتیجہ یہ ہی کہ حضور نظام نواب سالار جنگ بہادر کو وزارت پر بحال رکھنے پر راضی ہو گئے اور اصل مقصد بھی یہی تھا"،

آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ پانیر کا قیاس کہاں تک صحیح تھا۔

اعلیٰ حضرت کا انگریز پرائیویٹ سکرٹری

اسی زمانے میں یہ تحریک نشو و نما حاصل کر رہی تھی کہ اعلیٰ حضرت کا پرائیوٹ سکرٹری کوئی انگریز مقرر کیا جائے۔ ریاست کے اندرونی مناقشات سے یقیناً آزاد ہوگا اور ذاتیات کی کش مکش سے دور رہے گا۔ کہا جاتا ہی کہ نواب محسن الملک اس تجویز کے سب سے پہلے محرک تھے۔ ممکن ہی کہ مدار المہام نے بھی اس تجویز کو بنظر استحسان دیکھا ہو۔ کیوں کہ وہ مولوی سید حسین (عماد الملک) کی طرف سے مطمئن نہ تھے، جن کو آج کل ایک گونہ رسوخ حاصل تھا۔ رزیڈنٹ نے بھی

قدرتاً ایک انگریز کے تقرر کو پسند کیا ہوگا۔ غرض جو اسباب بھی ہوں یہ تجویز کامیاب رہی اور والیسرائے کے جانے کے قریباً دو ماہ بعد ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ کو کرنل مارشل کا تقرر ۳ ہزار روپیہ ماہوار پر عمل میں آیا اور وہ اعلیٰحضرت کے معتمد پیشی قرار پائے۔ وہ اس سے پہلے ریاست چمپا میں کام کر چکے تھے اور شمالی ہند میں کلکٹر رہ چکے تھے۔ علاوہ پرائیویٹ سکرٹری کے فرائض کے صرفِ خاص کی نگرانی بھی اُن کے ذمہ کی گئی اور جیسا کہ ایک انگریز سے توقع کی جا سکتی ہے انھوں نے تھوڑی مدت میں کافی اقتدار حاصل کر لیا۔

سرسالار جنگ کا استعفا اور سر آسمان جاہ کا منصب وزارت پر فائز ہونا

لارڈ ڈفرن کی آمد اور کرنل مارشل کے تقرر سے جو اُمیدیں قائم کی گئی تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں اور والیسرائے کی آمد کے قریباً پانچ ماہ بعد دفعتاً اعلیٰحضرت کا یہ فرمان ۲۴ رجب ۱۳۰۴ھ کو شائع ہوا۔ کہ

"ہز اکسیلنسی نواب عماد السلطنت بہادر نے بوجہ علالت مزاج مدار المہامی سے استعفا دیدیا ہے اور تا تقرر مدار المہام دیگر خود اعلیٰحضرت بذات مبارک ریاست کا کام ملاحظہ فرمائیں گے۔"

چنانچہ چند روز تک اعلیٰحضرت بذاتِ خاص مہمات سلطنت کو انجام دیتے رہے اور پیشی کے امور میں کرنل مارشل دخیل کار رہے۔ بعدازاں اعلیٰحضرت نے نواب بشیر الدولہ (سر آسمان جاہ) کو عہدہ جلیلہ مدار المہامی پر سرفراز فرمایا، نواب ممدوح اُس وقت انگلستان میں تھے جہاں وہ ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کے پنجاہ سالہ جشن جوبلی شرکت کے لئے من جانب ریاست تشریف لے گئے تھے۔ بذریعہ تار اُن کو اعلیٰحضرت کی اس نوازش شاہانہ سے اطلاع دی گئی۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ (۲۸ جولائی ۱۸۸۷ء) کو وہ انگلستان سے واپس آئے اور اعلیٰحضرت کے حضور میں نذر پیش کی۔ اور باقاعدہ طور پر اپنے عہدۂ جلیلہ کا کام ۳۰ جولائی ۱۸۸۷ء سے شروع کر دیا۔

چند ماہ بعد ۲۵ جون ۱۸۸۸ء م ۱۴ شوال ۱۳۰۵ھ کو ایک عظیم الشان دربار خلعت مبارک میں منعقد ہوا اور اعلیٰحضرت نے نواب سر آسمان جاہ کو خلعت دیوانی عطا فرما کر عہدۂ مدار المہامی پر

منتقل فرمایا۔

نواب انتصار جنگ کا معتمد مال گزاری مقرر ہونا

انقلاب وزارت کے کچھ زمانے بعد اعلیٰ حضرت نظام نے دوسرے احکامات کے سلسلے میں مدار المہام کو لکھا کہ :-

"مشتاق حسین صاحب معتمد مال بنائے جائیں تو نہایت مناسب امر ہے اور اس کا آپ حکم جاری کردیں۔"

چنانچہ ۱۸ فروری ۱۸۸۸ء م ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ کو یہ حکم جاری کر دیا گیا اور نواب بشیر الدولہ سر آسماں جاہ نے اپنے طور پر نواب انتصار جنگ کو لکھا :

"میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ حضرت بندگانِ عالی نے آپ کو معتمد مال گزاری مقرر فرمایا ہے میں نے ہنوز اپنی درخواست پیش نہیں کی تھی۔ آپ کل مجھ سے سرور نگر میں آکر ملیں۔"

معتمدی کا عہدہ، درجہ اور تنخواہ میں صوبہ داری سے کم تھا، اس لئے نواب محسن الملک معتمد پولیٹیکل وفنانس نے اس مراسلہ کو حسب ذیل الفاظ میں جاری کیا:

"حسب الحکم مدار المہام سرکار عالی۔ حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی نے بہ فرط مراحم خسروانہ آپ کو معتمد مال گزاری پر سرفراز فرمایا اور آپ کی جگہ نواب اعظم یار جنگ بہادر معتمد مال، صوبہ داری شرقی پر مقرر ہوئے۔ اگرچہ آپ کا موجودہ عہدہ صوبہ داری کا درجہ اور تنخواہ میں معتمد مال سے بڑھ کر ہے مگر چونکہ یہ انتخاب حضرت اقدس و اعلیٰ نے فرمایا ہے اس لئے آپ کا موجودہ درجہ اور مشاہرہ حالیہ بحال اور برقرار رہے گا اور امید ہے کہ خود حضرت اقدس و اعلیٰ کے تقرر سے اس تبدیلی کو آپ باعثِ عزت و افتخار سمجھیں گے۔"

غرض، جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ کو اعظم یار جنگ (مولوی چراغ علی) نے نواب انتصار جنگ سے صوبہ داری کا جائزہ لے لیا۔ نواب بشیر الدولہ کو قدرتاً اعلیٰ حضرت کے

اس حکم سے مسرت ہوئی کیوں کہ اُن کو نواب انتصار جنگ کی قابلیت، حسن کارگزاری اور وفاداری پر کامل اعتماد تھا اور اپنی صدر المہامی کے زمانے میں وہ اس کا پورا تجربہ کر چکے تھے۔

پولیٹیکل پیچیدگیاں اور مشکلات

انقلاب وزارت سے مشکلات کا خاتمہ نہیں ہوا۔ سالار جنگی خاندان اپنی قابلیت اور حسن کارگزاری کی بنا پر مدت سے وزارت پر قابض تھا۔ لہذا وزارت کا بظاہر ہمیشہ کے لئے اس خاندان سے نکل کر امیر کبیر کے خاندان میں چلا جانا ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ سر سالار جنگ کے خاندان اور اُن کی پارٹی نے اس انقلاب کی اہمیت کو پورے طور پر محسوس کیا۔ خود نواب عماد السلطنت (سالار جنگ ثانی) پر تو اس قدر اثر ہوا کہ اُن کو رنج و صدمہ کی وجہ سے حیدر آباد میں رہنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے وہ کچھ مدت کے لئے یورپ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

اب ملک میں دو پارٹیاں پیدا ہو گئیں، ایک جماعت جدید مدار المہام کے راستے میں مشکلات پیدا کرنا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُن پر حاوی ہونا چاہتی تھی۔ دوسری جماعت ملک کے فائدے کی غرض سے موجودہ دور کو کامیاب بنانا اور مشکلات کا خاتمہ کرنا چاہتی تھی لیکن راستہ پر خطر تھا اس لئے بغیر کافی جد و جہد اور مقابلہ کے کامیابی ممکن نہ تھی ان حالات کی وجہ سے جدید مدار المہام کو اس وقت قدرتاً ایک صائب الرائے مشیر کی ضرورت تھی۔ نواب محسن الملک کو موجودہ عہد سے پہلے سالار جنگی دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔ اس لئے وہ دوسری پارٹی کے آدمی سمجھے جاتے تھے سردار دلیر جنگ کی بھی یہ ہی حالت تھی۔ صرف نواب انتصار جنگ ایک ایسے شخص تھے جو اپنے مضبوط کیرکٹر، بے لوث عادات اور اپنے آقا کی وفاداری کی وجہ سے نواب سر آسمان جاہ کے نزدیک قابل اعتماد تھے۔ ان کو کسی خاص پارٹی سے تعلق نہ تھا، نہ ذاتی رسوخ حاصل کرنے کا خیال تھا۔ عہدہ کے لحاظ سے وہ معتمد مال گزاری تھے لیکن ان حالات کی وجہ سے عملاً مدار المہام کے مشیر خاص و معتمد قرار پائے اور چار و ناچار ان کو اس پولیٹیکل طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا جو اُن کے چاروں طرف برپا تھا۔ انھوں نے سلطنت کے مفاد کی خاطر نواب

سر آسمان جاہ کی وزارت کو قائم رکھنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دی اور وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ آج بھی حیدرآباد میں ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ نواب سر آسمان جاہ کے عہد وزارت کی کامیابی درحقیقت بہت کچھ نواب انتصار جنگ کے تدبر اور حسن تدبیر پر مبنی تھی۔

سر آسمان جاہ کی مخالف پارٹی براہ راست اعلیٰ حضرت سے تعلق پیدا کرنا اور مدارالمہام کے اختیارات کو محدود کرنا چاہتی تھی، کرنل مارشل بھی غافل نہ تھے وہ یہ غور کر رہے تھے کہ ایک مستحکم وزارت کے قائم ہو جانے پر آیا اُن کا پہلا اقتدار باقی رہ سکتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ سر آسمان جاہ کی وزارت کا اعلان ہونے پر اُن کے انگلستان آنے سے پہلے کرنل مارشل نے ایک دعوت کے جلسے میں پبلک طور پر وزیر ممدوح کے تقرر پر اظہار مسرت کیا تھا لیکن یورپ کی سیاست میں اس قسم کی تقریریں جو ڈنر وغیرہ کے موقعے پر کی جاتی ہیں ہمیشہ حقیقت پر مبنی نہیں ہوتیں۔

کیبنٹ اسکیم اسی زمانے میں سید عبدالحق المخاطب بہ سردار دلیر جنگ نے ایک کیبنٹ اسکیم تیار کی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی تیاری میں در پردہ اور لوگ بھی شامل تھے۔ اس تجویز کا یہ مقصد تھا کہ مدارالمہام کے اختیارات محدود کر دیئے جائیں اور کیبنٹ میں دو چیف سکرٹری وسیع اختیارات کے ساتھ کام کریں۔ یہاں تک طے کر لیا گیا کہ چیف سکرٹری کے عہدوں پر نواب محسن الملک اور سردار دلیر جنگ مقرر ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت کو لوگوں نے اسکیم کی منظوری پر راضی کر لیا تھا اور اخبارات میں بھی اس کے متعلق پروپگنڈا جاری تھا۔

نواب انتصار جنگ اور سر آسمان جاہ اس تحریک کو ملک کے لئے مفید نہیں سمجھتے تھے چنانچہ وزیر ممدوح نے نواب انتصار جنگ کے مشورے سے اس معاملے کے متعلق ایک معروضہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ جس میں اُنھوں نے لکھا کہ:

"دو چیف سکرٹریوں کے تقرر کی نسبت خانہ زاد قبل اس کے اپنی ناچیز رائے حضرت میں گزارش کر چکا ہے اور اس تقرر سے جن جن خرابیوں کا احتمال ہے ان کو خانہ زاد نے بہت مختصر طور سے ظاہر کر دیا تھا اس کے

بعد انگریزی اخباروں میں اس مضمون پر بہت سے مضامین تحریر
ہو چکے ہیں اور ان مضامین کا سلسلہ اُس وقت سے شروع ہوا ہے
جب سے سید عبدالحق سردار دلیر الملک بہادر انگلستان سے روانہ ہوئے
مضامین کا طرز صاف اس بات کو بتلاتا ہے کہ وہ کسی کے خاص اشارہ
سے لکھے گئے ہیں اور لکھے جارہے ہیں اور چیف سکرٹریوں کے تقرر
کی تجویز نے ترقی کر کے کیبنٹ کی صورت پکڑی ہے، یعنی ایک مجلس وزرا
جس میں دو چیف سکرٹری بطور وزرا کے کافی اور وسیع اقتدارت
کے ساتھ مہمات ریاست کو انجام دیں اور بحالت اختلاف مدارالمہام
بھی اپنا ایک ووٹ شامل کریں اور آخر کو ہر ایک اختلافی معاملہ
حضرت کے معتمد کے ذریعے سے حضرت کے تصفیہ کے واسطے پیش
کیا جایا کرے۔

....

اخبارات نے معاملات کی حالت ایسی پیدا کر دی ہے کہ اگر
اس کے برخلاف کچھ لکھا نہ جائے تو اس کا اثر ملک کے عام طبائع پر
بہت برا پہنچتا ہے۔ لہذا میں حضرت سے دو باتوں کی اجازت چاہتا
ہوں ایک یہ کہ خانہ زاد کے خیالات سے جو کچھ کہ اس باب میں ہیں،
صاحب عالی شان بہادر اور حضور والیسرائے کو اطلاع دی جائے،
دوم یہ کہ اخباروں کو بھی اس قدر اطلاع دے دی جائے کہ
دیوان وقت کو "کیبنٹ" کی اس تجویز پر عذر ہے اور اس نے اس
معاملہ کو حضرت کی توجہ کے واسطے پیش کیا ہے۔ ذیل میں خانہ زاد "کیبنٹ"
کی اس تجویز کی نسبت اپنے خیالات عرض کرتا ہے۔

(۱)۔ کیبنٹ کی ایسی کوئی تجویز ملک کے مناسب حال نہیں ہے، دیوان (وزیر) کا عہدہ اس کے بعد صرف برائے نام رہ جاتا ہی کوئی خاص شخص مہمات ریاست کا ذمہ دار نہ رہے گا۔

۲ - موجودہ معتمدوں میں دو کا اقتدار بڑھا دینے سے خود غرضیوں کو ترقی ہوگی، ذاتی مباحثے بڑھ جائیں گے، کام رکے گا، سازشیں پیدا ہونگی، ہر ایک کو اپنے فریق اور قوت بڑہانے کی فکر ہوگی۔ ملک اور ملک کی غریب رعایا کی فلاح اور بہبودی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی کسی کو فرصت نہ ہوگی۔ اس پژمردگی اور افسردگی کی حالت میں خانہ زاد سے اس بڑے عہدہ کے فرائض اور ذمہ داری کسی طرح بجا نہ لائی جا سکے گی جس پر حضرت نے خاوندی سے مقرر فرمایا ہی۔

۳ - ایک اور اعتراض جو اس تجویز پر وارد ہوتا ہی وہ یہ ہی کہ ایسی کسی تجویز کے بعد اُن امرائے دولت کا درجہ انتظام میں کیا ہو جائے گا جو اس وقت معین المہاموں کے نام سے انتظام ملک میں شریک ہیں اور جو بلحاظ اپنے درجۂ امارت اور بلحاظ اپنے عہدہ کے صحیح طور سے وزارت میں شریک ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور درحقیقت شریک ہیں۔

کیا وہ دو معتمد جو اب تک ان امیروں کے سامنے بطور اُن کے معتمد کے کام کرتے رہے ہیں: آیندہ اُن پر حکومت کریں گے اور اگر ایسا ہو تو کیا وہ امیر اور نیز تمام ملک اس کارروائی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے گا۔"

۴ - اخباروں میں بہت زور دے کر اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہی کہ زمانے کی ترقی یافتہ حالت اب اس بات کی مقتضی نہیں

ہے کہ ملک کا انتظام نہایت لائق شخصوں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ اس دلیل پر زور دینے والے حقیقت میں اُس پالیسی کے خلاف کرتے ہیں جس سے حضرت نے اس بات کو مناسب خیال فرمایا ہے کہ مدار المہامی کا عہدہ حضرت کے امرا میں سے کسی کے ہاتھ میں رہے اور چونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو حضور فیصل فرما چکے ہیں تو اب جو لوگ اس بات کے ساعی ہیں کہ مدار المہام اور اس کے اقتدارات اور عزتوں کو امیروں کے گروہ سے چھین کر ملازموں کے گروہ پر منتقل کریں وہ اپنا وقت ایک بے کار کوشش میں صرف کرتے ہیں کم سے کم ان کو بھی ایک کافی وقت اس انتظار میں بسر کرنا چاہئے تھا کہ وزارت کا جو انتخاب حضرت نے فرمایا اُس کا نتیجہ ملک کے حق میں کیا نکلتا ہے۔ اس کے بعد اگر کسی تبدیلی کی درحقیقت ضرورت ہو تو مجھ سے زیادہ دوسرا کوئی شخص تبدیلی کا خواہشمند نہ ہو گا۔ لیکن کسی حالت میں بھی یہ رائے کبھی نہ ہو گی کہ عنان حکومت ایسے دو معتمدوں کے ہاتھ میں چھوڑی جائے جن کا نہ مزاج ایک ہے نہ اخلاق ایک ہے اور جن میں سے ایک کی نسبت کوئی تجربہ کام اور انتظام کی نسبت بھی نہیں ہوا ہے + + + + ایسے دو معتمدوں کو آزاد اختیارات دینے سے بجز فساد اور تکلیف کے کسی وقت بھی سلطنت کے لئے راحت کا زمانہ پیدا نہ ہو گا۔

....

۵۔ کمیٹی اور کیبنٹ اور کونسل نہ آج ملک کے لئے مفید ہے نہ ابھی اور پچاس برس تک اس کی توقع ہو سکتی ہے پھر بھی یہ ضرور ہو گا کہ باہر کا منتظم جو نقشہ انتظام کا قائم کرے گا وہ موجودہ نقشے سے بالکل متغایر ہو گا۔

آج جو باغ جس وضع و قطع پر قائم ہے کل یہ اس وضع اور قطع پر قائم نہ رہے گا۔ بہت سے پھول اور چمن اور خوب صورت روشیں اور شاندار عمارتیں اور زرق برق کے سامان جن جن مواقع پہ دکھلائی دیئے ہیں اس باہر کے باغبان کی نگاہ میں یہ سب بدقطع اور بدنما معلوم ہوں گے وہ ان سب شان و شوکت کی چیزوں کو یک قلم دور کرے گا اور اُن کی جگہ کہیں صرف سادہ سادہ سبزہ گھاس کا تختہ لگا دے گا کہیں صرف ناہموار میدان چھوڑ دے گا، کہیں حوض اور کہیں روشیں قائم کرے گا پھولوں کی جگہ کانٹے لگائے گا اور کہیں کانٹوں کی جگہ پھول۔ مہذب دنیا کی نگاہ میں تو وہ نقشہ بہت اچھا ہوگا مگر سوال یہ ہے کہ آیا یہ تبدیلی ملک کے عام طبائع کے مناسب ہوگی! اور اس کا جواب نہایت صاف ہے کہ ہرگز نہیں!

زمانہ بے شک ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم بھی اپنے انتظام میں اور اپنے منتظموں کی حالت میں ترقی نہ کریں تو ہم اپنے درجے کو بہت پست کر دیں گے لیکن یہ ایک نہایت ضروری بات ہے کہ ہر ایک ترقی ملک کی طبیعت کے مناسب ہونی چاہیئے۔ نواب سر سالار جنگ مرحوم کا زمانہ اسی وجہ سے نہایت عزت کے ساتھ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اُنھوں نے ترقی کے ہر ایک زینہ پر قدم رکھتے وقت ملک کے لوگوں کی طبیعت کا بہت پورا پورا خیال رکھا۔"

سر آسماں جاہ کے علاوہ عام رائے بھی اس اسکیم کے موافق نہ تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت کی طرف سے رزیڈنٹ کو خط بھجوا دیا گیا اور معاملہ بغرض فیصلہ وائسرائے تک پہنچ گیا تھا اور پارلیمنٹ میں بھی اس کے متعلق سوالات ہو چکے تھے۔ اس لئے اس تجویز کے مسترد کرنے میں

دشواری پیش آئی لیکن اعلیٰ حضرت کی توجہ اور استقلال کی وجہ سے یہ مصیبت ملک پر سے ٹل گئی۔

مہمات ملکی اور نواب سرآسمان جاہ

اگرچہ نواب سرآسمان جاہ کی تجدید اختیارات کا معاملہ اس وقت ٹل گیا تھا اور اُن کو بحیثیت ایک مدارالمہام کے پورے اختیارات حاصل تھے، لیکن باایں ہمہ جو اہم ملکی معاملات اس وقت درپیش تھے اُن سے عہدہ برآ ہونا سہل نہ تھا۔ چنانچہ تمثیلاً ان معاملات کے متعلق بالاختصار لکھا جاتا ہے تفصیل مناسب موقع پر آئے گی۔

سب سے اہم معاملہ ایک پیش کش کا تھا۔ پنجدہ پر روس اور برطانیہ کے مابین جنگ چھڑ جانے کا خطرہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے اس موقعے پر ہندوستان کی حفاظت اور گورنمنٹ کی اعانت کے لئے ۶۰ لاکھ روپیہ نقد عطا کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس پیش کش کی تجویز کرنل مارشل اور عبدالحق (سردار دلیر جنگ) نے کی تھی اور اعلیٰ حضرت نے اس کے خط پر اپنے دستخط کئے تھے جس کو کرنل مارشل نے وائسرائے کے سامنے پیش کیا، عجیب بات یہ ہے کہ مدارالمہام کو اس واقعہ کی مطلق خبر نہ تھی، اُن کو اُس وقت معلوم ہوا جب اعلیٰ حضرت اقرار کرچکے تھے۔ گویا معاملہ قابو سے باہر ہوچکا تھا۔ سرآسمان جاہ کے لئے یہ موقع نہایت نازک تھا، ایک طرف تو اعلیٰ حضرت یہ گراں قدر رقم پیش کرچکے تھے۔ دوسری طرف ریاست کی مالی حالت ناقابلِ اطمینان تھی اور احتیاط و کفایت شعاری کی سخت ضرورت تھی۔ اسی سلسلہ میں یہ تحریک زیر بحث تھی کہ بجائے نقد روپیہ کے ریاست کی طرف سے امپریل گورنمنٹ کے لئے ایک فوج مرتب کی جائے جو ضرورت کے وقت کام آیا کرے، دوستانہ تعلقات کے لحاظ سے ریاست کو بروقت ضرورت فوجی امداد دینے میں تامل نہ تھا لیکن اس وقت درحقیقت کسی فوجی مدد کی ضرورت نہ تھی اور نہ خزانہ اس بار کا متحمل ہوسکتا تھا۔

کرنل مارشل کا اس معاملہ میں جو رویہ تھا وہ کچھ تعجب خیز نہیں۔ اُن کی نیک نامی اور کارگزاری اسی میں تھی کہ وہ بغیر توسط مدارالمہام کے اعلیٰ حضرت اور رزیڈنٹ (یا وائسرائے) کے مابین سلسلۂ مراسلت و معاملت قائم کردیں۔ دوسرے یورپین حکام بھی علیٰ قدر مراتب

ان معاملات میں حصہ لیتے تھے۔

حیدر آباد کی یہ حالت اب باہر کے لوگوں پر بھی مخفی نہ تھی اور مختلف حلقوں میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ موجودہ حالت قابل توجہ اور اصلاح ہے۔ چنانچہ ہم ایک شریف طینت انگریز مسٹر رابرٹ نائٹ کے ایک خط کا ضروری حصہ نقل کرتے ہیں۔ یہ صاحب اس زمانے میں اخبار اسٹیٹمین کلکتہ کے اڈیٹر تھے اور ہندوستانی والیان ملک کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے، ریاست حیدر آباد کے متعلق بھی بعض خدمات انھوں نے انجام دی تھیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

"میں صاف طور سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ وقت آگیا ہے کہ ہم ایک کاری ضرب اس طریق عمل پر لگا سکیں جس سے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ہندوستانی رؤسا اپنی ریاستوں پر خود مختارانہ حکومت کر رہے ہیں حالانکہ تمام حکومت رزیڈنٹ اور پولٹیکل ایجنٹ کے ہاتھ میں ہے، اس واسطے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے پیارے دوست آپ مجھے امداد دیجئے تاکہ ہم یہ سخت جوا اُن کی گردنوں پر سے اُٹھا کر پھینک دیں۔

والیسرائے کو تو اس انتہائی مداخلت کا گمان بھی نہیں جو یہ ایجنسیاں ریاست کے معاملات میں کرتی رہتی ہیں آپ مجھے اس ظلم اور بُرائی کے انسداد کرانے میں نہ صرف حضور نظام کی وجہ سے بلکہ اور دوسرے ہندوستانی رئیسوں کی آزادی حاصل کرنے کے واسطے امداد دیجئے۔ جو ایک بے بسی کے عالم میں اس ظلم اور استبداد کو برداشت کئے ہوئے ہیں اور اس کے رفع کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے۔

آپ کی رہائی اور آزادی کا وقت قریب ہے، لیکن اگر اس کے بعد بھی آپ کمزوری کے ساتھ کرنل مارشل اور نیول اور کاڈری (رزیڈنٹ) کو ڈھیل دیئے جائیں گے تو پھر یہ باتیں بالکل قبضہ اقتدار سے باہر ہو جائیں گی"۔

ان سیاسی مشکلات کے علاوہ دو پیچیدہ اور مہتم بالشان مسئلے ریلوے اور معدنیات کے اجارہ کے متعلق تھے۔ ان معاملات کا تعلق درحقیقت سر سالار جنگ اعظم کے زمانے سے تھا عبدالحق (سردار دلیر جنگ) نے جو ریلوے اور معدنیات کے ڈائرکٹر تھے، ان معاملات کے متعلق ابتدائی کارروائیاں اور معاہدات کئے تھے اور ایک خاص اسکیم تیار کی تھی۔ سرکاری اور کاروباری حلقوں میں اُن کا خاص اثر تھا اور مالیات میں وہ بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

نواب انتصار جنگ نے ریلوے کی اسکیم پر زبردست نکتہ چینیاں کی تھیں۔ نیز معدنیات کے اجارہ میں جو پُرفریب کارروائیاں گورنمنٹ نظام کو نقصان پہنچانے والی عمل میں آئی تھیں اُن کو معلوم کرلیا تھا۔ اب معاملات منظر عام پر آگئے تھے اور ہندوستان و انگلستان میں ضابطہ کی کارروائیاں شروع ہوچکی تھیں، گورنمنٹ نظام کے بعض اعلیٰ عہدہ دار اس مقصد کے لئے انگلستان روانہ کردیئے گئے تھے اور حیدرآباد میں نواب انتصار جنگ بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے اور انگلستان کے کام کرنے والوں کو ہدایات روانہ کرتے تھے، ان معاملات نے نواب سر آسمان جاہ کی مشکلات میں اضافہ کردیا تھا اور سردار دلیر جنگ اور ان کی پارٹی وزیر ممدوح اور اُن کے مشیر نواب انتصار جنگ کی پوری مخالف ہوچکی تھی۔

شملہ کا سفر اور لارڈ ڈفرن سے ملاقات

یہ حالات تھے جب کہ ان معاملات اور دوسرے اہم امور پر والیسرائے سے گفتگو کرنے کے لئے جولائی ۱۸۸۸ء میں نواب سر آسمان جاہ نے شملہ کا سفر کیا۔ نواب انتصار جنگ اور متعدد عہدہ دار ہمراہ تھے، تمام معاملات پر عمدہ طریقے سے گفتگو ہوئی، چونکہ سردار دلیر جنگ نے مخالفت کی وجہ سے نواب انتصار جنگ کو بہت بدنام کیا تھا اور گورنمنٹ ہند کے اعلیٰ عہدہ داروں کو اُن سے بدگمان کرانا چاہا تھا اس لئے نواب سر آسمان جاہ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس موقعے پر ان واقعات کی تردید کردی جائے چنانچہ انھوں نے مسٹر ڈیورینڈ فارن سکریٹری کو ایک خط لکھا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ لارڈ ڈفرن، نواب انتصار جنگ کو شرف باریابی عطا کریں۔ چونکہ اس خط سے یہ پتا چلتا ہے کہ سر آسمان جاہ کے تعلقات نواب انتصار جنگ

کے ساتھ کس قسم کے تھے۔ لہٰذا اُس کا نقل کرنا بے موقع نہ ہوگا، نواب ممدوح لکھتے ہیں:۔

"مائی ڈیر مسٹر ڈیورنڈ،

بعد ان بے شمار عنایتوں کے جو گورنمنٹ ہند کی طرف سے ریاست حیدرآباد اور میری ذات خاص کی نسبت مرعی ہوئی ہیں میرے خیال میں اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ میں کوئی درخواست کروں۔ مگر چوں کہ میری خواہش ہے کہ ریاست کے اعلیٰ عہدہ دار بھی جو ذمہ داری کے عہدوں پر مامور ہیں گورنمنٹ ہند کے اعتبار میں حصہ حاصل کریں، اس لئے مجکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سکرٹری مولوی مشتاق حسین نواب انتصار جنگ بہادر کے متعلق بعض واقعات آپ کے گوش گزار کروں بالتخصیص اس واسطے کہ مجکو اس امر کے باور کرنے کی وجہ ہے کہ جس زمانے میں کہ سردار عبدالحق با اقتدار تھے اس وقت اُنھوں نے مسٹر کارڈری (رزیڈنٹ) کے خیال کو نواب صاحب موصوف کی طرف سے ضرور خراب کر دیا ہوگا۔

مولوی مشتاق حسین ممالک مغربی و شمالی کے باشندہ ہیں بارہ برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ سر سالار جنگ مرحوم نے آنریبل سر سید احمد خاں بہادر سے استصواب کے بعد مولوی صاحب کو علی گڑھ سے طلب کیا جہاں وہ گورنمنٹ انگریزی کے ملازم تھے اور گورنمنٹ موصوف کی ملازمت چودہ برس تک مختلف عہدوں پر بہت ناموری کے ساتھ کی تھی اور جب کہ میں صدر المہام عدالت کا عہدہ رکھتا تھا وہ میرے معتمد مقرر کئے گئے تھے سر سالار جنگ مرحوم کے آخر زمانے میں اُن کی ترقی خود اُن کی معتمدی عدالت کوتوالی تک ہو گئی تھی اور پیشکار صاحب کی چند روزہ مدار المہامی تک بھی وہ اس عہدہ پر قائم رہے

مدار المہام مستعفی (سر سالار جنگ حال) نے، اُن کی ترقی بورڈ آف ریونیو (مجلس مال گزاری) کی ممبری پر کر دی جس کے باعث اُن کی تنخواہ میں ۵۰۰؁ کا اضافہ ہوا یعنی اب تنخواہ سترہ سو ۱۷۰۰؁ روپیہ ماہوار ہو گئی۔ بعد تنکستگی محکمہ بورڈ ریونیو کے مولوی مشتاق حسین سمت مشرقی کے صوبہ دار چار برس تک رہے جس میں کل ریاست کا چہارم حصہ شامل ہی اور اس عہدہ پر اپنے فرائض کو قابل نظیر ناموری اور محنت کے ساتھ انجام دیا کہ اس صوبہ کے لوگوں کو بہت عرصہ تک ان کو یاد کرنے کے واسطے وجہ ہی۔ بالفعل میری گورنمنٹ میں معتمد مال ہیں جس جگہ کے واسطے اُن کو مدار المہام مستعفی اور اُن کی علیحدگی کے بعد حضور پر نور نے منتخب فرمایا اور جو ایک بڑی ذمہ داری کا عہدہ ہی۔ علاوہ اپنے فرائض معتمدی مال کے وہ معتمدی پولیٹکل اور فنانس کا کام بھی کرتے ہیں جب سے کہ نواب محسن الملک انگلستان کو بھیجے گئے ہیں۔

بلحاظ اس نہایت عمدہ رائے کے جب سے کہ مجکو اُن سے واقفیت ہوئی ہی میں نے اہم کاروبار کا نفذ ٹنسل معاملات میں ہمیشہ اُن کی صلاح سے فائدہ حاصل کیا ہی۔ جب سے کہ میں مدار المہامی پر مامور ہوا ہوں نواب انتصار جنگ بہادر نے علاوہ اپنے فرائض مختص کے عام طور پر میرے پرسنل اسسٹنٹ اور مشیر معتمد علیہ کے کام کیا ہی اور چوں کہ لوگوں کو بھی اُن کی قابلیت اور ایمان داری پر ایسا ہی اعتبار ہی جیسا کہ مجکو ہی لہذا معاملات سرکاری میں اُن کی عام مداخلت بالعموم رعایا کی مزید طمانیت کا باعث ہوئی ہی وہ اپنے کام کو سچی ایمانداری سے اور بغیر نمائش کے کرتے ہیں، وہ انگریزی نہیں جانتے مگر ایسا

دماغ قدرتی رکھتے ہیں جو صرف لبرل تعلیم ہی سے مرتب ہوتا ہے،
سرکار عالی کو جو کامیابی عبدالحق کے مقابل میں ہوئی، اس کا ایک بڑا
حصہ نواب موصوف ہی کی خیر خواہانہ اور بے غرضانہ کوششوں کا
نتیجہ ہے۔

رزیڈنٹ صاحب کو جو موقع پر موجود ہیں ان سب واقعات کے
جاننے کا کافی موقع ہے مگر بوجہ اس کے کہ میں حسب اتفاق گورنمنٹ ہند
کے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہوں، میں نے ان واقعات کو آپ کے
گوش گزار کرنا مناسب خیال کیا اور مجھکو امید ہے کہ آپ براہ مہربانی
میرے ان خیالات سے ہز اکسیلنسی والسیرائے بہادر کو بھی مطلع کرنے
سے مجھکو ممنون کرینگے۔ میں بلاشک نہایت مشکور ہوتا اگر ہز اکسیلنسی
میرے اس چند روزہ قیام کے عرصہ میں نواب صاحب موصوف کو
چند منٹ کی باریابی کی عزت بخشتے اور اس طرح پر وہ خود اس عہدہ دار
کو جس کی نسبت میں ایسی عمدہ رائے رکھتا ہوں دیکھ لیتے۔"

اس خط کے پہنچنے کے بعد، ۸ اگست ۱۸۸۸ء کو لارڈ ڈفرن نے نواب انتصار جنگ سے
پرائیویٹ ملاقات کی اور عمدہ طور پر پیش آئے۔[1]

---

[1] نواب سر آسمان جاہ نے ۹ اگست ۱۸۸۸ء کو حسب ذیل چٹھی مسٹر ہاول رزیڈنٹ کو بھیجی۔
"مائی ڈیر مسٹر ہاول، میں آپ کی اطلاع کے واسطے ایک چٹھی کی نقل ملفوف کرتا ہوں، جو مسٹر ڈیورنڈ کو بمقام شملہ مولوی مشتاق حسین نواب انتصار جنگ کی بابت بھیجی گئی تھی میں نہایت خوشی سے بیان کرتا ہوں کہ ہز اکسیلنسی والسیرائے بہادر نے میری درخواست کو منظور فرمایا۔ اس لئے نواب صاحب موصوف کو ۸ تاریخ کو ایک خانگی ملاقات کا اعزاز حاصل ہوا، اور لارڈ ڈفرن نے ان سے بہت مہربانی سے ملاقات اور گفتگو کی۔ واضح ہو کہ جب کہ مسٹر فریڈرل جی نے بذات خود یہ چٹھی مسٹر ڈیورنڈ کو دی تو انھوں نے صاحب موصوف سے ان حالات کو بھی بیان کر دیا کہ نواب صاحب موصوف کس طرح چند سال پہلے ملازمت سرکار عالی سے علیحدہ کئے گئے تھے اور ان کو حیدرآباد سے باہر رہنے کی ہدایت ہوئی تھی میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر ڈیورنڈ نے اس مقدمہ کی مثل کو معائنہ کرنے کے بعد مجھکو لکھا کہ جناب والسیرائے، مشتاق حسین سے ۸ تاریخ کو سہ پہر کے وقت ملینگے۔ آپ کا مخلص
آسمان جاہ

انتظام مال گزاری اور مفید اصلاحات

نواب انتصار جنگ نے اپنے جدید عہدے کا کام ایسی حالت میں شروع کیا جب کہ مختلف پارٹیاں اپنی ذاتی اغراض و حصول اقتدار کے لئے مصروف کشمکش تھیں۔ اس لئے نہایت حزم و احتیاط سے کام کرنے کی ضرورت تھی، ایک مخصوص دشواری اُن کے لئے یہ تھی کہ دوسرے اعلیٰ عہدہ داروں کی طرح اُن کی کوئی پارٹی نہ تھی جو کسی نازک موقعے پر جا و بے جا اُن کی حمایت کے لئے مستعد ہو جاتی، پارٹیاں بنا کر اقتدار حاصل کرنے سے اُن کو ہمیشہ سے نفرت تھی ان حالات کے لحاظ سے وہ گویا اپنے چالاک حریفوں کے مقابلے میں بالکل یکہ و تنہا تھے، اُن کو جو کچھ کامیابی ہوئی وہ محض اخلاص استقامت، راست بازی اور اعتماد علی النفس کی بنا پر تھی۔

اس عہدے پر آنے کے بعد اُن کو ایک طرف تو بحیثیت معتمد مال گزاری جدید انتظامات و اصلاحات میں مصروف ہونا پڑا۔ دوسری طرف بحیثیت مشیر مدار المہام وہ ملک کی اندرونی اور بیرونی سیاست میں کبھی خفیہ اور بے ضابطہ اور کبھی باقاعدہ و علانیہ حصہ لینے پر مجبور ہوئے، اُن کی زندگی کا یہ دور اگرچہ مختصر ہی لیکن نہایت دل چسپ و پراسرار ہی۔ حیدرآباد کا یہ زمانہ بھی ایک خاص زمانہ تھا، جب کہ یورپ اور ہندوستان کے بڑے بڑے نامور، پولٹیکل شاطر وہاں جمع تھے اور ہر شخص اپنے مخصوص اغراض کے مطابق جوڑ توڑ اور سازش میں مصروف تھا بڑی بڑی شان دار ہستیاں پس پردہ عجیب و غریب حرکات میں مشغول نظر آتی تھیں۔ نواب انتصار جنگ کی دقیقہ رس اور راز شناس نگاہیں دُور سے یہ سب تماشا دیکھتی تھیں۔ لیکن وہ عموماً مداخلت سے احتراز کرتے تھے۔ البتہ جب یہ دیکھتے تھے کہ یہ حرکات اب اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ سلطنت کے لئے مضر ہیں تو اچانک اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے تھے اور دفعۃً یہ سارا طلسم ٹوٹ جاتا تھا۔ اور لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتے تھے۔ آخر زمانے میں تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اُن کے مخالفین مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے تھے اور

ہر لمحہ یہ محسوس کرتے تھے کہ نواب انتصار جنگ کی بیدار اور خوف ناک نگاہیں اُن کے دلوں کے بھید ٹٹول رہی ہیں۔

اس عہد کے واقعات اگر منظرِ عام پر آئیں تو لوگ اُن سے بہت کچھ عبرت و بصیرت حاصل کر سکتے ہیں لیکن افسوس کہ یہ ممکن نہیں، اکثر واقعات سلطنت کے "صیغۂ راز" سے تعلق رکھتے ہیں اور اگرچہ باہر والے بھی اُن کے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں تاہم جب تک اصلی کاغذات پر دسترس نہ ہو اُن کا لکھنا کسی طرح مناسب نہیں۔ بعض واقعات ایسے ہیں کہ جن لوگوں سے متعلق تھے اُن کے ساتھ دفن ہو گئے اور اب دنیا کبھی اُن سے واقف نہ ہو گی، کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جو اُن لوگوں سے متعلق ہیں جو ان سیاسی کھیلوں میں حصہ لے چکے ہیں، لیکن ان میں سے بعض اشخاص جو جنگی و ملکی خطابات سے ممتاز ہیں آج بھی زندہ ہیں۔ اگرچہ امتداد زمانے نے اُن کے اعمال نامے پر پردہ ڈال دیا ہے مصلحت کا یہ تقاضا ہے کہ ابھی یہ پردہ کچھ مدت اور پڑا رہے۔

ان حالات و مصالح کے بعد صرف چند واقعات یا انتظامی معاملات ایسے رہ جاتے ہیں جو بیان کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان واقعات سے بھی بخوبی اُن کی ملازمت کے اس دور کی بیش بہا خدمات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

انعامات کا انتظام حیدر آباد میں جاگیر کی ایک قسم کا نام التمغہ یا انعام ہے۔ یہ موروثی اور دوامی ہوتی ہے جو سلطنت کی طرف سے رعایا کو کسی خاص خدمت یا کارِ خیر کے لئے یا بطور مدد معاش دی جاتی ہے۔ جن لوگوں کو یہ جاگیریں ملتی ہیں وہ انعام دار کہلاتے ہیں اور اُن سے عموماً زمین کا کچھ محصول نہیں لیا جاتا، اس قسم کے ہزاروں انعام دار ریاست میں موجود تھے۔

سنہ ۱۲۷۵ف میں نواب مختار الملک سر سالار جنگ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس امر کی تحقیقات کرنا چاہیئے کہ انعام کے نام سے اراضی پر لوگوں کا جو قبضہ ہے وہ جائز ہے یا غاصبانہ۔ چنانچہ یہ کام تعلقہ داران اضلاع کے متعلق کیا گیا، لیکن جب یہ کام زیادہ بڑھ گیا تو سنہ ۱۲۸۵ف میں

ایک خاص محکمہ اس مقصد سے قائم کیا گیا اور ایک انگریز مسٹر چارلس اس محکمہ دریافت انعام کے مہتمم مقرر ہوئے۔ یہ انتظام ۱۲۹۱ف تک جاری رہا لیکن چونکہ ایک عہدہ دار کام کو بہمہ وجوہ انجام نہیں دے سکتا تھا اس لئے ایک مجلس انعام قائم کی گئی جو ۳ ارکان پر مشتمل تھی۔ یہ مجلس اردی بہشت ۱۲۹۴ف تک قائم رہی۔ طریقہ کار یہ تھا کہ انعامات کے متعلق اسناد طلب کرکے اُن کی جانچ کی جاتی تھی۔ اگر سند موجود ہوتی تھی تو جاگیر بحال رکھی جاتی تھی ورنہ ضبط کرلی جاتی تھی۔ نیز یہ کہ جن اشخاص کے قبضے کا ثبوت ہوتا تھا لیکن قبضے کی مدت ۴۰ سال سے کم ہوتی تھی اُن کی زندگی میں صرف دو پشت کے لئے بحال رکھی جاتی تھی۔ اسی سال جب انسپکٹر جنرل مال نے بہت سی فریبانہ کارروائیوں اور جعل سازیوں کا انکشاف کیا تو آخر کار اُن کو ہنگامی طور پر کمشنر انعام مقرر کیا گیا اور اُن کو دو مددگار دیئے گئے تاکہ ان مقدمات پر نظر ثانی کی جائے جن میں جعل سازی کا احتمال ہے۔ اس کے بعد مستقل طور پر اس سررشتہ کا انتظام کیا گیا۔ خاص حیدرآباد میں ایک کمشنر اور ہر صوبے میں ایک ڈپٹی کمشنر انعام مقرر کیا گیا اور ان عہدہ داروں کو مناسب اختیارات عطا کئے گئے۔

اس تحقیقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے لوگ اپنے ذریعہ معاش سے محروم ہوگئے کیوں کہ ثبوت نہ دے سکنے کی وجہ سے اُن کی اراضی ضبط ہوگئی۔ تحقیقات میں خاص طور پر سختی کی جاتی تھی اور جن لوگوں کا قبضہ زمانۂ دراز سے ثابت ہوجاتا اُن کی زمین بھی دواماً بحال نہیں کی جاتی تھی، آخر کار نواب انتصار جنگ نے اس حالت کو محسوس کیا اور نواب سرآسمان جاہ کو بتایا کہ اس طریقے سے رعایا کی کس قدر حق تلفی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک خاص حکم ۱۷ شوال ۱۳۰۵ھ کو جاری کیا گیا جو گشتی نمبر ۲۰ کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ اس حکم میں یہ بتایا گیا کہ:-

"مدارالمہام سرکار عالی بعد کافی غور و خوض کے خیال فرماتے ہیں کہ یہ کارروائی جس سے صدہا سال کے قابض بے دخل ہوئے جاتے ہیں۔ انعام داروں کے حق میں سخت مضر ہے اور سرکار عالی کا کبھی

یہ منشا نہیں ہوا کہ اپنی رعایا کے اُن بڑے گروہوں کو جو مدت ہائے دراز سے اور نسلاً بعد نسلٍ چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی پر قابض چلے آتے ہیں اور وہی اُن کا ذریعۂ معیشت ہے اُن کے اراضیات مقبوضہ سے بے دخل کر کر اُن کو ایک سخت تکلیف میں مبتلا کر دے پس نواب مدار المہام سرکار عالی صاف طور سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی زمین انعام ماقبل ۱۲۶۴ ف زائد از چالیس سال انعامداروں کے قبضے میں رہے تو اس کو دواماً بحال کرنا چاہیئے نہ کہ ایک پشت یا دو پشت کی قید سے ''

نیز سرکار کو معلوم ہوا ہے کہ انعام کمیشن کے افسر قبضہ کی مدت کا تصفیہ کرنے میں کبھی غلطی کرتے ہیں اُن کا خیال ہوتا ہے کہ جس سال سے سرکاری دیہی دفاتر میں قبضہ کا داخلہ برآمد ہو اسی سال سے قبضہ کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ وہ صرف شہادت کو معتبر نہیں سمجھتے لیکن اس عام پابندی کو بھی سرکار عالی رعایا کے حق میں بہت سخت اور بسا اوقات ناانصافی کا موجب سمجھتی ہے۔ بے شک وہ شہادت جس کی تائید دفتری داخلوں سے ہوتی ہے زیادہ مستحکم خیال کی جاتی ہے لیکن کبھی یہ بھی ممکن اور اکثر ممکن الوقوع ہے کہ انعامداروں کا قبضہ جس مدت سے ہے اس مدت کے سرکاری کاغذات موجود نہیں ہیں پس خواہ مخواہ سرکاری دفتر کے داخلہ پر تجویز کی بنیاد قائم کرنی ضرور نہیں ہے۔

انعام کمیشن کے افسروں کا کام آئندہ شہادت لینے کی نسبت بہت اہم ہو گیا ہے اور مدار المہام سرکار عالی امید کرتے ہیں کہ ہر ایک شہادت جو آئندہ پیش ہو گی بہت ہی احتیاط سے قلمبند

کی جائے گی اور صرف اسی قدر شہادت پر اکتفا نہ ہوگا جو انعام داروں کی طرف سے پیش ہو بلکہ انصاف کا حق ادا کرنے کے لئے جس میں سرکار اور انعام داروں دونوں کا مساوی لحاظ کرنا چاہیئے اگر افسرانِ مجوزہ کے نزدیک کسی مزید شہادت کے بہم پہنچانے کی ضرورت ہے تو اس کو بہم پہنچانے کے لئے بطور فرائض اپنے عہدے کے سعی عمل میں لائیں۔

انعام کمیشن کی جن تجویزوں کا ذکر ہوا ہے اُن کی ناراضی سے جو مقدمات بصیغہ مرافعہ سرکار کے محکمہ مال گزاری میں پیش ہوئے ہیں اُن میں سرکار سے بہ تنسیخ فیصلہ جات ماتحت مناسب احکام جاری کئے گئے ہیں اور جاری کئے جاتے ہیں تاکہ انعام داروں کے حق میں انصاف ہو سکے، لیکن ممکن ہے کہ بہت لوگ اب بھی مرافعہ پیش کرنے سے قاصر رہ گئے ہوں لہذا کمشنر صاحب انعام کو ایما کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے مقدمات کی مثلوں کو طلب کر کے تجویز ثانی کا حکم دیں اور تین مہینے کے اندر ایک فہرست ایسے مقدمات کی سرکار کے محکمے میں بھیجدیں۔"

ان احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کے قطعات زمین جو ضبط ہو گئے تھے از سر نو واپس کئے گئے اور جو ہلچل اور بد دلی انعام داروں کے طبقے میں پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی۔

آبکاری کا جدید انتظام

حیدر آباد میں سیکڑوں چھوٹے بڑے جاگیردار ہیں، جن کو اُس زمانے میں خاص حقوق و امتیازات حاصل تھے اور اُن میں سے بعض بہت سی قانونی قیود سے بھی مستثنیٰ تھے، ان کو آبکاری کے حقوق بھی حاصل تھے، ان کی جاگیروں میں گل مہوہ وغیرہ پیدا ہوتا تھا اور یہ لوگ اپنے طور پر شراب کشید کر کے فروخت کرتے اور معقول فائدہ اُٹھاتے تھے مگر اصولاً یہ ایک ناموزوں طریقہ تھا اور اس سے بدنظمی پیدا ہوتی تھی۔ اس لئے نواب انتصار جنگ نے یہ چاہا کہ چند خاص شرائط پر آبکاری کے جملہ حقوق جاگیرداروں سے لے لئے جائیں

اور آبکاری کا انتظام بہمہ وجوہ سرکار کی نگرانی میں آجائے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۳۱۰ف میں خاص احکام جاری کئے۔ ان احکام کا شائع ہونا تھا کہ مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور جاگیر داروں نے اس شدت سے مخالفت کی کہ حیدر آباد میں اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس قانون کا ماحصل یہ تھا کہ:

جاگیر داروں کو حقوق آبکاری کے معاوضہ میں صرف ایک نقد رقم دے دی جائے اور یہ رقم جاگیر داروں کے اوسط سالانہ آمدنی آبکاری کی پنج گونہ قرار پائی تھی اور یہ بھی شرط رکھی گئی تھی کہ اس رقم کی ادائیگی سے جاگیر داروں کے حقوق کا دوامی تصفیہ ہو جائے گا۔ مثلاً اگر جاگیر دار کو ایک ہزار روپیہ سالانہ آمدنی آبکاری سے حاصل ہوتی ہو تو یہ تجویز تھی کہ اس کو یکمشت پانچ ہزار روپئے دے کر اس کے حقوق آبکاری دواماً لے لئے جائیں۔

اگرچہ حسن انتظام اور گورنمنٹ کے فائدہ کے لحاظ سے یہ تجویز نہایت مناسب تھی لیکن چونکہ بظاہر جاگیر داروں کا اس میں نقصان تھا انھوں نے سخت اختلاف کیا۔ اور اجتماعی طاقت سے کام لے کر فوراً ایک باقاعدہ انجمن قائم کرلی جس میں بڑے بڑے امرا و جاگیر دار شریک تھے اور اس کے میر مجلس ایک معمر نواب، اشرف الدولہ رکن الملک خان دوران خاں بہادر تہور جنگ تھے۔ ان لوگوں نے اس تجویز کے خلاف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اڈریس پیش کیا، جلسے منعقد کئے، مضامین چھاپے، غرض ہر طریقے سے مخالفت کی۔

جاگیر داروں کی مخالفت بے اثر نہیں رہی حکومت نے اس معاملہ پر بحث و گفتگو کرنے کے لئے ایک مجلس قائم کی، جس کے میر مجلس نواب وقار الامرا بہادر مقرر ہوئے اور معتمد (سکرٹری) راجہ مرلی منوہر بہادر ۔ ۲۷ صفر ۱۳۱۰ھ کو نواب وقار الامرا کے محل میں اس کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں جاگیر داروں کے قائم مقام بھی شریک تھے۔

نواب انتصار جنگ نے بہ حیثیت معتمد مجلس مال گزاری کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے بیان کیا کہ سرکار کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ آپ صاحبوں کے واجبی حقوق میں کوئی دست اندازی کی جائے، اور نقصان پہنچایا جائے، بلکہ منشا صرف اس قدر ہے کہ ممالک محروسہ میں آبکاری کے انتظامات کی تفریق اور تعددسے اور ایک جگہ انتظام نہ ہونے سے جو خلجان اور بدنظمی ہو رہی ہے وہ دفع کی جائے اور اس غرض کے لئے تجویزات مندرجہ اشتہار کے علاوہ جو تجویز آپ صاحبوں کے خیال میں آئے تو سرکار بخوشی اس پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہے۔

انھوں نے یہ بھی کہا کہ مدارالمہام سرکار عالی کو آپ کے جن عذرات سے اس وقت تک اطلاع ہوئی ہے، ان کے لحاظ سے سرکار نے اپنی دو تجویزوں میں ترمیم فرما دی ہے۔ ایک یہ کہ منافع آبکاری کا معاوضہ جاگیرداروں کو بجائے پنج سالہ کے دہ سالہ دیا جائے، دوسرے یہ کہ کوئی تفریق قسم اول و دوم مستثنیٰ اور غیر مستثنیٰ نہ کی جائے۔

نواب سلیمان یار جنگ علی یاور الدولہ نے نواب انتصار جنگ سے واجبی حقوق کی توضیح چاہی۔ نواب انتصار جنگ نے جواب دیا کہ جاگیرات کے حقوق آبکاری، تابع ہیں۔ حقوق جاگیرات کے اور جاگیرات کے حقوق کا تصفیہ سررشتہ دریافت انعامات و جاگیرات کے تصفیہ پر منحصر ہے لیکن جب تک ایسی دریافت و تجویز کی نوبت آئے اس وقت تک سرکار کا منشا ہے کہ جس طرح جاگیردار حقوق آبکاری پر قابض رہے ہیں آئندہ بھی قابض رہیں اور بالفعل صرف ایسا انتظام کرنا منظور ہے جس سے کل ممالک محروسہ کی آبکاری کا انتظام ایک جگہ ہو جائے۔

اس کے بعد جاگیرداروں نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت طلب کی جو ان کو دی گئی۔

یہ معاملہ نواب انتصار جنگ کے زمانے میں طے نہ ہو سکا، ان کے بعد اس معاملہ کی تنقیح مسٹر اے جے ڈنلاپ صاحب کے متعلق کی گئی اور انھوں نے اپنی معتمدی مال گزاری کے زمانے میں چند تغیرات کے بعد ایک جدید اسکیم مرتب کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ تمام ممالک محروسہ کی آبکاری

کا انتظام تو یک جا ایک نظام کے ماتحت ہو لیکن گورنمنٹ جاگیرداروں کے حقوق کو بطور اجارہ دائمی حاصل کرے اور اُن کو ایک معین سالانہ رقم دی جائے (جس کی نوعیت و کیفیت اسکیم میں بیان کی گئی ہے) اُنھوں نے یہ بھی تجویز کیا کہ علاقہ صرف خاص کی آبکاری بھی دیوانی میں ضم کردی جائے غرض مختلف تغیرات اور جاگیرداروں کی منظوری کے بعد ۱۳۲۴ھ م ۱۳۱۵ف میں جملہ جاگیرات و پائگاہ و سمستان وغیرہ کی آبکاری علاقہ دیوانی میں شامل ہوگئی اور جاگیرداروں کو مستقل معاوضہ دینا طے پایا۔

چونکہ آبکاری کے یکجائی انتظام کی تحریک و تجویز سب سے پہلے نواب انتصار جنگ نے پیش کی تھی اس لئے جاگیرداروں کی جماعت میں وہ غیر ہر دل عزیز ہوگئے اور بدنام کئے گئے کہ وہ جاگیرداروں کے دشمن ہیں اور اُن کے حقوق پامال کرنا چاہتے ہیں۔ اس بنا پر ان واقعات کو کسی قدر بتفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ معاملہ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے، حیدرآباد میں عام لوگ آج تک اس معاملہ کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی تجویز ملک کے لئے مضر تھی۔ حالانکہ اس تجویز کی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ معمولی تغیر و تبدیلی کے بعد آخر کار اس پر عمل کرنا پڑا۔

بند و لبست | حیدرآباد میں بندوبست کا باقاعدہ کام مولوی سید مہدی علی خاں (نواب محسن الملک) نے شروع کیا، جو سر سالار جنگ اعظم کے عہد میں ناظم بندوبست مقرر ہوئے تھے۔ اُن کے علاوہ نواب انتصار جنگ نے بھی مختلف اوقات میں تلنگانہ کے بندوبست کے متعلق مفید تجویزیں پیش کیں۔ جس زمانہ میں وہ معتمد مال گزاری تھے تو مسٹر اے جے ڈنلاپ ناظم بندوبست تھے مسٹر ڈنلاپ نے تلنگانہ کے بعض "تعلقات" کے بندوبست کا کام انجام دیا۔ اور اس کی مفصل رپورٹ بغرض منظوری نواب سر آسمان جاہ کی خدمت میں پیش کی، نواب ممدوح نے اس رپورٹ پر غور کرنے کے لئے ایک جنرل کمیٹی تجویز کی جس میں بڑے بڑے واقف کار اور معاملہ فہم عہدہ دار مثل نواب محسن الملک بہادر اور مسٹر فریدون جی جمشید جی وغیرہ کے بطور ارکان شریک تھے۔ نواب

انتصار جنگ اس کمیٹی کے معتمد (سکرٹری) مقرر ہوئے۔

تلنگانہ کے متعدد زمیندار، پٹیل اور پٹواری بھی اس غرض سے طلب کئے گئے اور متعدد مرتبہ کمیٹی نے ان کو اپنے سامنے بلا کر زیر بحث مسائل کے متعلق اُن سے گفتگو کی۔ بقول نواب انتصار جنگ یہ ایسے لوگ تھے

"جن کے ہر رگ و پے میں تلنگانہ کی کاشت اور اس کے مصارف اور منافع کا تجربہ بچپن سے سرایت کئے ہوئے تھا اور جن پر خود اس انتظام کا جو آیندہ ہونے والا تھا اثر پہنچتا تھا۔"

اس کمیٹی نے ۱۱ اجلاس مختلف اوقات میں کئے اور بعد غور و مباحثہ تشخیص جمع وغیرہ کے متعلق بہت سے امور طے کئے جو ریاست کے لئے درحقیقت نہایت مفید ہیں اور اصلاحات کے سلسلہ میں داخل ہیں۔ نواب انتصار جنگ نے ان تمام فیصل شدہ معاملات کو ایک سرکاری مراسلہ کے طور پر مسٹر ڈنلاپ کے پاس بھیجا۔ چونکہ اس طویل مراسلہ میں مقامی معاملات اور بندوبست کی غیر دلچسپ جزئیات سے بحث کی گئی ہے اور جابجا مخصوص اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے اس لئے ہم اس کو نظرانداز کرتے ہیں۔ البتہ اس مراسلہ کے آخری حصے کا ایک ٹکڑا نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کے متعلق اُن کے جذبات کیسے معتدل اور شریفانہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"آخر میں اس قدر اور کہنا ضرور ہے کہ تلنگانہ علاقہ میں یہ پہلا بندوبست ہے اور گو کہ کیسی ہی احتیاط سے اس کو کیوں نہ اختیار کیا جائے، اور گو کہ بڑے بڑے تجربہ کار افسروں نے اس وقت اس کی منظوری کے لئے سفارش کی ہے لیکن تاہم ابھی یہ صرف ایک امتحان ہے اور اس لئے اگر کسی خاص موقع اور خاص مقدمہ میں مقامی عہدہ داروں کو یہ معلوم ہو کہ مجوزہ دھاروں کے لحاظ سے وہاں سختی ہوگئی ہے تو

ان کو لازم ہوگا کہ اس کی رپورٹ سلسلہ بسلسلہ سرکار تک بھیجیں اور اگرچہ نرمی میں غالباً ایسا کوئی موقع کمتر ہی پیش آئے گا لیکن خشکی کے اراضیات کی نسبت ممکن ہو کہ ایسے مواقع پیش آئیں۔ یہ صدائے شکایت ہمارے سررشتہ بندوبست کی نسبت ابتدا سے کانوں میں چلی آتی ہو کہ بندوبست سے اعلیٰ زمینوں کے دہاروں میں جس طرح نرمی ہوجاتی ہو اسی طرح ادنیٰ درجہ کی زمینوں کے دہاروں میں سختی ہوجاتی ہو۔ پس سرکار کو تیار رہنا چاہیئے کہ اگر کسی موقع پر کوئی ناقابل برداشت سختی رعایا کے حق میں ہوگئی ہو تو وہ رفع کردی جائے۔ لیکن اگر معلوم ہو کہ سختی جو ہوگئی ہو وہ رعایا کے حق میں مفید ہو تو اس میں کسی ترمیم کا موقع نہ ہوگا۔ کیونکہ سرکار کو جہاں تک اپنے نقصان سے تعلق ہو اپنے معاہدہ پر قائم رہنا بلا لحاظ ایسے کسی نقصان کے ضرور ہو اور اگرچہ عام قاعدہ کے بموجب رعایا بھی میعاد بندوبست تک معاہدہ کی اسی طرح پابند ہو جس طرح سرکار، لیکن مالگزاری کا انتظام جس کی تمام تر کامیابی صرف رعایا کی مرفہ الحالی پر منحصر ہو ایک خاص قسم کا انتظام ہو اور اس لئے رعایا کے حق میں سرکار کی طرف سے کسی خاص رعایت کی پالیسی ہمیشہ ایک عمدہ سے عمدہ پالیسی سمجھی جاتی ہو اور نواب سر آسمان جاہ بہادر مدارالمہام سرکار عالی کو ہر طرح امید ہو کہ سرکار عالی کے تمام عہدہ داران صیغہ مالگزاری سرکار کے اس عمدہ پالیسی کو ہمیشہ مدنظر رکھیں گے۔"

کورٹ آف وارڈس کی اصلاح

نواب انتصار جنگ کی نظر ہمیشہ سے ایسے معاملات پر رہتی تھی جن سے رعایا کے آرام و آسائش میں ترقی ہو اور ان میں حکومت کے متعلق وفاداری کے جذبات پیدا ہوں۔ وہ ریاست کے معمولی مالی فائدہ کے مقابلہ میں رعایا کی وفاداری کو حکومت کے لئے زیادہ سودمند اور قیمتی سمجھتے تھے اور جب کوئی ایسا موقع ہاتھ آتا تھا تو اس کو ضائع

نہیں کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے زمانہ معتمدی میں نواب مدارالمہام کو مشورہ دے کر حسب ذیل حکم جاری کرایا۔

"قدیم وقتوں سے یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ جو جاگیرات وغیرہ اہل معاش کی نابالغی یا فاترالعقلی کی وجہ سے سرکار کے زیر اہتمام ہیں اُن کے محاصل سے فی روپیہ ایک آنہ و نیم آنہ سرکار میں جمع ہوتا ہے اور یہ رقم مدات آمدنی مالگزاری کے ساتھ ایک مد شاہی آمدنی کی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اس قسم کے نابالغوں وغیرہ کی حفاظت اور اُن کی جائدادوں کا انتظام حقیقت میں خلیفہ کا خود ایک فرض ہے، اور خصوصاً جب کہ حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی کو اپنے ملک کے ہر ایک یتیم و نابالغ اور لاوارث و فاترالعقل اشخاص کی نسبت پدرانہ اور مادرانہ اور شاہانہ شفقت مبذول ہے تو اب اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی جزرسی سے سرکار عالی اپنے خزانہ کو ترقی دے۔ لہٰذا مدارالمہام سرکار عالی نے مذکورۂ بالا آمدنی کو شاہی آمدنی کی مد سے بالکل خارج کردیا ہے اور ہوم سکرٹری کو جن کے دفتر سے کورٹ آف وارڈس کا انتظام متعلق ہے۔ ایما فرمایا ہے کہ جائدادہائے تحت کورٹ آف وارڈس سے صرف اس قدر روپیہ لیا جائے جس قدر کہ فی نفسہٖ اُن جائدادوں اور اُن علاقوں کے انتظام اور اُن نابالغوں وغیرہ کی تعلیم و تربیت و حفظ صحت اور اُن کے کارخانوں کی درستی اور ترقی کے لئے درکار ہے اور سرکاری موجودہ عہدہ داران مال گزاری کا وقت جو اُن جائدادوں کے انتظام اور تحصیل محاصل وغیرہ میں صرف ہوگا جس کے معاوضہ میں ایک و نیم آنہ کی رقم سرکار میں جمع ہوتی تھی اُس کا مطلق کوئی معاوضہ سرکار میں نہ لیا جائے گا، مال گزاری کے عہدہ داروں اور سرکار کے دیگر افسروں کی محنت اور توجہ سے

نابالغ وغیرہ کی جائداد ہائے زیر اہتمام سرکار کی نسبت اگر کوئی عمدہ نتیجہ پیدا ہو تو وہ خود سرکار کے لئے سب سے اعلیٰ معاوضہ اپنے افسروں کی اس محنت اور اور صرف زر کا ہوگا ۔۔۔۔،،

درخت نصب کرنے کے متعلق مفید احکام

ریاست میں یہ قاعدہ تھا کہ رعایا جو درخت باغ کے سلسلہ میں نصب کرتی تھی۔ دس برس بعد اس پر سرکاری محصول قائم ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے رعایا کو درختوں کے لگانے اور باغ تیار کرنے کے متعلق کوئی رغبت نہ تھی، نواب انتصار جنگ نے اس قاعدہ کو منسوخ کرایا اور حسب ذیل احکام جاری کئے۔

(۱) جملہ پٹہ داران اراضی کو جو سرکار کو محصول ادا کرتے ہیں اور جملہ انعام داروں کو جن کی معاش بحال کی گئی ہے اختیار رہوگا کہ بلا مزاحمت احدی ہر قسم کے درخت بہ استثنائے سیندھی و تاڑ و گل مہوہ اپنی اراضی میں بعد حاصل کرنے کسی خاص منظوری کے لگائیں۔

(۲) جملہ درخت جو قابضان اراضی نے لگائے ہیں اُس کا ثمرہ اُن کی ملک ہوگا اور بجز معمولی محصول اراضی کے کوئی محصول درخت ہائے مذکور پر نہیں لیا جائے گا۔

(۳) جو لوگ اراضی بنجر میں درخت لگانا چاہیں اُن کو لازم ہوگا کہ بموجب دستور العمل بنجر عطائے زمین کے لئے درخواست کریں۔ اس وقت ان کو بموجب قواعد زمین اس طور پر عطا کی جائے گی گویا کہ وہ زراعت کے لئے طلب کی گئی ہے اور سوائے ادائے محصول اراضی کے اور کوئی محصول بابت اُن درختوں کے نہیں لیا جائے گا۔

(۴) جو اشخاص کہ سیندھی یا تاڑ یا گل مہوہ کے درخت لگانا چاہیں تو اُن کو

ضرور ہوگا کہ تعلقہ دار صاحب ضلع کی اجازت لیں اور تعلقہ دار بمنظوری صوبہ دار بغرض حفاظت حقوق صیغۂ آبکاری سرکار اُن پر ایک محصول لگائیں گے۔

(۵) جو درخت کہ بلا مزاحمت احدی یا اراضی آبادی میں یا دیول یا دھرمسالہ میں یا آس پاس لگائیں گے، اُن درختوں پر کوئی رقم یا محصول نہیں لیا جائے گا۔"

تربیت اطفال لاوارث

نواب انتصار جنگ نے اپنے زمانہ صوبہ داری میں ضلع ورنگل میں لاوارث بچوں کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، لیکن دوسرے اضلاع میں اس قسم کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حالانکہ لاوارث اور مصیبت زدہ بچے ہر جگہ پائے جاتے تھے۔ چونکہ لاوارث بچوں پر نواب انتصار جنگ کی شفقت کا حال نواب سر آسمان جاہ کو معلوم تھا اس لئے انھوں نے ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ میں یہ خدمت بھی اُن کے متعلق کی۔ اس حکم کے بعض فقرے حسب ذیل ہیں :-

"آپ نے زمانہ صوبہ داری صوبہ شرقی میں نہایت پرجوش اور موثر الفاظ میں سرکار کو اس بات کا یقین دلایا کہ ایسے اشخاص کا جو پرورش کی صلاحیت رکھتے ہوں ملنا قریب ناممکن کے ہے اور آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایسی صورت میں سرکار کا یہ اخلاق نہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان ننھے ننھے معصوم بچوں کی طرف سے اپنا دل اس قدر سخت کرے کہ اُن کے مایحتاج سے بھی اُن کے ساتھ مضائقہ کرنے لگے جس سے انسان کی شرافت اس سے ہمیشہ کے لئے چھن جائے، چنانچہ سرکار نے آپ کی تجویز منظور فرمائی۔

اصل یہ ہے کہ ابھی ملک کی عام طبائع ان بچوں کے لئے پُر ترحم اور فیاض نہیں ہیں۔ پس جب تک نہایت مضبوطی اور استقلال کے ساتھ ان معصوموں کی حفاظت نہ کی جائے، اُن کے حقوق سے سرکار بری نہیں ہوسکتی، اس لئے بلحاظ آپ کی ذاتی فیلنگ اور فطرتی خواہش کے جو آپ کو ہمیشہ سے ان معصوم بچوں کے ساتھ رہی ہے، سرکار ارشاد فرماتے ہیں کہ پرورش اطفال لاوارث کا پورا تعلق آپ سے کردیا جائے، عدالت ہائے فوج داری کے زیرنگرانی یہ اطفال اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ اس اشتہار کی میعاد ختم نہ ہوجائے جو اولیاء کی حاضری کے لئے بلاتعویق جاری ہوگا، اس کے بعد ہر ایک عدالت سے براہ راست اس کی اطلاع آپ کو دی جائیگی اور جو حکم آپ دیں گے بموجب اس کے تعمیل ہوگی۔"

طب یونانی کا باقاعدہ انتظام

حیدرآباد میں طب یونانی کا سرکاری طور پر کوئی انتظام نہ تھا، ڈاکٹری تعلیم کے لئے البتہ ایک اسکول[1] قائم تھا اور متعدد ڈاکٹر سرکار کے ملازم تھے، نواب انتصار جنگ اگرچہ ڈاکٹری علاج کے خلاف کوئی تعصب نہیں رکھتے تھے، تاہم وہ یونانی علاج کے بھی معترف

---

[1] ۱۸۵۵ء میں نواب ناصرالدولہ آصف جاہ رابع علیل ہوئے، حرقت بول کی شکایت تھی، یونانی علاج کیا، مگر فائدہ نہ ہوا، اتفاق سے ایک دن فریزر صاحب رزیڈنٹ دربار میں حاضر ہوئے اور کیفیت مزاج دریافت کی نواب ممدوح نے علالت مزاج کا ذکر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ ہم نے ڈاکٹری علاج کی بہت تعریف سنی ہے۔ رزیڈنٹ نے کہا کہ اگر ارشاد ہو تو ڈاکٹر حاضر کیا جائے، نواب صاحب نے فرمایا کہ اس شرط پر علاج کرونگا کہ ڈاکٹر کھانے پینے کی دوا کا استعمال نہ کرے، صرف بیرونی علاج کیا جائے۔ جس طرح کہ حکیم علوی خاں نے نادرشاہ کے دردسر کا علاج کیا تھا، غرض فریزر صاحب نے ڈاکٹر میکلین رزیڈنسی سرجن کو پیش کیا، انھوں نے صرف غذا کا خاص انتظام کیا ۳ مہینے میں مرض جاتا رہا۔ اور نواب ممدوح نے خوش ہوکر ریاست میں ڈاکٹری مدرسہ کھولنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حیدرآباد میڈیکل اسکول، قائم ہوا، اور اسی زمانہ سے ڈاکٹری کا رواج ہوگیا۔

تھے، اور اس کو ہندوستانی طبائع کے مناسب سمجھتے تھے۔ حسن اتفاق سے اسی زمانے میں اہل شہر نے جن میں ہر درجہ اور طبقہ کے لوگ شامل تھے ایک عرضی پیش کر کے یہ خواہش کی کہ سرکاری طور پر یونانی مطب قائم کیا جائے اور یونانی اطبا رعایا کے علاج کے لئے مقرر کئے جائیں۔ اس درخواست کی نواب انتصار جنگ نے پورے زور سے تائید کی آخر کار مدار المہام نے اعلیٰ حضرت کی منظوری حاصل کر کے پہلے سال کے لئے دو ہزار ماہوار منظور کیا۔ اور ۱۸۹۱ء میں تین یونانی مطب اور ایک یونانی مدرسہ بلدہ میں جاری کیا۔

انتظام کے لئے ایک مجلس بنام "مجلس انتظام مطب یونانی" قائم کی گئی جس کے ۱۵ ارکان تھے۔ اور حکیم الحکما نواب محی الدولہ بہادر میر مجلس تجویز کئے گئے تھے، اور امروہہ کے مشہور طبیب حکیم سید احمد سعید صاحب افسر الاطبا قرار پائے۔

چونکہ یونانی مطب قائم کرنے کے بظاہر یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ ڈاکٹری طریقۂ علاج پر حکومت کو اعتماد نہیں ہے اس لئے جو احکام جاری کئے گئے اُن میں یہ شبہ رفع کر دیا گیا اور صراحت کے ساتھ لکھا گیا کہ:-

"سرکار عالی کو اپنے موجودہ سررشتۂ طبابت پر جو انگریزی قسم کا ہے کافی اطمینان اور بھروسا ہے اور اس میں بھی کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اکثر مواقع پر اطبائے یونانی خود بھی اسی کو مناسب سمجھتے ہیں کہ انھیں شفاخانوں کی طرف رجوع کیا جائے جس کے فوائد ظاہر و باہر ہیں۔ لیکن چونکہ رعایا کا ایک گروہ کثیر جن میں بہت قدیم خاندانوں کے لوگ شامل ہیں اور خصوصاً مستورات اب تک یونانی قسم کے معالجات کی خوگر ہیں اور عمدہ طریقۂ علاج یونانی کے موجود نہ ہونے کی حالت میں وہ کم استعداد اطبا اور خراب ادویہ کے استعمال پر مجبور ہو جاتی ہیں لہذا انتظام ذیل عمل میں آتا ہے۔"

اس کے بعد انتظام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مثلاً

(۱) ہر مطب کے ساتھ دواخانہ ہو، جہاں سے صاحب استطاعت لوگوں کو بہ قیمت اور غربا کو مفت دوا دی جائے۔

(۲) لاوارث اور محتاج مریضوں کے لئے زمانہ علاج تک قیام و طعام اور آسائش و تیمارداری کا انتظام کیا جائے۔

(۳) متعدی امراض کے مریضوں کے لئے بیرون آبادی قیام و علاج کا انتظام

(۴) دوا فروشی کی دکانات کا انتظام تاکہ خراب دوا نہ فروخت ہو۔

(۵) آیندہ صرف وہی طبیب علاج کریں، جو صلاحیت و قابلیت رکھتے ہوں اور جن کو مجلس علاج کرنے کی اجازت دے۔"

اصلاح صیغۂ ملازمت

عام ملازمین اور عہدہ داروں کی ترقی و فلاح اور تہذیب و اصلاح

سرکاری ملازمین اور عہدہ داروں کے ساتھ نواب انتصار جنگ کا طرزِ عمل دیانت و اعتدال پر مبنی تھا، قابل متدین اور نیک طینت عہدہ داروں کی وہ قدر کرتے تھے، برخلاف اس کے نالائق بد اطوار اور سخت گیر لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور باوجود نرم مزاجی اور نیک نفسی کے اُن کی تنبیہ و تہدید میں کبھی تامل نہیں کرتے تھے۔ جس طرح رعایا اُن سے خوش تھی اسی طرح سرکاری ملازمین کو بھی اُن پر اعتماد تھا کہ وہ اُن کے حقوق کی حفاظت کرینگے، اور اُن کی کارگزاری کو نظر انداز نہ کرینگے۔ اور اُن کا خیال غلط نہ تھا۔ کارگزار ملازمین سرکار کو جب کبھی اُن کی ماتحتی میں کام کرنے کا موقع ملتا تھا تو وہ خوش ہوتے تھے کہ اب اُن کی قدر شناسی ہوگی اور وہ اپنی محنت کا صلہ پائینگے برخلاف اس کے جب نا اہل لوگوں کو اُن کی ماتحتی کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا تھا تو وہ لرزہ براندام رہتے کہ اب اُن کی خیر نہیں چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بہت سے لوگ اُن کی قدر شناسی اور حوصلہ افزائی کی بدولت معمولی درجہ کی محرری یا کسی ادنیٰ عہدہ سے ترقی کر کے بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے، اور بہت سے نالائق و بد اطوار عہدہ دار جو کسی ناجائز تدبیر یا حیلہ سے ان عہدوں پر پہنچ گئے تھے معطل یا برخاست کیئے گئے۔

معتمدی کے زمانہ میں بہت سے سرکاری محکمے اور صیغے نواب انتصار جنگ کی نگرانی میں تھے اور اُن کو کافی اقتدار حاصل تھا، اس لیئے دفاتر کی اصلاح و تہذیب اور ملازمین کی ترقی و قدر شناسی کا اُن کو پورا موقع ملا، لیکن یہاں تمام جزئیات کا استقصا ناممکن ہے مثلاً چند واقعات بیان کیئے جاتے ہیں۔

تخفیف یافتہ ملازمین کا انتظام

انتظامی تغیرات کے سلسلہ میں مختلف محکموں کے بہت سے ملازمین تخفیف میں آ گئے تھے جو پریشان پھرتے تھے، البتہ جن کو کسی قسم کا رسوخ یا ذریعہ سفارش حاصل تھا وہ کسی دوسرے محکمہ یا صیغہ میں داخل ہو گئے، لیکن عام ملازمین جن کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی تھی سخت مصیبت میں مبتلا تھے۔ نہ تو اُن کو تنخواہ ملتی تھی نہ کسی قسم کا وظیفہ یا انعام، ان لوگوں کی وجہ سے ایک عام پریشانی پھیلی ہوئی تھی، اور نواب انتصار جنگ کے مکان پر ان کا ہجوم رہتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر نواب سر آسمان جاہ کو اس طرف متوجہ کیا چنانچہ جو لوگ خدمت کے قابل نہ تھے اُن کو وظیفہ یا انعام دیا گیا، اور جو ملازمت کر سکتے تھے اُن کو تاریخ تخفیف سے مناسب تنخواہ دی گئی اور یہ حکم جاری کیا گیا کہ :-

"جس وقت جو جگہ خالی ہو اس پر اُن میں سے اپنے درجہ اور قابلیت کے لحاظ سے تقرر کیا جائے"۔

بلکہ یہاں تک تاکید کی گئی کہ :-

"کوئی نیا شخص کسی چھوٹی سی جگہ پر بھی بغیر نواب مدار المہام کی خاص منظوری کے اس وقت تک مقرر نہ کیا جب تک مذکورۂ بالا تخفیف یافتہ لوگ سب مقرر نہ ہو جائیں"۔

اِن احکام کی پوری تعمیل کی گئی، یہاں تک کہ جن تخفیف یافتہ لوگوں کا انتقال ہو گیا تھا اُن کے اعزہ واقارب کو اس شرط پر ملازمت دی گئی کہ وہ متوفی کے کنبہ کی بھی مناسب امداد کرینگے۔

نواب انتصار جنگ کا یہ کارنامہ اس قدر شہرت پذیر ہوا کہ اُن کے عدل و انصاف اور رحم و شفقت کی داستانیں گھر گھر پھیل گئیں اور کسی موزوں طبع تخفیف یافتہ نے ایک نظم بھی لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

تخفیف یافتوں کی تو مٹی خراب تھی
کرتے مدد نہ اُن کی اگر انتصار جنگ

اِس قسم کی نظمیں اگرچہ شاعرانہ حیثیت سے کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتیں لیکن ان سے پبلک کے عام جذبات و خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا کہ بعض اوقات جب عدل و انصاف یا ظلم و ستم کے غیر معمولی واقعات پیش آتے ہیں تو عام جذبات میں خود بخود ایک جنبش پیدا ہوتی ہے اور موزوں طبع اشخاص اسی طریقہ سے شکر و شکایت کا اظہار کرتے ہیں۔

عہدہ داران مال کی تنخواہ میں اضافہ

نواب انتصار جنگ نے معتمدی عدالت اور صوبہ داری کے زمانہ میں بھی سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں اضافہ کرایا تھا۔ اب معتمد مال گزاری مقرر ہونے پر اُنھوں نے بلا تاخیر عہدہ داران مال کے اضافہ تنخواہ پر توجہ کی اور جدید موازنہ میں نائب تحصیلداروں سے لے کر تعلقہ داروں تک سب کی تنخواہ میں معقول اضافہ کرایا، اور جملہ عہدہ داروں کی تنخواہ کا گریڈ مقرر کر دیا، مثلاً اوّل تعلقہ داروں کے ۳ درجہ قایم کیئے گئے درجہ اول کی تنخواہ ایک ہزار دو سو درجۂ دوم کی ایک ہزار درجہ سوم کی آٹھ سو مقرر کی گئی، اور اوّل تعلقہ داروں کی تنخواہ میں سے چھ سو روپیہ کا درجہ بالکل اڑا دیا گیا، اسی طرح دوم و سوم تعلقہ دار اور تحصیلداروں کے درجے قایم کیئے گئے، مثلاً پہلے جن تحصیلداروں کی تنخواہ اسّی یا سو ہوتی تھی اب ایک سو پچیس قرار دی گئی اور درجہ اول کے تحصیلدار کی تنخواہ ایک سو پچھتر رکھی گئی۔ جو احکام اس سلسلہ میں جاری کئے اُس میں اُنھوں نے یہ بتایا کہ:۔

"سرکار عالی کا منشاء یہ ہے کہ جہاں تنخواہوں کی حالت اس وقت بالکل ہی عہدوں کے مناسب حال نہیں ہے اس کو فوراً درست کرکے باقی اور ترقیاں احتیاط اور اطمینان کے ساتھ جاری کی جائیں اور صرف اُن عہدہ داروں کو یہ ترقیاں ملیں جنھوں نے بلحاظ اپنی عمدہ کارگزاریوں اور اپنی عام نیکنامی کے اپنے کو ترقی کا مستحق ثابت کیا ہو اور البتہ اس تجویز کے وقت جہاں تک بغیر ضائع کرنے اس نہایت واجبی اُصول کے کہ اُن خدمات کی سب سے زیادہ قدر شناسی ہو جو رعایا اور سرکار دونوں کے حق میں عمدگی اور ایمانداری کے ساتھ عمل میں

آئی ہوں، قدامت پر بھی ضرور لحاظ کیا جائیگا۔

پس نواب مدار المہام سرکار عالی فرماتے ہیں کہ تمام وہ اول تعلقہ دار جو اس وقت آٹھ سو روپیہ سے کم تنخواہ پاتے ہیں شروع فروردی ۱۲۹۶ف سے آٹھ سو روپیہ تنخواہ پانے لگینگے، اور ڈھائی سو روپیہ سے کم ماہوار پانے والے سوم تعلقہ دار دوئم کی ترقی ڈھائی سو روپیہ پر ہو جائے گی ......"

چنانچہ ان احکام کے مطابق متعدد تعلقہ داروں کو بلا تاخیر ترقیاں دی گئیں، اس کے علاوہ کام کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیئے تعلقہ داروں کی تعداد میں بھی اضافہ کیا گیا۔ ایک اور رعایت یہ کی گئی کہ اول تعلقہ داروں کے لیئے بحالت دورہ بجائے پانچ روپیہ روزکے آٹھ روپیہ بھتہ تجویز کیا گیا۔

اہل ملک کی ترقی کا خیال

حیدرآباد میں ملکی اور غیر ملکی کا جھگڑا سر سالار جنگ اول کے عہد سے در پیش ہے۔ اُنھوں نے شمالی ہند سے متعدد قابل اور تجربہ کار لوگوں کو بلا کر بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا، ان عہدہ داروں کی وجہ سے عام دفاتر میں بھی کچھ ہندوستانی پہنچ گئے، یہ حالت اہل ملک کو قدرتاً ناگوار تھی، وہ خیال کرتے تھے کہ باہر والوں کے آنے سے اُن کی حق تلفی ہو رہی ہے، حالانکہ اُن کا یہ خیال صحیح نہ تھا، واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ تک اہل دکن نے تعلیم و تجربہ کے لحاظ سے اس درجہ ترقی نہیں کی تھی کہ بڑے بڑے عہدوں کا کام سنبھال سکیں، باہر سے جو لوگ گئے وہ انگریزی طرز حکومت کا تجربہ رکھتے تھے، اُنھوں نے حیدرآباد پہنچکر جدید انتظامات کی بنیاد رکھی، ملک کے قدرتی وسائل کو ترقی دی عمدہ عمدہ قوانین بنائے، رعایا کی راحت و آسایش کے اسباب فراہم کیئے، غرض ہر حیثیت سے اُن کا وجود ملک اور اہل ملک کے لیئے مفید ثابت ہوا، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ان بڑے عہدہ داروں میں بعض ایسے بھی تھے جو اہل ملک کے مقابلہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے، لیکن نواب انتصار جنگ کی ذات اس قسم کی جانبداری سے بالاتر تھی۔

نواب انتصار جنگ نے اپنے کامل اقتدار کے زمانہ میں بھی جب کہ اعلیٰ حضرت نظام اور مدار المہام کا پورا اعتماد اُن کو حاصل تھا یہ جائز نہیں رکھا کہ اہل ملک کے مقابلہ میں باہر والوں کو

ترجیح دیں، بلکہ اُنھوں نے یہ کوشش کی کہ اہلِ ملک انتظامی قابلیت وصلاحیت حاصل کریں تاکہ اپنے حقوق سے مستفید ہوں، متعدد واقعات سے یہ بتایا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے مختلف مواقع پر کس طرح اہلِ ملک کو فائدہ پہونچایا، لیکن یہ بہتر ہوگا کہ خود ایک حیدرآبادی عہدہ دار کی شہادت اس کے متعلق پیش کر دی جاوے۔

ایک صاحب جو ضلع نلدرگ میں سوم تعلقہ دار تھے، ایک خط میں نواب انتصار جنگ کو لکھتے ہیں:۔

عالی جناب! یہ تو آپ پر اظہر من الشمس ہے۔ جیسے خیالات حیدرآبادیوں کے ہندوستانیوں کی نسبت تھے مگر الحمد للہ کہ آپ کی انصاف پسندی نے یہ بات ثابت کر دی کہ آپ لاثانی خیرخواہ ملکیوں کے ہیں، عالی جناب آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ پہلے تو ملکیوں کا انتخاب تعلقہ داری کے واسطے ہوتا ہی نہ تھا اور اگر کہیں مجبوراً یا مصلحتاً کیا بھی گیا تو ایسا اور ایسے لوگوں کا جس سے منتخبین کی نیت میں یہ امر مکنون تھا کہ غیر ملکیوں کے مقابلہ میں ملکیوں کو نالائق ثابت کر دیں۔

ہرچند یہ معروضہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر آپ کی انصاف پسندی کی وجہ سے بے ساختہ مجکو ایسے الفاظ لکھنے کی جراءت ہوئی آپکے زمانہ کے انتخاب سے ملکیوں کو اپنی فلاح وبہبودی کا اتنا ہی یقین ہے جیسا کہ رات کے بعد دن نکلنے کا، چنانچہ مسٹر فرامجی جمشید جی اول تعلقہ دار ضلع کھمم اور مولوی عبدالقادر اول تعلقہ دار نلدرگ اور مولوی سیف الدین اول تعلقہ دار ضلع ناگر کرنول ان تینوں صاحبوں کا عمدہ انتخاب آپ کی بیدار مغزی اور ملکیوں کی خیرطلبی اور خیرخواہی سرکار کی ایک اعلیٰ درجہ کی نظیر ہے۔"

ایک تعلقہ دار کی معطلی

جس طرح وہ سرکاری ملازمین کی قدر شناسی کرتے تھے اسی طرح اُن کی غلط کاریوں پر گرفت بھی کرتے تھے، ایسے موقع پر کوئی چیز اُن کو احتساب سے نہیں روک سکتی تھی نہ کسی کی

سفارش کام آتی تھی۔ ایک دفعہ ایک دوم تعلقہ دار نے محض رعایا کے ستانے کے لیے پیمائش کے معاملہ میں ایک ناجائز کارروائی کی اور تعلقہ دار کے اعتراض پر انکار کر دیا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ تحقیقات کرنے پر غلط بیانی ثابت ہو گئی۔ نواب انتصار جنگ نے تعلقہ دار کو معطل کر دیا اور لکھا کہ :۔

"ایک ایسے درجہ کا افسر جب کہ ارتکاب قصور کے بعد غلط بیانی میں بھی اس قدر بے باک ہو، کسی طرح اس قابل نہیں ہو سکتا کہ رعایا کے حقوق اور سرکاری مقاصد اس کی حفاظت میں چھوڑ دیئے جائیں۔ سرکار عالی اب ایسے عہدہ داروں اور ملازموں سے جو رعایا کے حق میں درندہ جانوروں کی سی خصلت ظاہر کریں اور سرکار کے ساتھ اس قسم کی بے اعتنائی برتیں اپنے انتظام کو پاک وصاف کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا سید .... کو فوراً ان کی خدمت سے معطل کر دیا جائے"

ایک نائب تحصیلدار پر عتاب ۱۳۰۶ھ میں ایک نائب تحصیلدار کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"محمد .... خاں نائب تحصیلدار بٹی امرآباد کے ذمہ علاوہ اور چند قسم کی بے اعتدالیوں کے یہ الزام بھی ثابت ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے علاقہ کے لوگوں سے روپیہ قرض لیا اور اس کا نام قرض حسنہ رکھا، اور جب قرض حسنہ کی تشریح ان سے دریافت کی گئی تو کہا کہ میری مراد بلا سودی قرض سے تھی۔ بلا اجازت سرکار اپنے علاقہ میں قرض لینا اور وہ بھی از نام قرض حسنہ یا بلا سود سخت الزام کی بات ہے لہٰذا .... کی موقوفی خدمت نائب تحصیلداری سے عمل میں آئی ہے"

ایک دوم تعلقہ دار کی کارگزاری پر مبارک امیر محمد خاں دوم تعلقہ دار ضلع الگندل نے اپنے مستقر جگتیال کی ترقی میں خاص طور پر کوشش کی۔ وہاں کے ویران قلعہ کو آباد کیا، زراعت اور صنعت کو جو برباد ہو چکی تھی ترقی دی، جگتیال کی پیداوار اور مصنوعات کی ایک عمدہ نمایش قایم کی جہاں بہت سے عمدہ عمدہ نمونے پیش ہوئے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شکایت بھی مدار المہام کے

سامنے پیش ہوئی کہ رعایا پر تشدد کیا گیا، رعایا کو پوری مزدوری اور مال کی مناسب قیمت نہیں ملی چنانچہ تحقیقات کا حکم دیا گیا، اور جو رپورٹ اس واقعہ کے متعلق ضلع سے آئی تھی اُس کے جواب میں مدار المہام کی طرف سے نواب انتصار جنگ نے لکھا کہ :-

"جو کام ملکی صنائع اور پیداوار کی ترقی کی نسبت جگتیال میں انھوں نے جاری کیئے وہ اس قابل تھے کہ سرکار خوشنودی بلکہ شکر گزاری کے ساتھ اُن کو دیکھتی لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہوتا جب معلوم ہوتا کہ رعایا پر اس کی وجہ سے کوئی ناواجب سختی نہیں ہوئی حالانکہ جو شکایتیں سرکار کے سامنے اس وقت پیش ہیں وہ یہ ہیں کہ رعایا پر اُن کی وجہ سے سختی ہوئی، اور اس لیئے ابھی کوئی لفظ ان مذکورہ بالا کاموں کی نسبت سرکار کی طرف سے یہاں نہیں لکھا جا سکتا۔

بہت بڑے بڑے عالی شان کام اس وقت زمین کے پردہ پر ایسے ہیں جو تعجب کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ان کے بانیوں کی عظمت اور ناموری صرف اس لیئے برباد ہو گئی کہ تاریخ بتلاتی ہے کہ اُن کے قائم کرنے میں رعایا پر ناواجب سختی ہوئی تھی تا بہ ایں چند ترقیات جگتیال چہ رسد"

عہدہ داروں کو ایک عام تنبیہ

اکثر با اختیار عہدہ دار، رعایا اور اہل غرض کے ساتھ جس استغنا اور نازک مزاجی کا برتاؤ کرتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں نواب انتصار جنگ عہدہ داروں کی اس بد دماغی کو جائز نہیں رکھتے تھے چنانچہ اُنھوں نے ایک مفصل حکم جاری کیا جس میں من جملہ اور امور کے یہ بھی لکھا :-

"کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی جاہل شخص ایک ہی مضمون کی عرضی بار بار پیش کرتا ہے جس سے خواہ نخواہ ایک قسم کی برہمی افسروں کے مزاج میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن نواب مدار المہام سرکار عالی بتاکید ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے وقتوں میں بھی ہمارے افسروں کو ضرور ہے کہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھیں اور اگر وہ عرائض واپسی کی قابل

ہیں تو بہ ثبت شرح واپس کریں۔

حاصل یہ ہے کہ سرکاری محکموں کے لیئے یہ آواز کہ کسی مستغیث کی کوئی عرضی بلا ثبت حکم واپس ہوئی، بہت ہی معیوب اور شرم کی بات ہے۔ اس سے کامل طور سے بچنا چاہیئے اور اگر باایں ہمہ معلوم ہوگا کہ کسی افسر نے محض اپنی کاہلی یا غصہ سے کسی عرضی کو بلاثبت شرح واپس کیا ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس بے محل کاہلی اور بیجا غصہ کا نتیجہ خود اسی افسر کے حق میں مفید نہ ہوگا۔"

سیاسی معاملات

نواب انتصار جنگ کو اپنی ملازمت کے آخری دور میں ریاست کے پولیٹکل معاملات میں مداخلت کا زیادہ موقع ملا۔ تمام اہم معاملات جو نواب سر آسماں جاہ کے عہد میں پیش آئے سب میں اُن کا حصہ تھا۔ اس زمانہ میں اُن کے فرایض نہایت اہم تھے۔ وہ مدار المہام کی طرف سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جا کر مہمات ملکی پر گفتگو کرتے تھے۔ رزیڈنٹ سے سیاسی و انتظامی معاملات پر تبادلہ خیالات کرنے کے لیئے بھی وہی بھیجے جاتے تھے۔ مدار المہام جو عرایض اور یادداشتیں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تھے، وہ زیادہ تر اُنہی کے دست و قلم کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں، اُن کا ایک نازک فرض یہ بھی تھا کہ اعلیٰ حضرت، مدار المہام، اور رزیڈنٹ کے مابین تعلقات کو عمدہ حالت میں قایم رکھیں۔ اس خدمت کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کا اعتراف خود ایک رزیڈنٹ نے بھی کیا ہے۔ ان سب فرایض کے علاوہ ایک بڑا کام اُن حملوں کی مدافعت تھی جو مختلف پارٹیوں کی طرف سے برابر ہوا کرتے تھے، غرض اس دور ملازمت میں اُن کو مسلسل حیدرآباد کی اندرونی و بیرونی پالٹکس میں مبتلا رہنا پڑا۔ اسی زمانہ میں بعض اہم معاملات ایسے بھی پیش آئے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے تو سیاسی نہ تھے لیکن اُن میں اس قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں کہ آخر میں اُن کی حیثیت سیاسی ہوگئی۔ لیکن جیسا کہ

اوپر ایک موقع پر بتایا گیا ہے۔ مختلف وجوہ سے یہ تمام واقعات بیان نہیں کیے جا سکتے۔ تمثیلاً چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سردار دلیر جنگ کی ریلوے اسکیم سے اختلاف

مملکت آصفیہ میں یکم فروری ۱۸۷۰ء سے ریلوے کی تعمیر کا آغاز ہوا، گلبرگہ سے واڑی تک جی، آئی، پی کی ریلوے لائن پہلے سے موجود تھی۔ جدید ریلوے لائن کا انتظام بھی اسی کمپنی کے متعلق کیا گیا، چنانچہ واڑی سے سکندرآباد تک ۱۲۱ میل طویل ریلوے لائن تیار کرائی گئی یہ لائن کمپنی نے اپنے صرف سے تیار کرائی جس پر ایک کروڑ ۳۵ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ چونکہ سب حصے فروخت نہیں ہوئے تھے اس لیے مصارف کی باقی ماندہ رقم سرکار کے خزانہ سے دی گئی۔

۱۸۸۱ء میں **سردار دلیر جنگ** (معتمد ہوم ڈپارٹمنٹ) نے سر سالار جنگ اوّل کے سامنے ملک کے ذرائع آمدنی کو وسعت دینے کے متعلق ایک اسکیم پیش کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ پرانی ریل جو واڑی سے سکندرآباد تک ہے ایک ایسی کمپنی کے ہاتھ فروخت کر دی جائے جو علاوہ اس ریل کا انتظام بطور خود کرنے کے شمالی اور مشرقی حصہ ملک میں بھی جدید ریلوے جاری کر کے ملک کے ذرائع آمدورفت کو توسیع دے۔

اس اسکیم میں علاوہ ریلوے لائن کی تعمیر کے ایک معاملہ یہ بھی تھا کہ ممالک محروسہ کی معدنیات کے حقوق بھی اس کمپنی کو تفویض کر دیے جائیں لیکن بعد کو یہ تجویز اسکیم سے خارج کر دی گئی۔ سردار دلیر جنگ اس اسکیم کی تکمیل و تصفیہ کے سلسلہ میں دو ڈھائی برس تک انگلستان اور ہندوستان میں مصروفِ کار رہے، اور آخرکار یہ کمپنی ۲۰ لاکھ پونڈ کے سرمایہ حصہ جات اور ۱۵ لاکھ پونڈ کے سرمایہ ڈبنچر سے ریلوے لائن کے جاری کرنے کے لیے قائم ہوئی اور جو معاہدہ سرکار نظام اور ریلوے کمپنی کے مابین قرار پایا اس پر سردار دلیر جنگ نے ۲۰ دسمبر ۱۸۸۳ء کو دستخط کیے۔

اس معاہدہ کی دفعہ ۲ میں یہ اقرار کیا گیا تھا کہ:-

"کمپنی واڑی سے حیدرآباد و سکندرآباد تک کی موجودہ لائن (قریب ۱۲۱ میل

کے طول میں) اُن شرائط پر لے لیگی جن کا ذکر آگے فقرہ ۲۰ و ۲۳ معاہدۂ ہذا میں آتا ہے اور اُن اوقات پر اور اس طریق سے اور اُن شرائط کے بموجب جن کا ذکر آگے آتا ہے، ریلوے کی ایک سنگل لائن پانچ فٹ چھ انچ کے پیمانہ پر بنائیگی، جس کا حصہ اول قریب ۲۱۰ میل کے طول میں حیدرآباد سے ورنگل تک اور ورنگل سے بنیرواڑہ کے نزدیک ممالک محروسہ کی جنوبی سرحد تک اور حصہ دوم قریب ۱۶۰ میل کے طول میں ورنگل سے چاندہ کے نزدیک ممالک محروسہ کی شمالی سرحد تک پہونچے گا۔ ان دونوں حصوں کا جملہ طول ۲۷۰ میل سے زیادہ نہوگا"

غرض مذکورۂ بالا کمپنی نے جو "نظام گارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے کمپنی" کے نام سے قائم ہوئی تھی پرانی ریلوے لائن کو خرید لیا، اور ۱۸۸۶ء میں ایک لائن سکندرآباد سے ورنگل تک جاری کردی اور ورنگل سے جنوبی سرحد تک بنیرواڑہ (بجواڑہ) لائن کا کام بھی جاری رہا، لیکن ۱۶۰ میل کی لائن شمالی سرحد کی طرف چاندہ تک جاری نہ ہوسکی اور مدت معینہ (سہ سالہ) گزر گئی یہ علاقہ جہاں سے لائن گزرنے والی تھی زیادہ شاداب و آباد نہ تھا، اور شاید اسی سبب سے کمپنی نے تساہل کیا ہو بہرحال معاہدہ کے مطابق عملاً یہ تجویز مسترد ہو گئی، لیکن سید عبدالحق (سردار دلیر جنگ) معتمد صیغہ ہوم ڈپارٹمنٹ نے جو کمپنی سے ہزاروں پونڈ بطور حق السعی حاصل کر چکے تھے، ۱۸۹۰ء میں ایک جدید اسکیم گورنمنٹ نظام کے سامنے پیش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ چاندا ریلوے لائن کے بجائے بجواڑہ، رائچور لائن تیار کی جائے جو اوّل الذکر سے زیادہ مفید و سودمند ثابت ہوگی اس تجویز کے مطابق گورنمنٹ نظام کو ۷۰ میل اور گورنمنٹ ہند کو ۱۰۲ میل ریلوے لائن اپنے علاقہ میں تیار کرنا پڑتی، اور چاندہ ریلوے کی تعمیر کی صورت میں گورنمنٹ ہند کے علاقہ میں ۳۶ میل اور علاقہ نظام میں ۱۶۰ میل لائن تیار کیجاتی لیکن گورنمنٹ ہند نے ریلوے لائن تیار کرنے کے واسطے کسی قسم کی کفالت سے انکار کردیا تھا۔

سردار دلیر جنگ نے اس نہایت طویل پیچیدہ اور بظاہر مدلل اسکیم میں اپنی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اُن کی اسکیم گورنمنٹ ہند اور ریاست نظام دونوں کے

لیے غیر معمولی طور پر فائدہ بخش ثابت ہوگی، اور حصہ داروں کو بھی معقول فائدہ پہنچے گا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ جنوبی ہند اور ممالک محروسہ سرکار نظام میں اگر کبھی قحط واقع ہوا تو اُس وقت یہ لائن نہایت مفید ثابت ہوگی، نیز یہ کہ بحری تجارت کے لحاظ سے بھی یہ لائن رائچور کے اضلاع چھتیس گڑھ و دیگر علاقہ جات ممالک متوسط سے جہاں کہ غلہ کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے، سمندر کے راستہ سے مال لیجانے کے واسطے ایک بڑی مفید لائن اندرونی تجارت کی ہوگی۔ اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ اس لائن کی تعمیر میں ۱۰ لاکھ ۹۰ ہزار پونڈ صرف ہوگا پھر نہایت تفصیل و وضاحت سے سرمایہ فراہم کرنے کی تدبیریں بیان کیں۔ آخر میں انھوں نے اعداد سے یہ بتایا کہ اس لائن سے کس قدر مالی منفعت حاصل ہوگی۔ غرض اس ریلوے اسکیم میں سردار صاحب نے جانده ریلوے کا غیر ضروری ہونا اور رائچور ریلوے کا نہایت مفید وکارآمد ہونا بظاہر ایسے دل نشین دلائل سے ثابت کیا تھا کہ جب تک خاص طور پر غور و فکر سے کام نہ لیا جائے۔ ان دلائل و نتائج میں کوئی سقم نظر نہیں آتا تھا جو سردار صاحب نے پیش کیے تھے۔

جب یہ اسکیم پیش ہوئی تو نواب انتصار جنگ نے باضابطہ طور پر ایک نہایت مدلل اور مفصل تبصرہ اس پر لکھا اور جو سبز باغ سردار دلیر جنگ نے دکھایا تھا اُس کی حقیقت اچھی طرح واضح کردی سب سے پہلے اُنھوں نے مناسب الفاظ میں یہ تسلیم کیا کہ کسی ملک میں ریلوے کی توسیع ملک کی عام بہبودی کے لیے ازبس مفید ہے، لیکن موجودہ تجویز توسیع کی نسبت رائے دینے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن مالی نتائج کا جن پر کہ تجویز مبنی ہے اور جن کے لحاظ سے بشرط منظوری گورنمنٹ کی رقم گارنٹی کی تعداد مقرر کی جائیگی غور کی نگاہ سے امتحان کیا جائے۔

اِس تمہید کے بعد نواب انتصار جنگ نے آمدنی کے اُن اعداد پر بحث کی جو سردار دلیر جنگ نے پیش کیے ہیں اور معقول طریقہ سے ان اعداد کی غلطیاں ظاہر کرکے بتایا کہ جو آمدنی دکھائی گئی ہے وہ محض غلط ہے۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ موازنہ ریلوے اور اسکیم توسیع ریلوے کے مابین بلحاظ اعداد کس قدر تناقض ہے۔ یہ تمام بحث نہایت پیچیدہ اور غور طلب ہے۔ لہٰذا اس کا صرف ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ اُنھوں نے کیسی عمیق نظر سے ریلوے اسکیم کا

مطالعہ کیا تھا۔ وہ آمدنی کے اعداد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"آمدنی کے ذیل میں جو دوسری رقم باربرداری کوئلہ کی بابت درج کی گئی ہے، اس کی نسبت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کوئلہ کی سالانہ پیداوار دو لاکھ ٹن قرار دی گئی اور اُس کی باربرداری سے جو خالص آمدنی تخمیناً ہوگی وہ چار لاکھ پچانوے ہزار پانسو روپیہ حالی مقرر کی گئی ہے، اس لحاظ سے ضمیمہ (ب) کے نوٹ (د) میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئلہ کی سالانہ پیداوار تین لاکھ ٹن ہوگی اور اُس سے سرکار کو مبلغ سات لاکھ چوالیس ہزار سات سو پچاس روپیہ سکہ حالی وصول ہونگے اُس رقم سے جو اس مد میں یادداشت بجٹ میں درج ہے، ڈیوڑھی ہے، اور سردار صاحب نے ابھی تک اس کی تشریح بھی نہیں کی ہے۔ یادداشت بجٹ اور یادداشت توسیع کی تیاری میں اتنا تھوڑا وقفہ ہے کہ یہ بھی نہیں گمان کیا جا سکتا کہ اس عرصہ میں واقعات میں اس قدر تبدیلی ہوگئی کہ اتنے ردوبدل کی ضرورت ہوئی، دونوں یادداشتوں میں کوئلہ کے ایک ہزار ٹن روزانہ کے اجارہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حالانکہ آج کل صرف ۸۰ ٹن کوئلہ روز نکلتا ہے، اس لیئے آمدنی کوئلہ کا جو دفعہ ۸ میں مذکور ہے نصف کرتے ہیں، تو مبلغ دو لاکھ اڑتالیس ہزار دو سو پچاس روپیہ سکہ حالی حاصل ہوتے ہیں نہ کہ مبلغ تین لاکھ بہتر ہزار جیسا کہ ضمیمہ میں درج ہے۔ ان دونوں رقموں میں مبلغ ایک لاکھ تیئیس ہزار سات سو پچاس کا فرق ہے"۔

اسی طرح جملہ دفعات پر بحث کرنے کے بعد سلسلہ وار سردار دلیر جنگ کے دلائل پر توجہ کی ہے جو اُنھوں نے اپنی اسکیم میں ظاہر کیئے تھے۔ اسی سلسلہ میں اُنھوں نے اس بات کو ناپسند کیا ہے کہ گورنمنٹ نظام ایک ایسی لائن کے بنانے کی ذمہ داری قبول کرے جو دو سو دس میل تک انگریزی علاقہ میں ہو کر گزریگی، اُنھوں نے نقشہ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ رائے پور اور وزیگاپٹم کے مابین ریلوے لائن کا اجرا گورنمنٹ ہند کے زیر غور ہے اگر یہ لائن تیار ہوگئی تو مجوزہ اسکیم کو سخت نقصان

پہونچیگا۔ اُنھوں نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ

"سرکارِ عالی اپنے ملک کے باہر ریل بنانے سے اُن فوائد سے محروم رہ جائیگی جو عاماً کو ریلوں کے تیار ہونے اور راستوں کے کھلنے سے ہوا کرتے ہیں اور اُن نفعوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں کہ جو گورنمنٹ کو ایسی بھاری ذمہ داریوں کے معاوضہ میں ہوا کرتے ہیں"

لہذا اُن کی رائے ہے کہ اگر گورنمنٹ ہند، چاندا ریلوے پر رائے پور لائن کو ترجیح دے تو اس صورت میں وہ براہ مہربانی اُس دو سو دس میل لائن بنانے کی ذمہ داری کہ جو گوداری کے مشرق کی طرف واقع ہے خود اختیار کرے کیونکہ وہ ہماری سرحد کے باہر ہے، اور اپنی سرحد تک ہم خود گارنٹی دے دینگے۔

مذکورۂ بالا تمام مباحث کے بعد اُنھوں نے ریاست کی مالی حالت پر نظر کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ موجودہ حالت میں جب کہ نہایت اہم ضرورتیں درپیش ہیں ایسی عظیم الشان اور کثیر المصارف اسکیم پر عمل کرنا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ملک کی حالت یہ ہے کہ

"کوئی ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا کہ جس میں سرکارِ عالی کو معمولی اخراجات کے لیئے بیس لاکھ سے تیس لاکھ روپیہ تک قرض نہ لینا پڑا ہو، اور یہ قرض سال آیندہ کے محاصل سے ادا نہ ہوا ہو، اس معمولی سالانہ قرضہ کے علاوہ بھی گورنمنٹ کو اور بھی بہت سی بڑی بڑی ذمہ داریاں اپنی گردن پر لینی پڑی ہیں۔ سلطان نواز جنگ شمشیر الملک کے قرضہ کی بابت تیس لاکھ کی ذمہ داری عائد ہوئی ہے۔ سرسالار جنگ مرحوم کا قرضہ جو قریب تیس لاکھ کے تھا، وہ بھی گورنمنٹ نے اپنے ہی ذمہ لے لیا ہے، اور اُس کا سود بھی اب ادا ہو رہا ہے، علاوہ اس کے اور بھی بڑی بڑی تعداد کے سرکاری قرضہ ہیں جن پر سود ادا ہو رہا ہے، موجودہ ریلوے کی بابت ایک بہت بڑی رقم بطور کمیشن کے دی گئی ہے، بارہ کروڑ سے زیادہ کے بجوبے

کمیشن قرضہ کے روبرو پیش ہو چکے ہیں، اور یہ اس وقت بتانا ممکن نہیں کہ اُن کی تحقیقات کا کیا نتیجہ ہوگا۔ ۱۹۰۰ء سے گو ملک میں کوئی قحط سالی نہیں ہوئی مگر یہ محض اتفاقیہ بات ہی، خزانہ کی موجودہ حالت پر نظر کرکے کہہ سکتے ہیں کہ تھوڑی سی خشک سالی سے بھی سخت نقصان پہونچیگا اس لیے کسی ایسے تمدنی امر کا خیال یک لخت قطع کر دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

خزانہ کی ایسی ابتر حالت ہو رہی ہی کہ ضروری سے ضروری اصلاحوں کو بھی ملتوی کرنا پڑتا ہی، اول درجہ کی سڑکیں تو معدوم ہیں ہی مگر دوسرے تیسرے درجہ کی سڑکوں کا پتہ بھی ملک میں نہیں ہی، دریا اور ندیاں بے پلوں کی پڑی ہوئی ہیں اور اس سے جو نقصان تجارت کو پہونچتا ہی، وہ محتاج بیان نہیں، شفاخانوں کی تعداد اس قدر کم ہی کہ اُن کا ہونا نہونا ایک سا ہی، سوائے دو تین ضلعوں کے نہ کوئی ڈسٹرکٹ جیل ہی اور نہ سنٹرل محبس ہی، اور اس وجہ سے جو فتور انتظامات محبس میں پڑتا ہی وہ ظاہر ہی، ہزاروں بچے تعلیم پانے کے لائق ہیں مگر جائیں کہاں؟ مدرسے تو ہیں ہی نہیں۔

پانچ برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ تلنگانہ کے ایک پورے ضلع کی پیمایش اور زمین کی تقسیم ہو چکی ہی مگر بندوبست ہو تو کیونکر ہو، ڈرتے ہیں کہ منصفانہ لگان سے خزانہ کے کئی لاکھ نکل جائینگے اور اس کا برداشت کرنا آج کل ممکن نہیں، بلکہ ہی تو یہ کہ تمام ملک تلنگانہ کا بندوبست اسی خطرہ سے بھرا ہوا ہی، مختصر یہ ہی کہ کوئی محکمہ کوئی صیغہ ایسا نہیں ہی کہ جسے روپیہ کی سخت ضرورت نہو، ایک بہت عمدہ تجویز (آبپاشی) کے پورا کرنے کے لیے بھی پانچ لاکھ قرض لینے کی ضرورت ہوئی، سر آسمان جاہ بہادر نے اس سال بہت سی غور و پرداخت کے بعد اہلکاران مال و عدالت کی تنخواہوں میں قدرے قلیل اضافہ کیا ہی، لیکن اب بھی افسران ضلع کی تنخواہیں سرکار عظمت مدار

(گورنمنٹ انگریزی) کے ڈپٹی کلکٹروں اور ہمارے صوبہ داروں کی ڈپٹی کمشنروں کی برابر ہیں، اور عدالت عالیہ کے ججوں کی ماہواریں کمشنروں سے بدرجہا کم ہیں کوئی بھی محکمہ ایسا نہیں کہ جس میں روپیہ کی ضرورت نہ ہو، اور ہماری ضرورتیں سال بسال نہ بڑھتی جاتی ہوں، لیکن خزانہ میں روپیہ تو معدوم ہے، ناچار ضروری ضروری اصلاحوں کو بھی ملتوی رکھنا پڑتا ہے"۔

غرض نواب انتصار جنگ کے اختلاف کا یہ اثر ہوا کہ اس معاملہ میں واقف کار لوگوں سے مشورہ لیا گیا اور آخر کار یہ اسکیم مسترد کردی گئی۔

مقدمۂ معدنیات

معدنیات کا مقدمہ ایک نہایت پیچیدہ اور اہم معاملہ تھا جس کے حل کرنے میں حیدرآباد اور انگلستان کے بہت سے لائق اور تجربہ کار عہدہ دار اور ماہرین قانون مدت تک مشغول رہے، اس معاملہ میں حیرت انگیز چالاکی سے گورنمنٹ نظام کو مالی نقصان پہونچایا گیا تھا۔ لیکن ان دلچسپ تفصیلات کے بیان کرنے کے لیئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اور یہ ہمارا مقصد نہیں ہے، اس لیئے جہاں تک ممکن ہے نہایت اختصار کے ساتھ یہ بیان کیا جاتا ہے۔

ہم گزشتہ صفحات میں بیان کرچکے ہیں کہ سر وقار دلیر جنگ کی اسکیم کے مطابق جس ریلوے کمپنی کے قیام کی تجویز ہوئی تھی اس میں معدنیات کا معاملہ بھی شامل تھا۔ یعنی مملکت نظام کی معدنیات کا اجارہ دینا بھی تجویز ہوا تھا۔ ورچند اشخاص اس اجارہ کے لیئے تجویز کرلیئے گئے تھے لیکن بعد کو یہ حصہ اسکیم سے جدا کرلیا گیا، اور اسکیم کچھ مدت کے لیئے ملتوی ہوگئی، کیونکہ جب یہ معاملہ وائسرائے کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے سرکار نظام کو اطلاع دی کہ جو لوگ اس تجویز سے متعلق ہیں وہ مالی لحاظ سے اس قدر معتبر نہیں ہیں کہ اُن کے ساتھ سرکار اتنا بڑا مالی معاملہ کرے۔

اس واقعہ کے بعد سردار دلیر جنگ انگلستان گئے تاکہ ریلوے اسکیم اور معدنیات کے اجارہ کے متعلق کوئی موزوں اور نہایت مناسب انتظام تجویز کریں، اور سرمایہ ہم پہنچانے کی تدابیر عمل میں لائیں چنانچہ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد آخر کار مسٹر واٹسن سے معاملہ طے پایا، انھوں نے اس شرط پر ایک کمپنی قایم کرنا منظور کیا کہ بیس لاکھ پونڈ جو ریلوے کے واسطے نظام کو دیئے جائیں اُس پر وہ بیس سال تک پانچ فی صدی سود کی کفالت کریں، مگر کمپنی ان بیس لاکھ پونڈ کا کچھ حصہ اپنے حصوں میں دیگی، اس نئی ریلوے کمپنی قایم کرنے کے لیئے مسٹر واٹسن کو ایک لاکھ پونڈ ملے، جس میں سے اُن کے بیان کے مطابق ترانوے ہزار پونڈ انھوں نے کمپنی قایم کرنے میں صرف کیئے اور اُس کے بعد تراسی ہزار پونڈ دلیر جنگ کو بطور حق السعی دیئے گئے۔

اسی زمانہ میں معدنیات کے اجارہ کی تجویز علیحدہ جاری تھی، ۱۸۸۳ء میں انڈیا آفس نے سردار دلیر جنگ کو یہ اطلاع دی کہ مسٹر واٹسن نے معدنیات کے اجارہ کی جو تجویز پیش کی ہے اس پر تجربہ کار صلاح کاروں کی رائے لینا چاہیئے۔ اس بنا پر دلیر جنگ نے مسرس وائٹ باربٹ اینڈ کمپنی کو یہ ہدایت کی کہ وہ سرکار نظام کی طرف سے مسٹر واٹسن اور مسٹر اسٹوارٹ کے ساتھ معدنی اجارہ کے شرائط فیصل کرے، چنانچہ قول نامہ کا مسودہ تیار ہوا، اور بعد دریافت (جو کئی مہینہ تک جاری رہی) مسرس وائٹ باربٹ اینڈ کمپنی نے مشہور بیرسٹروں کی صلاح سے مسودہ مکمل کردیا، یہ بیرسٹر مسٹر میکناٹن (جو بعد کو لارڈ میکناٹن ہوئے) اور مسٹر بلیکلے تھے۔

اس معاملہ کے بعد انڈیا آفس نے سردار دلیر جنگ کو اطلاع دی کہ اس تجویز کا سرکار نظام میں پیش ہونا مناسب ہے اور قطعی منظوری سے پہلے اس کے متعلق اور کارروائی بھی حیدرآباد میں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ سردار دلیر جنگ مسوّدہ لے کر حیدرآباد آئے جس پر سر سالار جنگ ثانی نے (جو اس وقت مدار المہام تھے) غور کیا اور چند تبدیلیاں کر کے مع اپنی رائے کے رزیڈنٹ کے پاس بھیجدیا۔ رزیڈنٹ نے یہ مسودہ مع خط سر سالار جنگ، گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس کلکتہ بھیجا۔ گورنمنٹ نے واقف کار لوگوں کی صلاح سے اس مسودہ پر غور کر کے اس کا اکثر حصہ منظور

کر لیا صرف چند فقروں میں ترمیم کردی اور مسودہ رزیڈنٹ کو واپس کرتے ہوئے یہ لکھا کہ مدارالمہام اور ایجنٹ کمپنی سے یہ سفارش کی جائے کہ وہ مجوزہ ترمیمات کے ساتھ مسودہ کو منظور کریں، چنانچہ فریقین نے منظور کیا اور ۷ر جنوری ۱۸۸۶ء کو قول نامہ پر دستخط ہو گئے۔

اس قولنامہ میں اجارہ داروں کو بلا شرکت غیرے یہ حق دیا گیا تھا کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ۳۱ر دسمبر ۱۸۹۱ء تک ہر قسم کے معدنیات کی تلاش اور جانچ کریں اور اس مدت کے اندر ایسے مقامات منتخب کر لیں جس کی معدنی کام کے واسطے انھیں خواہش ہو اور اس طرح جس رقبہ کا انتخاب کیا جائے، اُن کا اجارہ قولنامہ کی تاریخ سے ۹۹ سال کی مدت تک سرکار نظام کی طرف سے اس محصول پر دیدیا جائے جو مائننگ انجنیر مقرر کرے ایسا ایک ایک انجنیر ہر فریق کی طرف سے مقرر رہو گا اور درصورت اختلاف رائے گورنمنٹ آف انڈیا کا مقرر کردہ انجنیر محصول مقرر کریگا۔ یہ حقوق ہر قسم کی معدنیات سونا، چاندی اور جواہر پر حاصل تھے، نیز یہ کہ اجارہ دار اس کے بھی ذمہ دار کئے گئے تھے کہ کوئلہ کی کانوں کا کام (جو سنگارنی کول فیلڈس کے نام سے نامزد ہیں) فوراً جاری کردیں۔

کمپنی کے سرمایہ کی تعداد دس لاکھ پونڈ قرار پائی اور ایک حصہ دس پونڈ تجویز ہوا۔ اس لحاظ سے ایک لاکھ حصے قرار دیئے گئے، جب اس طریقہ سے عہدنامہ مکمل ہو گیا تو گورنمنٹ ہند کے پاس بھیجا گیا، اس کے بعد سکرٹری آف اسٹیٹ نے اس پر غور کیا اور چند شرائط قایم کیں، جن کی اطلاع اجارہ داروں کو دی گئی۔ اجارہ داروں نے ان شرائط کو منظور کیا، اور آخر کار، ۲۷ر جولائی ۱۸۸۶ء کو بہ پابندی ان ترمیمات کے سکرٹری آف اسٹیٹ کی منظوری کی اطلاع مسٹر واٹس کو لندن میں دی گئی۔

اب حصص کی فروخت شروع ہوئی اور منجملہ ایک لاکھ کے ۱۵ ہزار حصے فروخت ہوئے جن کی قیمت بحساب ۵ پونڈ فی حصہ ادا ہوئی، یہ حصے آٹھ مختلف اشخاص نے خریدے۔ اس کے بعد ایک اقرارنامہ کے مطابق اجارہ کمپنی کے نام منتقل ہوا، اس شرط پر کہ پندرہ ہزار

حصص جن کے ۵ پونڈ فی حصہ ادا شدہ سمجھے جائیں اشخاص متذکرہ (وہ ۸ شخص جو حصہ دار تھے)
کو عطا ہوں اور پچاسی ہزار کامل القیمت حصص اجارہ داروں کو ملیں، کمپنی اور مسٹر واٹسن اور
مسٹر اسٹوارٹ کے مابین، اقرار نامہ میں یہ لکھا گیا کہ یہ عہد ہو چکا ہے کہ اجارہ دار کمپنی کے نام اجارہ
منتقل کریں اور اس کے عوض میں کمپنی اجارہ داروں کو دس دس پونڈ کے پچاسی ہزار حصے دے جنکی
پوری قیمت تمام اغراض کے لیئے ادا شدہ سمجھی جائے۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ کمپنی اجارہ داروں
کو یا ان لوگوں کو جن کو وہ نامزد کریں پچاسی ہزار کامل القیمت حصص عطا کرے، اور ان حصوں کو
اجارہ دار انتقال اجارہ کے متعلق اپنے تمام دعاوی اور مطالبات کی کامل ادائی میں قبول کریں
غرض ڈائرکٹروں[1] نے بعد تکمیل کارروائی پچاسی ہزار حصے بطور کامل القیمت حصص کے ۱۹ راگست
۱۸۸۶ء کو مسٹر واٹسن اور مسٹر اسٹوارٹ کو منتقل کیئے اور سارٹیفکیٹ بعد مہر و دستخط حصہ یابوں کے
حوالہ کیئے۔ ۲۴ راگست سنہ مذکور کو مسٹر واٹسن اور مسٹر اسٹوارٹ زائد ڈائرکٹر مقرر ہوئے جب
ان دونوں کو پچاسی ہزار کامل القیمت حصص مل گئے تو انھوں نے باہم اس طرح ان حصص کو تقسیم
کیا کہ مسٹر واٹسن مسٹر اسٹوارت اور دلیر جنگ کو ایک ایک ربع ملا، اور جو ایک ربع باقی رہا وہ دوسرے
اشخاص کے درمیان تقسیم ہوا، اس کے علاوہ دلیر جنگ کو ان پندرہ ہزار حصص میں سے بھی ایک ربع
ملا، اب ان لوگوں نے جن کو پچاسی ہزار حصص ملے تھے حصوں کو فروخت کرنا شروع کیا۔ چنانچہ
مسٹر واٹسن نے دلالوں کی معرفت اپنے حصوں کی ایک معقول تعداد فروخت کر کے لاکھوں روپیہ حاصل
کیا، اور کچھ حصے انھوں نے اپنے احباب کو ہدیۃً پیش کیئے، مثلاً مسٹر فرنیول انجنیر کو انھوں نے ۵۰۰ حصے
مفت دیئے، جس کو انھوں نے گیارہ پونڈ فی حصہ کی شرح سے فروخت کر کے پانچ ہزار پانسو پونڈ روپئے
حاصل کیئے۔

اب سردار دلیر جنگ کو بھی اپنی محنت کا ثمرہ حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ انھوں نے
نواب محسن الملک کے سامنے جو پولیٹکل و فنانشل سکریٹری تھے ایک یادداشت پیش کی جس میں

---

[1] ڈائرکٹروں کے نام حسب ذیل ہیں مسٹر ہیٹن، مسٹر ہمرڈ، مسٹر ٹمن۔

یہ سفارش کی گئی کہ اعلیٰ حضرت نظام بھی کمپنی کے حصے خریدیں، اور انھوں نے عمدہ طور سے اُن اعتراضات سے بھی بحث کی جو لین دین کے اس طریقہ کے متعلق ہو سکتے تھے۔ نواب محسن الملک نے اس تجویز کی سفارش کردی، مسٹر کارڈری (رزیڈنٹ) نے بھی اس تجویز کو پسند کیا، اور اعلیٰ حضرت نے حصص کی خریداری منظور فرمائی۔ چنانچہ سردار دلیر جنگ کو بحساب بارہ پونڈ فی حصہ دس ہزار حصص کی خریداری کا حکم دیا گیا۔

جب ان دس ہزار حصص کی خریداری عمل میں آئی اُس وقت سردار دلیر جنگ لندن میں تھے، اُنھوں نے مسٹر واٹسن سے ایک پرائیویٹ ملاقات کی باہم مشورہ ہوا اور آخر کار یہ قرار پایا کہ اس معاملہ کی باضابطہ تعمیل ضرور ہی کہ اس طریقہ سے کی جائے، جس طرح تبدیل سرمایہ کا معاملہ۔ غرض ایک پیچیدہ طریقہ سے دلالوں کی معرفت سردار دلیر جنگ کے وہ حصے جو اُن کو باہم تقسیم میں ملے تھے سرکار نظام کے ہاتھ فروخت کر دیئے گئے اور اس طرح معمولی اُلٹ پھیر سے محض ذہانت اور ہوشیاری کی بدولت ایک لاکھ اکتیس ہزار دو سو پچاس پونڈ سردار صاحب بالقابہ کو ہاتھ آگئے گویا اُنھوں نے اس تدبیر سے خود اپنی گورنمنٹ سے یہ گراں قدر رقم حاصل کی۔

سرکار نظام کی خریداری کا اثر اچھا پڑا، جولائی ۱۸۸۸ء میں لارڈ لارنس اس کمپنی کے ایک ڈائرکٹر مقرر ہوئے، اُنھوں نے یہ عہدہ اس وجہ سے قبول کیا کہ نظام نے حصے خریدے ہیں اور خیال کرکے کہ معاملہ کی تمام جزئیات و تفصیلات گورنمنٹ آف انڈیا اور انڈیا آفس کی وساطت سے طے ہو چکی ہیں اُنھوں نے پانسو حصص بھی خریدے۔

یہ ظاہر ہی کہ پچاسی ہزار حصص کے اس طرح تقسیم ہونے سے سرکار نظام کو نقصان پہنچا، اگر یہ حصے غیر کامل القیمت رہتے تو اُن پندرہ ہزار حصوں کے علاوہ ان کے اجرا سے مختلف اوقات میں مزید سرمایہ حاصل ہو سکتا تھا، اور یہ سرمایہ زیادہ تر حیدرآباد میں صرف ہوتا جس سے ملک کو فائدہ پہنچتا، لیکن ان حصص کے اجارہ داروں کے نام منتقل ہو جانے سے ملک ان فائدوں سے جو اُس کو حاصل ہوتے محروم رہ گیا۔

جب یہ واقعات پیش آئے تو سر آسماں جاہ کا عہد وزارت شروع ہو چکا تھا، اور چونکہ وہ مخالفین کے اندر گھرے ہوئے تھے اس لئے ہر معاملہ میں نہایت احتیاط اور غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ اب سردار دلیر جنگ انگلستان سے واپس آچکے تھے، اور اُنھوں نے ایک یادداشت شایع کی تھی، جس میں ریلوے اور معدنیات کے معاملات پر بحث تھی اور بعض واقعات کو نہایت مبہم اور پیچیدہ طریقہ سے بیان کیا تھا۔ جب یہ یادداشت سر آسماں جاہ کی نظر سے گزری تو سب سے پہلے تو اُنھوں نے دلیر جنگ سے یہ سوال کیا کہ.

"کیوں اور کس وثیقہ پر سردار صاحب نے ان صریح احکام سرکار عالی کے خلاف عمل کیا جس کا منشا یہ ہے کہ کوئی سرکاری کاغذ بلا ملاحظہ و منظوری مدار المہام طبع و شائع نہ کیا جائے، اس امر کی اطلاع کہ سردار صاحب کا ارادہ ہے کہ کوئی رپورٹ شائع کی جائے، اس وقت ہوئی جب وہ رپورٹ شائع ہو چکی تھی اور جب احکام مخولہ صدر کا عدول ہو چکا تھا۔"

اس اعتراض کے بعد اُنھوں نے رپورٹ کے مضامین اور مطالب پر توجہ کی ہے اور متعدد اعتراضات کرکے جواب طلب کیا ہے اور آخر میں اپنا حکم سردار دلیر جنگ کے متعلق جاری کیا ہے۔ ان میں سے بعض اعتراضات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کیا وجہ ہے کہ ۱۸۸۶ء کے قولنامہ میں جو مسٹر واٹسن اور اسٹوارٹ کو دیا گیا کوئی شرط اس مضمون کی نہیں کی گئی کہ کمپنی مجوزہ حصوں کی جو اجرائی کریگی اس کو اجارہ دار اجرائی اوّل پر محدود کرینگے، جب کہ یہ معلوم تھا کہ سرکار انگریزی و سرکار نظام دونوں نے بارہا صاف طور پر تحریراً ہدایت دے دی ہے کہ حصوں کی اجرائی "اجرائی اوّل" ہو گی اس غرض سے کہ غیر موصول شدہ سرمایہ موجود ہے تاکہ آیندہ کی ضرورتوں میں یا دوسرے مقامات پر کمپنی کے کاروبار کھولنے میں کام میں لایا جائے۔

(۲) معدنیات کی کمپنی کے ڈائرکٹروں نے جو پچاسی ہزار کامل القیمت حصے اجارہ داروں

کی نذر کردیے، اس کو سردار صاحب نے کیوں منظور کیا، یا بہرحال اس پر کیوں اعتراض نہ کیا، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ سردار صاحب کو معلوم تھا کہ سرکار انگریزی اور سرکار نظام دونوں کا منشاء اس کے خلاف تھا۔

(۳) جس وقت سردار صاحب کو معلوم ہوا کہ معدنیات کی کمپنی کا غیر وصول شدہ سرمایہ کے بارہ میں کیا قصد ہے تو معاً اپنی سرکار کو کیوں اس سے مطلع نہ کیا۔

(۴) سردار صاحب جواب دیں کہ وہ کون سی مشکل تھی جو اُن کو حصوں کے خریدنے میں جس کے لیئے وہ بحیثیت مختار سرکار عالی، ولایت بھیجے گئے تھے پیش آئی، تحریرات کے ملاحظہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر واٹسن سرکار کے لندن کے مختار کو لکھنے کے بعد ۲۴ گھنٹہ کے اندر حصے ان کے قبضہ میں آ گئے۔

(۵) سردار صاحب نے سرکار نظام کے لیئے حصہ خریدنے کے واسطے مسٹر واٹسن کو کیوں مقرر کیا جب کہ سردار صاحب کو معلوم تھا کہ مسٹر واٹسن خود بھی ایک اجارہ دار اور حیدرآباد کمپنی کے ایک ڈائرکٹر ہیں، اور ہر حالت میں ان کا یعنی مسٹر واٹسن کا حصوں کے فروخت ہونے میں ذاتی فائدہ متصوّر تھا، اگر مسٹر واٹسن سرکار عالی کے ولائتی مختار تھے تو کب، کیونکر، اور کس کے حکم سے اُن کی ماموری ہوئی تھی۔

(۶) حصوں کے خریدنے میں "بے انتہا ہوشیاری اور احتیاط" کام میں لانے کی جو ضرورت بیان کی گئی تھی اور جس کے بغیر حصوں کا ملنا ناممکن تھا، (حسب تحریر ضمیمہ یادداشت مرتبہ دلیر جنگ) اس کی تصدیق کے لیئے سردار صاحب نے کیا کارروائی کی تھی اور وہ "بے انتہا ہوشیاری اور احتیاط" کس طور پر کام میں لائی گئی۔

(۷) کیا سردار صاحب کو اجارہ داروں نے یا کسی اور شخص نے بلاواسطہ یا بالواسطہ کچھ حصے یا کوئی رقم بطور حق السعی یا اور کسی قسم کا مُزد دیا، اگر دیا تو کس نے دیا، اور کیا دیا، کب دیا، کہاں دیا، اور کیوں دیا۔

سب کے آخر میں مدار المہام نے یہ لکھا کہ

"بہر حال سردار صاحب کی کارروائیاں، جو خود اُن کی یادداشت کے مضامین سے ظاہر ہوتی ہیں سرکار کی نظر میں ایسی سخت ہیں کہ تا وصول جواب و در اختتام کارروائی، جو جواب آنے کے بعد سرکار کو مناسب معلوم ہو، مدار المہام سرکار عالی، سردار دلیر جنگ، دلیر الملک بہادر کو اُن کی خدمت معتمدی ہوم ڈپارٹمنٹ اور سرکاری ڈائرکٹری ریلوے و معدنیات سے معطل فرماتے ہیں۔"

غرض سردار صاحب معطل کر دیئے گئے اور اُن کی معطلی کی اطلاع ایجنٹ اور چیف انجنیر ریلوے اور معدنیات کو تحریراً دی گئی، اور انگلستان کے فنشل پر اونشل بنک کو بذریعہ تار یہ خبر بھیجی گئی۔ اس کے بعد معاہدہ کی تمام جزئیات پر از سرِ نو غور کیا گیا، اور جملہ کاغذات ماہرین قانون کو دکھائے گئے تو جو چالاکیاں اس معاملہ میں برتی گئی تھیں وہ ظاہر ہو گئیں جب واقعات نے یہ صورت اختیار کی تو معاملہ طشت از بام ہو گیا، اور پریس میں بھی ان واقعات پر بحث چھڑ گئی جب انگلستان میں ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو بڑے بڑے لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہو گئی مسٹر لابوشیر ممبر پارلیمینٹ نے اس معاملہ کے متعلق ہاؤس آف کامنز میں سوال کیا اور واقعات کی تحقیقات کے لیئے ایک کمیٹی قایم کرنے کی تجویز پیش کی۔ غرض معاملات نے یہاں تک طوالت اختیار کی کہ آخر کار ایک پارلیمنٹری کمیٹی تحقیقات کے لیئے لندن میں قایم ہو گئی، جس کے ارکان سات جلیل القدر اشخاص مقرر کیئے گئے، اور کمیٹی کو اختیار دیا گیا کہ وہ اشخاص، کاغذات، اور امثلہ طلب کرے۔

کمیٹی قایم ہونے پر اُن اشخاص کی طرف سے جن کا تعلق اس معاملہ سے تھا، یہ درخواست پیش کی گئی کہ اُن کو بذریعہ اپنے کونسلیوں کے حاضر ہونے کی اجازت دیجائے، چنانچہ پارلیمنٹ نے منظوری حاصل کرنے کے بعد، کونسلیوں کو اجازت دی جائے کہ وہ حاضر ہوں اور بعض امور میں جو اظہار قلم بند ہوں اُس میں شریک رہیں چنانچہ حضور نظام سردار دلیر جنگ مسٹر واٹسن وغیرہ کی طرف سے کونسلی حاضر تھے۔

چونکہ معاملہ نہایت اہم تھا اس لیئے گورنمنٹ نظام نے مقدمہ کی پیروی کے لیئے نواب محسن الملک بہادر کو انگلستان روانہ کیا اور اُن کی مدد کے لیئے مسٹر فریدو نجی (حال نواب فریدوں ملک) بھی شریک سفر کیئے گئے، نواب فتح نواز جنگ (مولوی مہدی حسن) پہلے سے انگلستان میں موجود تھے، بعد کو وہ بھی نواب محسن الملک کے ساتھ شریک کار کیئے گئے، اور ہندوستان میں اس مقدمہ کی کارروائی کا تمام بار نواب انتصار جنگ پر تھا، وہ یہاں سے برابر بذریعہ تار ہدایتیں بھیجتے رہتے تھے، مقدمہ کے متعلق معمولی واقعات بھی بذریعہ تار ہندوستان بھیجے جاتے تھے، اور تمام معاملات میں بذریعہ تار مشورہ لیا جاتا تھا، یہاں تک کہ کبھی کبھی نواب محسن الملک ان پابندیوں سے گھبرا اُٹھتے تھے، اور نواب انتصار جنگ کو خفا ہو کر لکھتے تھے کہ آپ ہزاروں میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے ہدایتیں جاری کیا کرتے ہیں، آپ کو کیا خبر کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کیسی مشکل کا سامنا ہے، لیکن جب خوش ہوتے تھے تو بڑے دلچسپ خطوط لکھا کرتے تھے، مقدمہ کے متعلق تو تمام معاملات تار کے ذریعہ سے طے ہوتے تھے اس لیئے خطوط میں بجز شکریہ یا شکایت کے اور کیا لکھتے، تاہم بعض خطوط سے نفس معاملہ کے متعلق بھی دلچسپ باتیں معلوم ہوتی ہیں، چنانچہ ذیل میں چند خطوط کے خاص خاص حصے نقل کیئے جاتے ہیں۔

لندن پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جو خط بھیجا ہے اس میں لکھتے ہیں:۔

"میں بخیریت یہاں پہنچا اور اب تک جو کچھ ہوا، اس کی اطلاع تاروں پر دے چکا جس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہاں کیا ہوا، اور کیا ہو رہا ہے، اور میں نے کیا کیا۔ آج پہلا اجلاس کمیٹی کا ۱۲ بجے سے ہوگا اور غالباً ایک مہینہ لگیگا۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمام کام مرضی کے موافق ہونگے، اور ہمارے سرکار کو ہر طرح کا فائدہ ہوگا، انڈیا آفس میں اب تک کوئی برا خیال تو سرکار کی اس کارروائی کی نسبت پایا نہیں جاتا × × × یہاں جن لوگوں کو یہ خیال تھا کہ ہمارے سرکار نے کارروائی راست بازی سے نہیں کی وہ خیالات اُن لوگوں کے دل سے جاتے رہے جو مجھ سے

ملے، جب میں یہاں آیا اور لوگوں کی باتیں سُنیں تو مجھے ذرا تردد ہوا، مگر خود معاملہ ایسی عمدگی اور راست بازی سے کیا گیا تھا کہ اُن غلط خیالات کے باطل کرنے کے لیئے صرف واقعات کا ظاہر کر دینا کافی تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور لوگوں کو حقیقتِ حال معلوم ہونے پر اطمینان ہو گیا۔ یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ سردار صاحب نے طلسم قایم کر رکھا تھا اُن کا جادو گھر سرکار نے توڑ دیا۔

جناب لارڈ لارنس[1] صاحب آئے، ایسے خفا تھے کہ بدن پر لرزا تھا اور بات مُنھ سے نہ نکلتی تھی کہنے لگے کہ میرے ساتھ نظام سرکار نے ایسا برتاؤ کیا ہے اور اس معاملہ میں وہ ایسی کارروائی کر رہی ہے کہ میں ابھی جا کر لارڈ کراس (وزیر ہند) سے کہتا ہوں، قریب تھا کہ رگِ ہاشمی جوش کرے اور بارہہ کے سید کو بھی غصہ آئے اور خوب گھونسے چلے، مگر صبر کیا اور اُن کو سمجھایا پھر تو وہ نہایت ہی شرمندہ ہوئے اور اپنے دوست کو گالیاں دینے لگے اور کہا کہ درحقیقت وہ نہایت ہی جھوٹا ہے۔ کارڈری صاحب (رزیڈنٹ) تشریف لائے تھے اُن کو اس قدر غصہ عبد الحق (دلیر جنگ) پر تھا کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا اور اپنی کارروائی پر اتنا رنج کرتے تھے کہ آخر رونے لگے اور آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے نواب صاحب (سر آسماں جاہ) کی طرف سے بہت کچھ تشفی کی اور کہا کہ سرکار کو آپ کی نسبت کچھ دوسرا خیال نہیں ہے اور وہ آپ کو نہایت متدین اور پاک سمجھتی ہے اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور کئی دفعہ شکر گزاری کے الفاظ زبان پر لائے۔

ہاں یہ تو بھول ہی گیا کہ جناب لابوشیر دام اقبالہ سے ملا۔ مولانا کیا کہوں وہ تو عجب آفت کا پتلا ہے، ایسا آدمی تو نہ دیکھا، نہ سُنا۔ وہ آدمی کا ہیکو ہے

---

[1] ان بزرگ نے بھی ۵۰۰ حصے خریدے تھے، یہ سن کر کہ سرکار نظام نے بھی حصص خریدے ہیں۔

بلائے روزگار ہے اور اس پر حضرت مسخرے بھی ہیں اور کوئی بات آپ کی ظرافت سے خالی نہیں، اور گو کہ آپ کمیٹی کے ممبر ہیں مگر اپنے گھر پر مقدمہ کے متعلق ایسی کارروائی کرتے ہیں کہ گویا وہ وکیل ہیں، نہ کسی سے پردہ ہے، نہ چوری، لوگوں کو بلانا ان سے بات کرنا، مقدمہ کے حالات دریافت کرنا سب کچھ ہو رہا ہے۔ میں نے مہدی حسن سے کہا کہ دیکھئے یہ جج ہیں، کہا کہ لندن کے جج ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔"

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔

"میرا اظہار ہو گیا، سرکار عالی کی عزت اور وقعت کے خیال سے مجھے حلف نہیں دیا، میرے بیانات نہایت ہی سچے اور احتیاط کے تھے، سر رچرڈ ٹمپل بہت ہی تعریف کرتے تھے، اور لا بوشیر مارٹن سے کہتے تھے کہ کمیٹی بہت خوش ہوئی اور گورنمنٹ نظام کے انصاف و سچائی کا ایک ثبوت ملا۔"

ابتدا میں مقدمہ کی پیروی صرف نواب محسن الملک کے متعلق کی گئی تھی ان کے انگلستان جانے کے کچھ دنوں بعد نواب فتح نواز جنگ (مہدی حسن) بھی بطور جونیر ممبر نواب محسن الملک کے شریک کار بنائے گئے اور ایک تار کے ذریعہ سے اُن کو اس انتظام کی اطلاع دی گئی، یہ امر نواب محسن الملک کو بہت ناگوار گزرا اور انھوں نے خفا ہو کر لکھا:۔

"مولوی صاحب مجھ سے آپ کو ایسا برتاؤ کرنا مناسب نہ تھا، اور جو شخص آپ کی محبت اور راستبازی اور دیانت اور دوستی پر پورا اعتماد رکھتا تھا اس کے ساتھ صفائی کا معاملہ رکھنا ہی لازم تھا بھلا یہ کوئی دوستی کی بات ہو سکتی ہے کہ اول تو آپنے مجھے بھیجا، تمام اختیارات مجھے دیئے تحریری اور زبانی مجھ پر پورا بھروسہ ظاہر کیا، اور چند روز تک اس پر عمل بھی کیا،

پھر خدا جانے کیا ہوا کہ آپ نے بغیر میرے پوچھے، بغیر میری درخواست کے دوسرے کو شریک کر دیا اور اس کی مجھے صاف صاف اطلاع بھی نہ دی اگر آپ نے رزیڈنٹ کو یا انڈیا آفس کو لکھا ہو تو اُس سے صاف کیوں نہ مطلع کیا، تاکہ میں اتنے دنوں تک خواب غفلت میں نہ رہتا اور اب تک کب کا روانہ با شد ہو گیا ہوتا، کیا ایک لحظہ کے لیے بھی میں ایسی ذلّت برداشت کر سکتا تھا کہ مجھ پر بے اعتمادی کی جائے اور تمام نقشہ بدل دیا جائے اور پھر مجھ سے یہ اُمید کی جائے کہ میں صرف نوکری کے لیئے ان سب روحانی مصیبتوں کو اپنے اوپر گوارا کروں“

لیکن جب انتصار جنگ نے بذریعہ تار اصلی واقعات سے اطلاع دے کر اُن کی غلط فہمی رفع کر دی تو وہ مطمئن ہو گئے اور لکھا کہ:-

”آپ کا تار آیا اور جب آپ نے ایسے الفاظ میں اپنا افسوس ظاہر کیا تو میں نہایت ہی باجی ہوں کہ اس پر یقین نہ کروں یا اب ذرا بھی اس بات کا خیال دل میں رکھوں، لیجئے میرا دل صاف ہو گیا، اب اس کا خیال بھی میرے دل میں نہ آئے گا، نہ آپ اس کا آیندہ ذکر کیجئے“

ایک خط میں شکوہ و شکایت کے بعد نواب انتصار جنگ کو لکھتے ہیں:-

”جب آپ ساری کہانی سنو گے اور امیر حمزہ کی داستان ختم ہو گی اُس وقت قبلہ ضرور آپ تسلیم کرو گے کہ غریب بارہہ کے سید نے نہ حماقت کی نہ شرارت، اور آپ نے جس کام پر اُسے بھیجا اس میں نا اُمیدی نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ اس بیچارے کی جان کے لالے پڑ گئے اور تمام عمر کے لیے نکما ہو گیا، ایسا داغ لگ گیا کہ جس سے جان بری نہایت مشکل ہی۔ غرض کہ حضرت ہم تو اپنی جان پر کھیل گئے، ڈاکٹروں کی نہ سنی جان دینے ہی پر آمادہ ہو گئے، اور آپ نے یہ قدر کی، سبحان اللہ و بحمدہ“

اسی طرح متعدد خطوط میں اُنھوں نے نہایت وضاحت کے ساتھ اُن مشکلات کا ذکر کیا ہی جن سے اُن کو مقابلہ کرنا پڑا، ایک خاص دشواری یہ تھی کہ سردار دلیر جنگ ڈرائنگی پارٹی نے گورنمنٹ نظام، اور مدار المہام کے متعلق انگلستان میں پروپگنڈا شروع کر دیا تھا، اور لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا کہ مدار المہام ذاتی عداوت کی بنا پر دلیر جنگ کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں ایک کوشش مخالفین کی طرف سے یہ بھی جاری تھی کہ گورنمنٹ ہند کو سرکار نظام سے بدظن کر دیں، اور یہ ظاہر کریں کہ ریاست نے جو طریقۂ کارروائی اختیار کیا ہی اُس سے رزیڈنٹ اور گورنمنٹ ہند کی ایک گونہ بدنامی ہوتی ہی کہ اُنھوں نے عہدنامہ کے معاملہ میں کافی احتیاط سے کام نہیں لیا اور ریاست کے فائدہ کو نظرانداز کر دیا، نواب انتصار جنگ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ اُن کے ہوشیار مخالف کس قسم کا جال پھیلا رہے ہیں اس لئے وہ نہایت احتیاط اور استقلال سے کام کرتے تھے، اور نواب محسن الملک کو بھی یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ انگلستان میں بغیر انڈیا آفس کی صلاح و مشورہ کے کوئی کام نہ کریں، چنانچہ نواب محسن الملک نے مقدمہ کی پیروی کے علاوہ وزیر ہند اور انگلستان کے اکثر جلیل القدر اور ذمہ دار اشخاص کے خیالات کی اصلاح کی، اور اپنے طرزِ عمل سے گورنمنٹ نظام کی وقعت میں اضافہ کیا، اور حیدرآباد میں نواب انتصار جنگ نے معاملات کو پورے طور پر قابو میں رکھا اور علاوہ اپنے عہدہ کے فرائض کے، نواب محسن الملک کے عہدہ (معتمد پولیٹیکل و فنانس) کا کام بھی بڑی قابلیت سے انجام دیا، اور وزارت کی پالیسی پر عمدہ طریقہ سے عمل کیا، یہاں تک کہ نواب فتح نواز جنگ نے اپنے ایک خط میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کو لکھا:۔

"ہماری حالت یہ ہی کہ آپ سے خفا ہوتے ہیں آپ کو الزام دیتے ہیں، مگر روز بروز آپکے قائل ہوتے جاتے ہیں، کم سے کم یہ تو ضرور کہینگے کہ بڑی بے خوفی اور مضبوطی اور ایمانداری کے ساتھ اس عرصہ میں گورنمنٹ کو آپنے چلایا، اور بے انتہا تعریف کے قابل آپ کی پالیسی ہی۔"

مقدمہ کی تحقیقات کافی مدت تک جاری رہی، بڑے بڑے لوگوں کی شہادتیں ہوئیں بہت سے دلچسپ واقعات کا انکشاف ہوا۔ مسٹر کارڈری سابق رزیڈنٹ کی بھی شہادت ہوئی، جن کے زمانہ میں معاہدہ

کی تکمیل ہوئی تھی، جرح کے وقت وہ پریشان ہو گئے، اور بہت لغو وفضول باتیں اُن کی زبان سے نکل گئیں اُن کا طرزِ عمل اس معاملہ میں ایسا تھا کہ بعض حلقوں میں خود اُن کی حالت مشتبہ سمجھی جاتی تھی، اور اسی سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کے پرائیویٹ سکرٹری کرنل مارشل کا نام بھی برے طریقہ سے لیا جاتا تھا۔

مسٹر کاڈری کے متعلق اس وقت لوگوں کے جو خیالات تھے، اس کا کسی قدر حال اس خط سے معلوم ہوتا ہے جو مسٹر جے سیمور کے نے (جو اس مقدمہ میں سرکار نظام کے ایک مشیر تھے) نواب انتصار جنگ کو لکھا ہے، جس کے چند فقرے اس موقع پر نقل کئے جاتے ہیں مسٹر سیمور کہتے ہیں :۔

"جو کچھ عبدالحق (دلیر جنگ) نے کیا وہ دونوں سلطنتوں کے سامنے کھلے بندوں کیا گیا ہے اس نے اور کاڈری (رزیڈنٹ) نے درحقیقت ہر قسم کا انتظام کیا، اور گورنمنٹ آف انڈیا نے بڑی بھاری غلطی کی جو اس پر (رزیڈنٹ پر) اعتبار کیا۔ میں کاڈری پر جرح تیار کر رہا ہوں جو سلیکٹ کمیٹی کے سامنے ہوگی اور یہ اس کے واسطے ایک نہایت ہی ناگوار تجربہ ہوگا جو اس کو کبھی اپنی عمر میں نہ ہوا ہوگا .... صرف کاڈری ہی ایک ایسا شخص رہ گیا ہے جو عبدالحق سے وابستہ ہے اور اس وابستگی کا سبب ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت کے شخص پر بھی ظاہر ہے، کیونکہ حیدرآباد میں برٹش رزیڈنٹ کی حیثیت سے اس کا فرض تھا کہ ایسے تغلب کو روکتا بجائے سدِباب کرنے کے اس نے ان بدنام کن معاملات کو ترقی دی اور گورنمنٹ آف انڈیا تک پہنچایا۔

کاڈری کے لئے اگر کوئی ممکن عذر اس بدنام کن کارروائی کے متعلق ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ عبدالحق کی دیانت پر کامل بھروسہ اور اعتقاد کرے۔ جو بیوفائی نظام کے فوائد و اغراض کی نسبت اُس نے عمداً برتی ہے، اس کا اخفا اسی طرح ہو سکتا ہے، اور کاڈری جب تک ایسا اندھا اعتقاد عبدالحق کی دیانت کے متعلق ظاہر نہ کرے، اُس وقت تک خود اس کا کیرکٹر الزام سازش سے

محفوظ نہیں رہ سکتا۔"

غرض طویل تحقیقات کے بعد کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی کہ :-

(۱) اجارۂ معدنیات اجارہ داروں کے حق میں نہایت سودمند ہوا، کیونکہ کمپنی کے سرمایہ میں سے آٹھ لاکھ پچاس ہزار پونڈ اُن کے ہاتھ آئے، اب رہا یہ معاملہ کہ منجملہ ایک لاکھ حصص کے پچاسی ہزار حصص کیونکر اجارہ داروں کو حاصل ہوئے، تو اس کے متعلق یہ اقبال کیا جاتا ہی کہ اجارہ دار جب کسی اجارہ کو کسی کمپنی کے ہاتھ فروخت کریں تو وہ اس فروخت سے فائدہ اُٹھانے کے مستحق ہیں، چنانچہ موجودہ معاملہ میں مسٹر واٹسن نے یہ بیان کیا کہ "اقرارنامہ" کی شرائط کے اندر، اجارہ داروں کو ان پچاسی ہزار حصص سے فائدہ اُٹھانے کی گنجایش تھی۔

(۲) کمیٹی سرکار نظام، یا اجارہ داروں، یا کمپنی یا حصہ داروں کے قانونی حقوق یا ذمہ داریوں کی نسبت رائے ظاہر کرنے سے احتراز کرتی ہی، لیکن اُس کی یہ رائے ہی کہ اجارہ دار اجارہ کو اُس سے زیادہ بڑے بڑے فوائد حاصل کرنے کے کام میں لائے جن کے عطا کرنے کا ارادہ نہیں کیا گیا تھا، اور یہ فائدے اس طور سے حاصل کیئے گئے کہ اُس ریاست کو جس سے اُن کو (بہ اعانت اپنے شریک عبدالحق کے) اجارہ ملا، نقصان پہنچا۔

(۳) کمیٹی نے یہ رائے قایم کی کہ اگر یہ پچاسی ہزار حصص غیر کامل القیمت رہتے تو اجرائی اوّل کے پندرہ ہزار حصوں کے علاوہ اُن کے ذریعہ سے سرمایہ حاصل ہوتا جو زیادہ تر حیدرآباد کے ملک میں صرف ہوتا، جس سے اس ملک کو فائدہ پہنچتا، لیکن اجارہ داروں کے اس طرز عمل کی وجہ سے، ملک کو نقصان پہنچا۔

مندرجۂ بالا نتایج کے علاوہ کمیٹی نے یہ رائے بھی قایم کی کہ :-

"جن حالات میں اجارہ معدنیات حاصل کیا گیا اُن سے واضح ہوتا ہی کہ کس قدر ضرر ہندوستانی ریاستوں کو لندن کے منصوبہ بازوں کے

بلا وساطت ہندوستانی وزرا تک دخل پانے سے پہنچ سکتا ہی معاملہ حال میں ابتدائی انتظامات عبدالحق اور اجارہ داروں کے مابین ہوئے اور جب ایک مسودہ اُن کے زیر ہدایت مرتب ہو چکا، انگریزی عہدہ داروں نے اس پر غور کیا، جب یہ معاملہ رزیڈنٹ، گورنمنٹ آف انڈیا اور سکرٹری آف اسٹیٹ کے سامنے پیش ہوا تو اُن میں سے کوئی بھی عبدالحق کے حالات سے جس سے احتیاط رکھنے کی ضرورت تھی واقف نہ تھا۔

اس سے قطع نظر کرکے یہ صاف ظاہر ہی کہ قول نامہ کی شرائط پر کم غور کیا گیا بمقابلہ اُس کے جو اس وقت کیا جاتا جب شرائط مذکو رسرکار نظام کے کارپرداز کی طرف سے منظور نہ کرلی گئی ہوتیں، یہ نتیجہ قابل افسوس ہی اور یہ ظاہر ہی کہ اگر زیادہ مؤثر، بلاواسطہ مدد و صلاح گورنمنٹ حیدرآباد کو سرکار انگریزی کی طرف سے ملتی تو جو کچھ گزرا ہی وہ نہ ہونے پاتا"

کمیٹی کی تحقیقات کے سلسلہ میں جب یہ ظاہر ہوگیا کہ دلیر جنگ نے خود اپنے حصے سرکار نظام کے ہاتھ فروخت کرڈالے اور ریلوے کے معاملہ میں تراسی ہزار پونڈ بطور حق السعی حاصل کیئے تو سردار دلیر جنگ نے سر سالار جنگ اوّل مرحوم کا ایک خط پیش کیا جس میں سردار صاحب کو یہ لکھا گیا تھا کہ:۔

"میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ ریلوے اور معدنیات کے معاملہ میں کوئی معاوضہ لینے پر جس سے وہ لوگ تمہاری خدمتوں کا تمہیں انعام دینا چاہیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، اور یہ کہ جو کچھ تمہیں ان لوگوں سے ملے گا اُسے میں صرف تمہارا ہی حق سمجھونگا"

مگر اس خط کا مقدمہ کی کارروائی پر کوئی اثر نہیں پڑا، اور اُس کی اصلیت پر بھی شبہ کیا گیا۔

کمیٹی کے تقرر کے بعد ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جب کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا تو اُس کو باضابطہ طور پر اطلاع دی گئی کہ حضور نظام سے حصص کی خریداری کا جو معاملہ ہوا تھا وہ باہمی انتظام سے منسوخ کر دیا گیا، اور جو روپیہ سرکار نظام نے صرف کیا تھا وہ حضور نظام کو واپس ملگیا غرض جہاں تک حصص کی خریداری کا تعلق تھا معاملہ صاف ہو چکا تھا، اور اب صرف یہ امر زیر بحث تھا کہ آیندہ کمپنی کے متعلق کیا صورت اختیار کی جائے؟

ایک صورت یہ بھی کہ کمپنی سے جو عہد نامہ ہوا ہی وہ فسخ کر دیا جائے لیکن اوّل تو یہ امر مشتبہ تھا کہ ایسا ہونا بہ آسانی ممکن بھی ہی یا نہیں، اس کے علاوہ یہ کہ اس کارروائی سے کمپنی کو بہت نقصان پہونچتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ مناسب شرائط پر جو فریقین میں سے کسی کے لیئے مضر نہ ہوں مصالحت کرلی جائے، اس معاملہ میں دوسری طرف سب سے زیادہ نمایاں شخصیت مسٹر واٹسن کی تھی اور انہی کے طرز عمل پر مصالحت کا دار و مدار تھا، کمیٹی کی تحقیقات کا نتیجہ شائع ہو چکا تھا، اور نواب محسن الملک ابھی انگلستان میں موجود تھے، اُنھوں نے یہ مناسب سمجھا کہ بہترین قانونی مشورہ اور ایسے مستند لوگوں کی رائیں حاصل کی جائیں جن پر پبلک کو اعتماد ہو، چنانچہ اُنھوں نے اس معاملہ میں وزیر ہند سے رہنمائی کی درخواست کی، اور اُنھوں نے تین اعلیٰ درجہ کے سالیسٹروں کے نام اُن کو بتائے، نواب محسن الملک نے ان لوگوں کی خدمات حاصل کیں اور اُن سے بحث و گفتگو کر کے اہم و پیچیدہ معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی، ایک ماہر فن اور تجربہ کار بیرسٹر نے معاملہ پر غور کرنے کے بعد یہ رائے دی کہ گورنمنٹ نظام کو اس عطیۂ (معدنیات) کے منسوخ کر دینے کا حق حاصل ہی۔

غرض مسٹر واٹسن اور اُن کے رفقا سے ماہرین قانون کے ذریعہ سے گفتگو جاری رہی مگر کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا، اور نہ نواب محسن الملک اپنی گورنمنٹ سے مشورہ لیئے بغیر کوئی قطعی فیصلہ کر سکتے تھے، اور چونکہ اُن کی صحت خراب ہو چکی تھی، ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق وہ ہندوستان روانہ ہو گئے، اور ماہرین قانون کے مشورہ سے جو تجاویز مرتب کی گئی تھیں، ان کا مسودہ اُنھوں

نے اپنے ساتھ لے لیا۔

نواب محسن الملک کی روانگی کے سلسلہ میں وزیر ہند نے وائسرائے کے نام حسب ذیل تار صیغہ راز میں بھیجا۔

"مہدی علی بمعیت رابرٹسن بارادہ ہندوستان ۱۱ اکتوبر کو جہاز پر روانہ ہوگا، غالباً سرکار نظام کے روبرو تصفیہ کی وہ تجویزیں جن کی نسبت واٹسن کے سوسٹروں سے بات چیت ہوچکی ہے وہ پیش کریگا، رزیڈنٹ کو لازم ہے کہ ہندوستان کے مباحثہ کی نسبت رپورٹ کرے۔"

اسی سلسلہ میں ۲۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو وزیر ہند نے ایک اور تار "بصیغہ راز" وائسرائے کے نام بھیجا، کہ :-

"پارلیمنٹ میں سوال ہوا، حیدرآباد کے غور و خوض میں کیا ترقی ہوئی"

وائسرائے نے رزیڈنٹ سے دریافت کیا، جس نے بذریعہ تار جواب دیا :-

"بات چیت ہورہی ہے لیکن واٹسن سرکار نظام کی تجویز کو نامنظور کرتا ہے، آخری کارروائی کے متعلق لندن کے کونسل سے مشورہ لیا گیا ہے، خط بعد کو روانہ ہوتا ہے، بغیر سابقہ اطلاع کے کوئی قطعی بات یہاں نہ ہوگی۔"

غرض اب معاملہ کے لیے ۲۱ جنوری ۱۸۸۹ء کو رزیڈنسی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مدارالمہام کے تمام معتمدین، اور نواب فتح نواز جنگ شریک تھے، یہ سب لوگ باہم مختلف الرائے تھے، نواب محسن الملک کو نواب فتح نواز جنگ کی رائے سے اختلاف تھا، نواب انتصار جنگ نے علیحدہ ایک مفصل یادداشت تیار کی تھی، غرض کوئی تصفیہ اس وقت نہ ہوسکا، اور مدارالمہام اور رزیڈنٹ کے مابین سلسلہ مراسلت جاری رہا، رزیڈنٹ کو نواب محسن الملک کی تجاویز پسند تھیں لیکن سر آسمان جاہ کو نواب انتصار جنگ کی یادداشت کے مطابق تصفیہ کرنا پسند تھا، اور آخر کار اسی یادداشت کی بنیاد پر کافی مباحثہ کے بعد تصفیہ ہوگیا۔ اور جدید معاہدہ کے ماتحت ستر ہزار روپیہ

کے حصص گورنمنٹ نظام کو حاصل ہوئے۔

لندن ٹائمز نے اس جدید معاہدہ پر اظہارِ طمانیت کرتے ہوئے لکھا کہ

"خاص خاص معاہدے جو اس اقرار کے رو سے ہوئے ہیں یہ ہیں کہ کہ اجارہ دار ایک لاکھ پچاس ہزار پونڈ کی رقم بطور سرمایۂ اضافی بکار کے فراہم کرینگے جس پر اس وقت تک کوئی منافعہ نہ دیا جائے گا، جب تک کہ پانچ فیصدی معمولی (اصلی) سرمایہ پر تقسیم نہ ہولے، اس شرط کے عوض میں کوئلہ کے کانوں کی تلاش کرنے کی مدت ۳۱ دسمبر ۱۹۰۸ء تک بڑھا دی گئی ہے، جس کی وجہ سے یہ مدت اُس مدت کے مطابق ہو گئی ہے کہ اس سے قبل سونے اور جواہرات کے متعلق عطا کی جاچکی ہے × × × × × محاصل شاہی اور مستاجری، ذیلی اور تفصیلی باتیں ہیں جو یقیناً عمدہ طور پر سرکار عالی اور کمپنی کے مابین طے ہو جائینگے اس لیئے کہ اب تمام امور متنازعہ فیہ کا تصفیہ ہو چکا ہے اور اُن کو ماضی کے مدفن میں جگہ مل چکی ہے۔"

کمپنی سے تو معاملہ طے ہو گیا لیکن قانونی مشیروں کی رائے سے سردار دلیر جنگ پر دیوانی میں مقدمہ چلایا گیا جو بمبئی ہائیکورٹ میں پیش ہوا، جواب دعوی کے سلسلہ میں دلیر جنگ نے ایسے کاغذات پیش کیئے جو سر سالار جنگ اول و ثانی اور کرنل مارشل کے زمانہ سے تعلق رکھتے تھے، اور ان تحریروں کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی منظوری سے لکھی گئی ہیں۔ اب مشکل یہ تھی کہ دونوں سالار جنگ وفات پا چکے تھے، اور کرنل مارشل کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کیا بیان کرینگے واقعات کی نوعیت کے لحاظ سے یہ لازم آتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کا اظہار باضابطہ قلمبند کیا جائے، لیکن سر آسمان جاہ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کو زحمت دیجائے اس لیے اُنھوں نے چاہا کہ دلیر جنگ سے مصالحت کر لیں لیکن اسی زمانہ میں "سر ٹلوڈن" رزیڈنٹ ہو کر حیدرآباد آگئے تھے جو "خاص قسم" کی شہرت رکھتے تھے۔ اُنھوں نے مدار المہام سے اختلاف کیا اور زور دیا کہ مقدمہ

ضرور چلا یا جائے، لیکن سر آسمان جاہ نے اس کو کسی طرح منظور نہ کیا، اور مصالحت کر لی گئی لیکن اس واقعہ نے بلوڈن کو سر آسمان جاہ سے برہم کر دیا۔

معدنیات کے معاملہ میں اگرچہ سردار دلیر جنگ نے کوئی کامیابی یا نیک نامی نہیں حاصل کی، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر بر گشتگی بخت سے یہ واقعات پیش نہ آجاتے تو وہ حیدر آباد میں سب سے زیادہ با اقتدار اور دولتمند شخص ہوتے۔ مسٹر نارٹن (مشہور بیرسٹر) نے جن کو دلیر جنگ سے سابقہ پڑا تھا بالکل صحیح کہا ہے کہ

"بہت سی صورتوں میں وہ (دلیر جنگ) ایک قابل توجہ آدمی تھا، اُس کی قابلیت میں کوئی شک نہیں۔ اُس نے اپنی زندگی کی ترقی کا پہلے سے راستہ بنا لیا تھا، اور بہت بہادری کے ساتھ اُس نقشہ کے مطابق عمل کیا، فنانس اس کی خاص چیز تھی اور وہ پورا بزنس مین تھا، اُس نے ریاست کو سیاسی اور اقتصادی اُصول پر لوٹا۔"

نواب فتح نواز جنگ کا معاملہ اور رزیڈنٹ کی مداخلت

ریاست کے معاملات میں رزیڈنٹ کی مداخلت سر سالار جنگ کے زمانہ سے قایم تھی، اور سر آسماں جاہ بھی جہاں تک ممکن ہوتا تھا رزیڈنٹ کی خوشنودی کا خیال رکھتے تھے، تاہم وہ عام طور پر مداخلت کو ناپسند کرتے تھے۔ اور اُنھوں نے اپنا یہ خیال ایک دفعہ خود اعلیٰ حضرت کے سامنے بھی تحریراً ظاہر کر دیا تھا۔ سر سالار جنگ کے عہد میں مداخلت کا جو سلسلہ جاری تھا اُس کے متعلق یہ عذر کیا جا سکتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کی نوعمری کی وجہ سے مداخلت اور نگرانی کی ضرورت ہے، لیکن اعلیٰ حضرت کے بااختیار ہونے کے بعد ریاست کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے کوئی معنے نہ تھے۔ مگر بااین ہمہ یہ مداخلت بدستور جاری تھی۔

مقدمہ معدنیات کے زمانہ میں بجاے مسٹر کاڈری کے مسٹر ہاول حیدرآباد کے قایم مقام رزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ یہ ایک معمر اور تجربہ کار شخص تھے، اس لیئے بظاہر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کا زمانہ پرسکون رہیگا لیکن یہ خیال غلط نکلا زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ اُنھوں نے مولوی مہدی حسن (نواب فتح نواز جنگ) کے معاملہ سے مداخلت کی ابتدا کی۔

واقعہ یہ تھا کہ اُن عمدہ خدمات کے صلہ میں جو مولوی مہدی حسن نے مقدمہ معدنیات کے متعلق انگلستان میں انجام دی تھیں، اعلیٰحضرت کی منظوری سے اُن کے لیئے ہوم سکرٹری کا عہدہ تجویز کیا گیا، مسٹر ہاول نے بغیر کسی معقول وجہ کے اس تقرر پر اعتراض کیا۔ سردار دلیر جنگ کے علیحدہ ہونے کے بعد اس عہدہ پر عارضی طور پر مولوی سید علی صاحب بلگرامی کا تقرر کر دیا گیا تھا، اور وہ خود بھی اس جگہ پر رہنا چاہتے تھے اور اس کے لیئے کوشش کر رہے تھے، اِس لیئے معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا تھا، بدقسمتی سے نواب محسن الملک کے تعلقات بھی مولوی مہدی حسن سے اچھے نہ تھے؛ لیکن نواب انتصار جنگ اُن کو پسند کرتے تھے اور اُن کی قابلیت کے معترف تھے، مگر مسٹر ہاول کو مولوی مہدی حسن سے کچھ ایسی بدگمانی تھی کہ وہ کسی موقع پر بھی اُن کی خدمات سے فائدہ اُٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ نواب محسن الملک اپنے پرائیویٹ روزنامچہ میں

۱۵؍ جنوری ۱۸۸۹ء کو لکھتے ہیں:-

"۷ بجے شب کے ڈاکٹر لاری صاحب کے یہاں دعوت تھی۔ ہاول صاحب بھی آئے تھے، بہت دیر تک معدنیات کے مقدمہ کی بات چیت ہوتی رہی، اُن کی تقریر سے نہایت خفگی مولوی مہدی حسن کی نسبت پائی گئی، میں نے کہا کہ گناہ سے زیادہ اُن کو سزا دی جاتی ہے، اگر کچھ اُن کی خطا ہو بھی تو وہ اے غلطی ہے نہ کہ نیت کی، میں نے صاف لفظوں میں ہاول صاحب سے کہا کہ اُن کی دیانت داری اور ایمان داری میں کچھ شبہ نہیں ہے اور جب تک میں ولایت میں رہا، اور اب بھی مجھے اس کے باور کرنے کے وجوہ معلوم ہیں کہ وہ ایمان دار ہیں، اِس لیئے ان کو اس مقدمہ (معدنیات) کے مشورہ میں ضرور شریک کرنا چاہیئے، ہاول صاحب نے کہا کہ میں دیانت و غیر دیانت سے بحث نہیں کرتا، میں اُن کو بالکل اس کام کے لائق نہیں جانتا نہ اُن کے مشورہ کو کچھ مفید جانتا ہوں۔"

نواب محسن الملک نے رزیڈنٹ سے جو کچھ کہا ہو، لیکن واقعات سے یہ ثابت ہے کہ وہ اور اُن کی پارٹی نواب مہدی حسن کو ناپسند کرتی تھی، لیکن نواب انتصار جنگ اُن کے تقرر کی حمایت میں تھے، کیونکہ اعلیٰ حضرت اس تقرر کا حکم دے چکے تھے اور مدار المہام اس کا اعلان کر چکے تھے، لہٰذا اس حکم کی تنسیخ سے اعلیٰ حضرت اور مدار المہام کے رعب و اقتدار کو صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا۔ اِس بنا پر اُنھوں نے سر آسمان جاہ کو مشورہ دیا کہ اس تقرر پر اصرار کریں، لیکن باوجود سر آسمان جاہ کے اصرار کے مسٹر ہاول اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اور گویا اُنھوں نے مولوی

مہدی حسن کے مقابلہ میں ایک حریفانہ حیثیت اختیار کرلی۔ مسٹر ہاول نے جو الزامات لگائے تھے، نواب مہدی حسن نے اُس کا معقول و مدلل جواب دیا، اور یہ نوٹس دیا کہ اگر اُن کی تردید قبول نہ کی گئی تو وہ سارا معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا کے سامنے پیش کردینگے، غرض اس معاملہ کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچی کہ رزیڈنٹ اور سرآسماں جاہ کے مابین بے لطفی پیدا ہوگئی۔

اِن واقعات کی اب اسقدر شہرت ہوگئی کہ اخبارات میں بھی بحث چھڑگئی، اور مسٹر ہاول کی مداخلت کو بُری نظر سے دیکھا گیا، چنانچہ دکن پنچ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۸۸۹ء نے اس معالمہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا:۔

"آیا مسٹر کاڈری ابھی تک رزیڈنسی میں موجود ہیں تاکہ سلطنت نظام کے اندرونی معاملات میں غیر منصفانہ اور تحکمانہ مداخلت کرتے رہیں اور نظام ر گورنمنٹ کو آئے دن اُس کے احکام بدلنے پر مجبور کرتے رہیں۔ کچھ روز ہوئے کہ یہ افواہ مشہور ہو رہی تھی، کہ نواب فتح نواز جنگ کے ہوم سکرٹری کے عہدہ پر تقرر کے وقت رزیڈنٹ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ جب کہ مسٹر عبدالحق، (دلیر جنگ) کی معطلی پر سید علی بلگرامی کا تقرر عہدہ ہوم سکرٹری پر مشورہ رزیڈنٹ کیا گیا تھا تو مستقل طور پر تقرر کرتے وقت رزیڈنٹ کا مشورہ کیوں نہیں لیا گیا۔ ہم کو نہیں معلوم کہ گورنمنٹ نے اس کا کیا جواب دیا تھا، اور ہم اس بات کا یقین نہیں کرسکتے کہ ایسے وقت میں جب کہ رزیڈنٹ کی کرسی پر مسٹر ہاول رونق افروز ہوں (جن کی نسبت یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ موجودہ عہد نامون کے مخالف اندرونی انتظامات ریاست میں دست اندازی کرینگے) ایسے واقعات کا اعادہ ہوگا۔"

حیدرآباد گارڈین کی تحریر سے ہمارے دل میں اس امر کا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ نواب فتح نواز جنگ کا اپنے جدید عہدہ کا اس وقت تک چارج نہ لینا رزیڈنٹ کی کسی ایسی ہی

کارروائی کی وجہ سے ہی، نہیں معلوم کہ اس قسم کی مداخلت رزیڈنسی کی طرف سے کب تک جاری رہیگی۔"

"یہ بھی افواہ ہی کہ بعض اعلےٰ عہدہ داران ریاست بھی سید علی بلگرامی کا تقرر مستقل طور پر اس عہدہ پر چاہتے ہیں اور اس کے واسطے اپنی پوری کوشش صرف کر رہے ہیں، ریاست کے ملازمین کے لیئے اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کی غرض سے ریاست کے احکام کی توہین کرنے کی کوشش کرنا نہایت غیر واجبی ہی ——— ہماری تو یہ رائے ہی کہ عہدہ ہوم سکرٹری حسب تجویز ہز ہائنیس، نواب فتح نواز جنگ کو دیا جائے نہ کسی دوسرے شخص کو۔ ہز اکسیلنسی (وزیر) کا تہور و استقلال رزیڈنسی کے خاموش کر دینے کے واسطے کافی ہی۔"

لیکن سب اخبارات وزارت کے موافق نہ تھے، بلکہ متعدد اخبارات پر مخالف پارٹیاں قبضہ کر چکی تھیں جو اُن کی مالی اعانت کرتی تھیں اور اُن کے لیئے خبریں بہم پہنچاتی تھیں، متعدد انیگلو انڈین اخبارات اس وقت تاجرانہ حیثیت سے کام کر رہے تھے، یعنی جس پارٹی کے شریک ہونے میں منفعت سمجھتے تھے اُسی کے ساتھ شامل ہو کر اُس کے محامد و مناقب شایع کرتے اور دوسری پارٹی پر نکتہ چینیاں کرتے تھے، اِن اخبارات کے نامہ نگار حیدرآباد میں موجود تھے جو اُن کو ہر محکمہ و صیغہ اور ہر عہدہ دار کے متعلق خفیہ طور پر خبریں بھیجتے تھے، بعض اوقات یہ اخبارات دوسری پارٹی کو بدنام کرنے کے لیئے بہت سے اہم و خفیہ سرکاری کاغذات شائع کر دیتے تھے جس سے دفعتاً ایک شور برپا ہو جاتا تھا، سرآسمان جاہ اور نواب انتصار جنگ کے لیے یہ زمانہ نہایت نازک تھا اور اُن کو مجبوراً تدبر اور بیدار مغزی سے اس طوفان کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا، ورنہ وزارت کا خاتمہ تھا۔

کلکتہ کا انگریزی اخبار اسٹیٹمین سر آسمان جاہ اور ریاست حیدرآباد کا ہوا خواہ تھا اور وزارت کی حمایت میں مضامین شائع کرتا تھا، ایک شریف انگریز مسٹر رابرٹ نایٹ اس زمانہ میں اسٹیٹمین

کے ایڈیٹر تھے، جو اخبار میں سر آسماں جاہ کی تائید کرنے کے علاوہ پرائیویٹ خطوط کے ذریعہ سے بھی سر آسماں جاہ کو مفید مشورے دیتے تھے۔ اپریل ۱۸۸۹ء میں انھوں نے سر آسماں جاہ کو جو خطوط لکھے ہیں اُن کے بعض حصے اس موقع پر نقل کیے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

"آپ مجکو معاف کیجئے میرا یہ خیال ہی کہ بہت اچھا ہوتا اگر دیسی ریاستوں کے مدار المہام، رزیڈنٹوں اور ایجنٹوں کا ذرا زیادہ مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا کرتے، اگر وہ ایسا کرینگے تو گورنمنٹ ہند بھی اُن کی زیادہ مدد کیا کرے گی، اگر ضرورت ہو تو پارلیمینٹ میں اپیل کرنے کا بھی مضایقہ نہیں، مجھے یقین ہی کہ مسٹر ہاول کبھی اس قابل نہیں ہیں کہ وہ حیدرآباد میں رزیڈنٹ رہیں۔"

"میرے دوست آپ کو کبھی مسٹر ہاول کو مہدی حسن کے تباہ کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیئے اگر وہ مشتعل ہو گئے تو وہ اُن کی تباہی کی ضرور کوشش کرینگے، اس صورت میں آپ کو وائسراے سے اپیل کرنا چاہیئے، میرے خیال میں لارڈ لینسڈون ایسے شخص ہیں کہ اُن سے بہتر آج تک کوئی وائسراے ہندوستان میں نہ آیا ہوگا اور وہ وائسراے ہونے کی حیثیت سے آپ کے ہاتھوں کو کمزور نہ ہونے دیں گے۔"

"وہ (رزیڈنٹ) کس طرح اس بات کے زبان پر لانے کی جرأت کرینگے کہ آپ مہدی حسن کو ہوم سکرٹری نہ کیجئے اس فعل میں انھوں نے اپنے اختیارات کا نہایت نالائق استعمال کیا۔"

"ایک صاحب میری ملاقات کو تشریف لائے جو کہ ایک انگریز بیرسٹر ہیں تھوڑی دیر آپس میں بات چیت کرنے کے بعد مجھ سے فرمانے لگے کہ میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ اسٹیمین کو سر آسماں جاہ کی مدار المہامی سے برخاست کرانے کے لیئے استعمال کردوں؟ —————— چونکہ مجکو نہایت ہی

حیرت ہوئی اس لیے میں نے کوشش کی کہ انھیں کچھ اور بھی کھولوں۔ وہ بھی بہت ہوشیار تھے اتنا کہہ کر چلے گئے کہ پرسوں پھر آؤنگا مگر چلتے چلتے صاف الفاظ میں یہ بھی کہتے گئے کہ سر آسماں جاہ برخاست ہوگئے تو جتنا روپیہ مانگو گے ملے گا"

ان واقعات سے اندازہ ہوسکتا ہو کہ سر آسماں جاہ اور اُن کے مشیروں کے لیئے یہ زمانہ کتقدر پرخطر تھا۔ غرض اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقتضائے مصلحت وایسرائے نے مسٹر ہاول کو اُن کے عہدہ سے ہٹا کر سر ڈینس فٹز پٹرک کو رزیڈنٹ مقرر کیا، جو ایک محتاط، معاملہ فہم، اور شریف طینت انگریز تھے، اور اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے تھے، اور برٹش گورنمنٹ کی یہ صحیح پالیسی کہ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے اُن کے پیش نظر تھی، اور یہ ظاہر ہو کہ وزیر کے کسی سکرٹری کا تقرر ایک اندرونی معاملہ تھا، جس میں مداخلت کرنے کا اصولاً رزیڈنٹ کو اختیار نہ تھا، لیکن اس معاملہ خاص میں یہ پیچیدگی پیدا ہوگئی تھی کہ نواب محسن الملک اور نواب انتصار جنگ باہم حریف مقابل سمجھے جاتے تھے، اور نواب فتح نواز جنگ سے اگرچہ نواب محسن الملک نے صلح کرلی تھی لیکن اندیشہ تھا کہ یہ صلح دیرپا نہ ثابت ہوگی، لہذا مخالف پارٹی کو یہ خطرہ تھا کہ نواب فتح نواز جنگ کے ہوم سکرٹری ہوجانے سے نواب انتصار جنگ کی قوت وطاقت میں اضافہ ہوجائیگا اور توازن قایم نہ رہے گا، ان واقعات کے لحاظ سے جدید رزیڈنٹ کو بھی اس معاملہ خاص میں اپنے پیشرو کے خلاف فیصلہ کرنے میں تامّل تھا، اور خود ریاست کے بعض بڑے عہدے دار بھی یہ چاہتے تھے کہ رزیڈنٹ کی مداخلت کا سلسلہ بدستور جاری رہے، لیکن جب سر آسماں جاہ نے رزیڈنٹ سے مل کر گفتگو کی اور واقعات کی حقیقت بتائی تو اُن کے تمام شکوک وشبہات رفع ہوگئے اور نواب مہدی حسن کے ہوم سکرٹری مقرر ہونے کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہوگیا۔

اِس ملاقات کے بعد سر آسماں جاہ نے اعلیحضرت کو پرائیویٹ طور پر حسب ذیل معروضہ لکھا۔

"شنبہ کو جب کہ خانہ زاد بڑے صاحب سے ملا تو ہوم سکرٹری وغیرہ

کے ضروری مسائل میں اُن سے گفتگو ہوئی بڑے صاحب نہایت ہی عمدہ شخص ہیں اُنھوں نے صاف صاف فرمایا کہ وہ کسی طرح مدارالمہام کے اندرونی انتظام میں دخل دینا پسند نہیں کرتے، بالآخر جو انتظام اُن کے دوستانہ مشورہ و صلاح اور باہمی گفتگو سے طے ہوا، وہ خانہ زاد حضرت پیر و مرشد کی اطلاع کے لئے پیش کرتا ہے، اُمید ہے کہ حضرت پیر و مرشد بھی اس کو پسند فرمائینگے۔ غرۂ محرم ۱۳۰۷ھ سے جو شروع سال ہے اس انتظام کو خانہ زاد جاری کریگا، یہ دو دن کا توقف خاص اس لیے ہے کہ اگر حضرت پیر و مرشد کوئی اور ہدایت فرمائیں تو اُس کے بموجب عمل کیا جائے۔ اس انتظام میں جو مسٹر فٹز پیٹرک کے اتفاق سے عمل میں آتا ہے، حضرت پیر و مرشد ملاحظہ فرمائینگے، کہ مولوی مہدی حسن نواب فتح جنگ نواز بہادر کی ہوم سکرٹری بہت عمدہ طریقہ سے قایم رہ گئی ہے، جو حضرت پیر و مرشد کی منظوری سے جریدہ میں مشتہر ہو چکی تھی، اور ہاول صاحب کے اصرار سے اب تک ملتوی رہتی چلی آتی تھی۔

خانہ زاد کو اس تمام کارروائی میں بہت زیادہ خیال جس بات کا تھا وہ یہی تھا کہ حضرت پیر و مرشد کی زبان مبارک سے جو امر ایک دفعہ ارشاد ہوا، اُس کے مطابق جس طرح ممکن ہو عمل کیا جاوے تاکہ عام مخلوق کو معلوم ہوتا رہے کہ بادشاہ کا حکم بادشاہ ہی کا حکم ہے۔"

غرض ان واقعات کے بعد اکتوبر ۱۸۸۹ء میں نواب فتح نواز جنگ ہوم سکرٹری بنا دیئے گئے اور جو کشمکش اور باہمی مخالفت قریباً ایک سال سے جاری تھی، جدید رزیڈنٹ کی حکمت عملی سے عارضی طور پر اُس کا خاتمہ ہو گیا، اور مخالف پارٹی بھی اس وقت بظاہر خاموش ہو گئی، لیکن دقیقہ رس نگاہیں اس پُر سکون حالت میں ایک جدید طوفان کے آثار دیکھ رہی تھیں، اس واقعہ نے مخالفین کی آنکھیں کھول دی تھیں اور اگرچہ اس وقت وہ خاموش تھے، کیونکہ رزیڈنٹ سے اُن کو کسی اعانت کی توقع

نہ تھی، لیکن اُنھوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ نواب انتصار جنگ اور فتح نواز جنگ کے اقتدار پر اگر کاری ضرب لگائیں، بلکہ اگر ضرورت ہو تو موجودہ وزارت کا بھی خاتمہ کر دیں۔

مقدمۂ الماس سر آسماں جاہ کی وزارت اور نواب انتصار جنگ کے زمانہ معتمدی میں جو اہم واقعات حیدرآباد میں پیش آئے، اُن میں ایک ہیرے کا مقدمہ بھی ہے، اس مقدمہ کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ بعض لوگوں کے خیال میں یہی مقدمہ نواب انتصار جنگ کے زوال کا باعث ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک ہیرا کیمبرلے کی کان سے نکل کر انگلستان پہونچا، اور فرانس میں تراشا گیا، وزن کے لحاظ سے یہ سب مشہور ہیروں سے بڑا تھا، اس لئے چند روز میں اس کو خاصی شہرت حاصل ہو گئی، ایک دفعہ جب پرنس آف ویلز (کنگ ایڈورڈ) نے اس کو دیکھا تو بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ "شاہنشاہ الماس" ہے، جب سے اس کا نام امپیریل ڈائمنڈ مشہور ہو گیا۔

جب مسٹر جیکب تاجر شملہ نے (جن کی آمد و رفت حیدرآباد میں بھی تھی) اس ہیرے کا حال سنا تو اُس کو ہندوستان منگوانے کا انتظام کیا، اور لندن کی کمپنی "گلبرگ اینڈ کو" سے اس کی خریداری کے متعلق مراسلت کر کے اُس کا ماڈل منگوایا، اور عابد (ارمنی)[1] کے ذریعہ سے اعلیحضرت آصف جاہ سادس کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ممدوح نے بشرط پسند اس کی خریداری منظور فرمائی۔ ہیرے کی قیمت ۴۶ لاکھ روپیہ تھی، مسٹر جیکب نے اعلیٰ حضرت سے یہ طے کیا کہ نصف قیمت (۲۳ لاکھ) کسی بنک میں امانتاً جمع کر دی جائے تا کہ وہ ہیرے کو حیدرآباد لا سکیں، اور اگر اعلیحضرت ہیرے کو ناپسند فرمائینگے تو روپیہ واپس کر دیا جائیگا۔

جب ہیرا ہندوستان آیا تو مسٹر جیکب نے شملہ میں اس کی نمائش کی، جب اس کی شہرت ہوئی تو لیڈی لینس ڈون بھی دیکھنے آئیں اور اس کی آب و تاب دیکھ کر گرویدہ ہو گئیں، لارڈ لینس ڈون نے جب اس ہیرے کی قیمت اور حالات دریافت کئے تو ان کو ایک کروڑ روپیہ قیمت بتائی گئی اور یہ کہا گیا کہ اعلیحضرت نظام نے اس کی خریداری منظور فرمائی ہے، اور انھی کی ضرورت سے

[1] اعلیٰ حضرت کا ایک مخصوص و مشہور خادم،

منگوایا گیا ہے۔

لارڈ لینسڈون (وائسرائے) نے رزیڈنٹ کو اطلاع دی کہ ریاست کی مالی حالت تو ناقابل اطمینان ہے، اور اعلیٰ حضرت اتنا قیمتی ہیرا خریدتے ہیں چنانچہ رزیڈنٹ نے اعلیٰ حضرت کو خریداری سے باز رہنے پر آمادہ کیا، لیکن پیشگی روپیہ بنک میں جمع ہو چکا تھا۔ اور مسٹر جیکب ہیرا لے کر حیدرآباد پہنچ گئے تھے۔ آخرکار اعلیٰ حضرت نے ہیرا واپس کر دیا۔ جب خریداری کا یہ معاملہ ہو رہا تھا اُس وقت نواب انتصار جنگ، کو وہاں بیرسٹر تھے اور اُنھوں نے یہ خبر سُنکر وہاں سے تحریراً مشورہ دیا تھا کہ دونوں طرف سے بنک ضامن کر دیا جائے، لیکن یہاں معاملہ طے ہو چکا تھا اور روپیہ امانتاً بنک میں جمع ہو گیا تھا۔

ہیرا واپس کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت نے عابد کو حکم دیا کہ جیکب کو مطلع کرے کہ امانت کا روپیہ فوراً واپس کر دینا چاہیئے۔ مسٹر جیکب نے جواب دیا کہ وہ کلکتہ سے روپیہ واپس کرینگے، کیونکہ جب تک وہ ہیرا اُس کے مالکوں کے پاس نہ بھیجدیں، اُسوقت تک روپیہ واپس نہیں کر سکتے، لیکن مسٹر جیکب نے روپیہ واپس نہ کیا۔ اس واقعہ کے قریباً دو ماہ بعد اعلیٰ حضرت نے مکرر عابد کو حکم دیا کہ جیکب سے بذریعہ تار روپیہ کی واپسی کا تقاضا کرے، مگر باوجود تقاضے کے روپیہ واپس نہ ہوا، تو رزیڈنٹ نے قانونی چارہ جوئی کا مشورہ دیا، چنانچہ مسٹر مرجی کے ذریعے سے جو خود بھی بیرسٹر تھے، کلکتہ کے ماہرین قانون سے مشورہ لیا گیا۔ اُنھوں نے یہ رائے دی کہ فوجداری میں مقدمہ قایم کیا جائے، اعلیٰحضرت کی شہادت کی ضرورت نہ ہوگی نہ عدالت دیوانی میں دعویٰ دائر کرنے کی نوبت آئے گی۔

غرض متعدد بیرسٹر اعلیٰ حضرت کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کے لیے مامور ہوئے اور پریسیڈنسی مجسٹریٹ کے یہاں مقدمہ دائر کیا گیا چنانچہ مسٹر جیکب کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور بنک کے نام حکم امتناعی جاری کیا گیا کہ وہ مسٹر جیکب کو روپیہ نہ ادا کرے، ابتدائی کارروائی کے بعد مقدمہ سشن سپرد ہو گیا، کلکتہ میں مقدمہ کی جو کارروائی ہوتی تھی مسٹر مرجی روزانہ تار کے ذریعہ سے اس کی اطلاع دیتے تھے، اور نواب انتصار جنگ کے دفتر سے ان تاروں کا ترجمہ اعلیٰحضرت

کے ملاحظہ میں پیش ہوتا تھا۔

جب مقدمہ شروع ہوا تو ملزم کے بیرسٹر مسٹر انور اریٹی نے اعلیٰ حضرت کی شہادت پر بہت زور دیا، اور عدالت نے طویل مباحثہ کے بعد شہادت کا لیا جانا ضروری قرار دیا۔ اب دو صورتیں تھیں۔

(۱) مقدمہ سے دست برداری اختیار کی جائے۔

(۲) یا اعلیٰ حضرت شہادت دینا منظور فرمائیں۔

اوّل الذکر صورت مناسب نہ تھی کہ مطالبہ سے اس طرح دست کشی کی جائے، دوسری صورت میں کامیابی کی اُمید تھی کیونکہ معاملہ صاف تھا اور صداقت پر مبنی تھا۔ یہ بھی خیال تھا کہ اعلیٰ حضرت کا بیان بہت مختصر ہوگا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے شہادت ادا کرنا منظور فرمالیا، اور عدالت نے کمیشن جاری کردیا، جب یہ خبر عام طور پر شائع ہوئی تو لوگوں کو سخت حیرت ہوئی کیونکہ اعلیٰ حضرت کا بحیثیت ایک شاہ کے کمیشن کے سامنے جانا حیدرآباد کے لئے ایک غیر معمولی واقعہ تھا اور یہ امر اعلیٰ حضرت کے مرتبہ اور خاندان آصفیہ کی روایات کے منافی سمجھا جاتا تھا، لہذا نواب انتصار جنگ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ پبلک اور اعیان سلطنت کے اطمینان کے لئے حضور ممدوح کی طرف سے ایک اعلان شائع کیا جائے، جس میں یہ بتایا جائے کہ انصاف و معدلت کے آئین کے مطابق اعلیٰ حضرت کا شہادت دینا نہایت مستحسن اور قابلِ تقلید فعل ہے۔ غرض نواب انتصار جنگ نے اعلیٰ حضرت کی طرف سے اعلانِ شاہی کا ایک مسودہ تیار کیا جو اعلیٰ حضرت کے

اعلان شاہی (۱) مجکو اطلاع ہوتی ہے اور چند عرضداشتیں بھی میرے سامنے پیش ہوئی ہیں کہ جن میں مجکو یقین دلایا گیا ہے کہ میری رعایا میں سے بعض لوگ اس کمیشن کو ناپسند کرتے ہیں جو الماس کے مقدمہ میں میری شہادت قلمبند کرنے کے لیے جاری ہوا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حاکم وقت کا کسی عدالتی مقدمہ میں گواہی دینا خلائق کو ناگوار ہے۔ کیونکہ وہ اس کی شان حکومت اور رسم و رواج ملک کے خلاف ہے۔

(۲) میں نے جہاں تک اس معاملہ پر غور کیا وہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ میری رعایا کے خیالات کا

دستخط سے جریدہ اعلامیہ (گورنمنٹ گزٹ) میں شائع ہوا ۔ اس اعلان پر عام طور سے اعلیٰ حضرت کی تعریف کی گئی اور سر ڈینس فٹز پٹیرک نے اس کو گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس بھیجا اور اپنی ایک چٹھی میں جو سر آسمان جاہ کے نام لکھی تھی، اس اعلان کی نہایت تعریف کی۔

(بقیہ نوٹ ص ۲۶۴) یہ اظہار چند مختلف وجوہ پر مبنی ہے، سب سے اوّل اور مقدم گروہ وہ ہے جن کے دلوں میں یہ خیال اپنے فرمانروا کی نسبت محض خیر خواہی اور وفاداری کی وجہ سے جوش زن ہوا ہے اور جس کے واسطے حیدرآباد کی رعایا ہمیشہ مشہور و ممتاز رہی ہے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بعض لوگ ایسے تذکرے فقط اس منشاء سے بھی کرتے ہیں کہ میرے دل میں میرے خیر خواہ عہدہ داروں کی طرف سے جو اس معاملہ میں میری طرف سے کام میں مشغول رہے ہیں بے اعتمادی پیدا کریں اور موجودہ انتظام کو بدنام کریں اور شاید معدودے چند ایسے لوگ بھی ہیں جن کا اصلی مقصد صرف یہ ہے کہ کمیشن کی موقوفی سے مقدمہ کی غایت فوت ہو جائے۔

(۳) مجھ کو اس سے پورا اطمینان ہے کہ جن لوگوں نے اس مقدمہ پر کچھ بھی غور کیا ہے، وہ زیادہ تر اوّل قسم کے گروہ میں شامل ہیں، اور مجھے بہت خوشی ہے کہ میری رعایا دل سے مجکو اس قدر عزیز رکھتی ہے۔ ایک فرمانروا کے لیئے البتہ یہ امر افتخار اور مباہات کا موجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا میں اس درجہ ہر دل عزیز ہو۔

(۴) باقی لوگوں کی نسبت صرف اس قدر کہنا ضرور ہے کہ میرے عہدہ داروں نے جو کچھ کارروائی اس معاملہ میں کی ہے، وہ ہر قدم پر اُنھوں نے میرے علم اور میری منظوری سے کی ہے، اور میری عین خوشی ہے کہ اس معاملہ میں کی ہے۔ وہ ہر قدم پر اُنھوں نے میرے علم اور میری منظوری سے کی ہے اور میری عین خوشی ہے کہ اس مقدمہ کے متعلق قانونی کارروائی پورے طور سے عمل میں آئے، گو نتیجہ کچھ ہو۔

(۵) لیکن میرے دل پر جس قدر اثر ہے وہ اوّل قسم کے لوگوں کے خیالات کا ہے، اور اس لیئے میں بہت خوش ہونگا اگر آپ میرے اس خط کو جریدہ اعلامیہ میں شائع کرا دیں، تاکہ وہ غلط فہمی رفع ہو جائے جس میں یہ گروہ مبتلا معلوم ہوتا ہے۔

(۶) المختصر واقعہ یہ ہے کہ مسٹر حکیب میرے پاس ایک اعلیٰ درجہ کی سفارش کے ساتھ حاضر ہوئے تھے اور مجکو اس سے زیادہ اُن پر اعتماد کرنا پڑا جس کے وہ مستحق تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے اس قسم کا برتاؤ

غرض مقررہ اوقات پر کمیشن آیا۔ اُس وقت نواب انتصار جنگ نے یہ کوشش کی کہ مناسب شرائط پر باہمی مصالحت سے معاملہ کا تصفیہ ہو جائے تاکہ اعلیٰ حضرت کے بیان کی ضرورت نہ باقی رہے۔

(بقیہ نوٹ صہ ۲۶۵) کیا کہ فوجداری عدالت میں اُن پر مقدمہ دائر کرنا پڑا اور یہ فرض کر کے کہ یہ مقدمہ یہاں کی عدالتوں میں بھی دائر ہو سکتا تھا تو بھی قرین مصلحت یہی تھا کہ کلکتہ ہی میں اس کو دائر کیا جاوے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الماس بھی فوراً دستیاب ہو گیا اور ایک معتدبہ رقم بھی مسٹر جیکب سے بازیافت ہو کر جمع ہو گئی ہے، اور خود مسٹر جیکب گرفتار ہو کر تا فیصلہ عدالت، ضمانت پر رہا ہوئے۔

(۷) اور کمیشن کا حال یہ ہے اور شاید حیدرآباد کے لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ جس درخواست پر کمیشن جاری ہوا ہے وہ ہمارے ہی وکلاء کی طرف سے اور خاص میرے علم اور اجازت سے پیش کی گئی ہے، ہمارے لائق ترین مشیران قانون کی رائے یہی تھی کہ میری شہادت کے بغیر مقدمہ کی روئداد ناقص رہ جائیگی، اور بالفرض مقدمہ اگر حیدرآباد میں بھی دائر ہوتا تو اس صورت میں بھی کمیشن کی ضرورت پیش آتی کیونکہ ہماری عدالتیں بھی اب اُس حالت میں نہیں ہیں جو حالت کہ سابق میں کسی وقت اُن کی تھی، ہمارے لایق اور راست باز نظماء بھی اب ہرگز ایک ایسے مقدمہ کو میری شہادت کے بغیر فیصل نہیں کر سکتے تھے۔

(۸) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممکن تھا کہ بند سوالات بھیجدیئے جاتے اور میں اُن کے جوابات یہاں سے قلم بند کر کے روانہ کر دیتا، مگر یہ خیال صرف قانون اور ضابطہ عدالت کی ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اگر انگریزی قانون سے قطع نظر بھی کی جائے، اور اس کا بھی لحاظ چھوڑ دیا جائے کہ میرا عین منشاء ہے کہ مسٹر جیکب سے جو کچھ تصور سرزد ہوا ہو اُس کی جوابدہی کا اور انصاف حاصل کرنے کا اُن کو پورا موقع دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے عالم فقہانے بھی ایسی شہادت کو کسی فریق کے خلاف جائز نہیں رکھا، جو تحریری سوالات کے جواب میں تحریراً ادا کی جائے، بدُن اس کے کہ فریق متعلقہ کو اس پر سوالاتِ جرح کا موقع دیا گیا ہو۔

یہ صحیح ہے کہ ایک زمانہ میں حیدرآباد کی عدالتیں ایسی شہادت بلکہ محض رقعوں پر مقدمات کا فیصلہ کر دیا کرتی تھیں، مگر یہ افسوسناک حالت اس وجہ سے تھی کہ اُس وقت حکومت کی قوت ضعیف تھی، اور سرکاری عہدہ داروں کو اُمراء اور دیگر اعیان ذی وجاہت کے مقابلہ میں تائید نہیں دی جاسکتی تھی اور نظماء باوجود ہر قسم کی قابلیت اور

مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی، اور ایوانِ سیف آباد میں اعلیٰ حضرت کی شہادت شروع ہوئی جو چھ روز تک جاری رہی، جرح میں بعض ایسے سوالات بھی کیے گئے جو اعلیٰ حضرت کی تکدرِ طبع کا باعث ہوئے

(بقیہ نوٹ صفحہ ٢٦٦) نیک نیتی کے اپنی آزادی رائے سے کام نہیں لے سکتے تھے، اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ حاکمانِ وقت پر اس کی وجہ سے کس قدر وبال عاید ہوتا تھا اور مجکو کامل بھروسا ہے کہ میری رعایا اس حقیقتِ حال پر مطلع ہونے کے بعد کبھی ایک لمحہ کے واسطے بھی جائز نہ رکھے گی کہ دنیا میں یا آخرت میں وبال میری ذاتِ خاص پر عائد ہو۔

(۹) یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس خیالی اور فرضی کسرِ شان سے محفوظ رہنے کے لیے نقصان گوارا کرنا آسان تھا، لیکن تھوڑے غور سے معلوم ہو جائیگا کہ اس قسم کی کارروائی کا نتیجہ اول تو یہ ہوتا کہ دوسرے لوگوں کو بھی غلط روش پر قدم بقدم چلنے کی ترغیب و تحریص ہوتی، اور دوم یہ کہ میری رعایا اپنے فرماں روا کی اصلی عزت اور شان کے متعلق کبھی اُس غلط فہمی سے نہ نکل سکتی جو عقائد اور سنتِ اسلام کے خلاف اُن کے اذہان میں مرتکز ہو گئی تھی۔

خداوند تعالیٰ جل شانہ خود ارشاد فرماتا ہے کہ "ولا یأب الشہداء اذا ما دعوا" یعنی شاہدوں کو جب کہ اُن سے شہادت چاہی جائے ادائے شہادت سے پہلو تہی کرنا نہیں چاہیے، مغرور سے مغرور اور جبار سے جبار مسلمان حاکم کی گردن بھی اس نظیر کے سامنے نیچی ہو جانی چاہیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود اپنے زمانہ خلافت میں فریق مقدمہ کی حیثیت سے عدالت کے سامنے حاضر ہوئے، اور حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نے اُسی مقدمہ میں عدالت میں حاضر ہو کر شہادت ادا کی، مجکو جو خداوند جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے سوا کروڑ رعایا کی فرماں روائی کا مرتبہ بخشا ہے، میں ہرگز اس کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اپنے درجہ کو اہلِ بیت نبوت کے درجہ سے فائق کرنا چاہوں جن کی غلامی بھی میرے لیئے موجبِ عزت و افتخار ہے۔

(۱۰) زمانہ کی رفتار اور شاہانِ وقت کے رسم و رواج کا اگر لحاظ کیا جائے تو صرف یہ نظیر کافی ہے کہ ہز امپریل ہائنس پرنس آف ویلس نے کئی مواقع پر بنفس نفیس عدالت کے سامنے حاضر ہو کر اظہار دیا ہے۔

(۱۱) آخر میں میں چاہتا ہوں کہ میری محبوب رعایا کا ہر طبقہ، اُمرا و جاگیردار و سپاہ، اور دوسری عام رعایا جن کو میں اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں بخوبی سمجھ لیں اور ہمیشہ کے لیئے سمجھ لیں کہ سابق میں گو کچھ ہی رسم و رواج رہا ہو، اور دوسرے فرماں رواؤں نے اپنے اختیار سے اپنے واسطے گو کیسے ہی حقوق قرار دیئے

اور اس بنا پر لوگوں کو یہ موقع ملا کہ وہ خواہ مخواہ نواب انتصار جنگ کو مقدمہ کا ذمہ دار قرار دے کر اعلیٰ حضرت کو اُن کی طرف سے بدظن کریں لیکن اس مقدمہ سے کھلا ہوا فائدہ یہ ہوا کہ الماس نصف قیمت پر مل گیا۔ یعنی لاکھوں روپیہ ریاست کا بچ رہا۔

امپیریل سروس ٹروپس اور نواب انتصار جنگ کی یادداشت

نواب انتصار جنگ کے زمانہ قیام میں ایک اہم معاملہ "امپیریل سروس ٹروپس" کا پیش آیا جس کے عمدہ طریقہ سے حل کرنے میں انھوں نے خاص حصہ لیا۔

جس زمانہ میں یہ معاملہ پیش آیا ریاست کی مالی حالت نازک تھی، اور ملک کی اندرونی ضرورتیں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ مگر با ایں ہمہ مشکلات اسی زمانہ میں سردار دلیر جنگ اور اعلیٰ حضرت کے پرائیوٹ سکرٹری

(بقیہ نوٹ ص ۲۶۷) ہوں، لیکن میں اپنی ذاتِ خاص کے واسطے اس سے زیادہ کوئی حق قایم کرنا نہیں چاہتا جس کو خدا نے اور اُس کے رسول نے میرے واسطے مقرر کر دیا ہی، اور میں خدا کی درگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے اس ارادہ پر آخر وقت تک ثابت قدم رکھے"۔

رزیڈنٹ کا خط مدار المہام کے نام

نواب سر آسمان جاہ نے اعلیٰ حضرت کا یہ اعلان رزیڈنٹ کے پاس بھی بھیجدیا جس کو پڑھ کر انھوں نے نواب ممدوح کو حسب ذیل خط لکھا:

"مجکو ہز ہائنس کی چٹھی پڑھنے سے نہایت مسرت حاصل ہوئی، اور صرف ان وسیع اور فیاضانہ خیالات اور اعلیٰ درجہ کی آزادی طبع ہی کا نہیں جو اس سے ظاہر ہوتی ہی، بلکہ جو عنایت آمیز خیال ہز ہائنس اپنی رعایا کی نسبت رکھتے ہیں اور جو شفقت آمیز لفظ ہز ہائنس نے اُن کے قابل عفو تہمات باطلہ کی نسبت جو برابر ظاہر ہیں ظاہر فرمایا ہی اُس کا بھی میرے دل پر نہایت اثر ہوا، نیز مجکو ہز ہائنس کی چٹھی سے اس بات کے معلوم ہونے سے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ جن بڑے بڑے اُصولوں کا چٹھی مذکور میں حوالہ دیا گیا ہی، اور جن پر مغربی ملکوں کے قانون اس قدر زور دیتے ہیں اُن کی تائید مذہب اسلام کے بزرگ پیشواؤں کی تلقین اور تمثیل سے ہوتی ہے۔ مجھ کو بھروسا ہی کہ اس چٹھی سے ایک نہایت مفید اثر پیدا ہوگا اور صرف موجودہ موقع یا حیدرآباد ہی پر محدود نہ ہوگا کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ جو نظیر ایک ایسے ہندوستانی والی ملک نے قایم کی ہی جو بلحاظ رتبہ کے اس ملک میں سب سے اول درجہ پر ہی اُس کا دوسرے ہندوستانی والیان ملک اور کمتر درجہ کے بہت سرداروں پر ضرور بالضرور نہایت مفید اثر ہوگا جو بالفعل اس طریقہ میں جو انصاف کے

کرنل مارشل کی تجویز سے اعلیٰ حضرت کی طرف سے ۶۰ لاکھ روپیہ کی نقد امداد، حفاظت ہند کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں پیش کی گئی، اور عجیب بات یہ ہو کہ اعلیٰ حضرت نے اس معاملہ میں اپنے ارکانِ سلطنت حتیٰ کہ مدار المہام سے بھی مشورہ نہیں لیا۔

اس امداد کے سلسلہ میں یہ تحریک بھی پیش ہوئی کہ بجائے ساٹھ لاکھ نقد کے ریاست کے مصارف سے ایک جدید فوج مرتب کی جائے جس سے انگریزی فوج جب اور جہاں چاہے کام لے سکے یہ فوج علاوہ حیدرآباد کنٹنجنٹ کے تجویز کی گئی تھی۔

بیان کیا جاتا ہو کہ کرنل مارشل کے ذریعہ سے جو اس تجویز کے اصلی مصنف تھے، گورنمنٹ آف انڈیا کی یہ خواہش بھی اعلیٰحضرت پر ظاہر کر دی گئی تھی کہ اس امدادی فوج کی تعداد برٹش گورنمنٹ کی مرضی پر منحصر ہوگی، اس زمانہ میں عام طور پر یہ بھی مشہور تھا کہ کرنل مارشل نے ۶۰ لاکھ کی امداد کا جو مشورہ اعلیٰ حضرت کو دیا، یہ درحقیقت گورنمنٹ ہند کے اشارہ اور تحریک پر مبنی تھا۔

اگرچہ ریاست اس وقت مالی مشکلات میں مبتلا تھی لیکن چونکہ اعلیٰ حضرت اپنے ارادہ کی ابتدا گورنمنٹ ہند کو دے چکے تھے، لہٰذا اب وزارت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس وعدہ کے پورا کرنے کا انتظام کرے۔ حیدرآباد میں اس وقت جو فوج تھی اُس کا ایک حصہ نظم جمعیت (بے قاعدہ فوج) کہا جاتا تھا، جس میں زیادہ تر عرب اور روہیلے داخل تھے۔ اسی زمانہ میں یہ مسئلہ بھی درپیش تھا کہ یہ فوج موقوف کر دی جائے کیوں کہ رزیڈنسی کے نزدیک اسکی ضرورت نہ تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت کے اس وعدہ کے متعلق سلسلہ مراسلت جاری تھا اور نواب انتصار جنگ اس معاملہ کے متعلق نہایت غور و احتیاط سے کام کر رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسی بحث کے سلسلہ میں اس امر پر زور دیا کہ

(بقیہ نوٹ ص ۲۶۸) مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہو شہادت دینا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ میں نے آپ کی چٹھی اور کاغذ ملفوفہ کی نقل گورنمنٹ ہند کی خدمت میں بھیجی ہو۔

(۱) شاہنشاہی اغراض کی امداد کے لئے دولتِ آصفیہ کو اپنے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے ضرور ایک اوّل درجہ کی فوج مرتب کرنا چاہئے لیکن اس فوج کی افسری کے لئے ہر سال اُمرائے حیدرآباد کے نوجوان لڑکے فوجی تعلیم کے لئے انگلستان کے سینڈہرسٹ کالج میں بھیجے جائیں اور بالفعل جب تک کہ اِس قسم کے نوجوان تعلیم حاصل کرکے واپس آئیں کسی یورپین افسر کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا جائے، اور مناسب یہ ہے کہ نواب افسر جنگ بہادر اس فوج کے افسر مقرر کیے جائیں

(۲) چونکہ حیدرآباد ایک کوہی ملک ہے اس لئے خچر کی بیٹری بھی قایم کی جائے۔

(۳) اور چونکہ اس فوج کے پاس جدید قسم کے اسلحہ ہونگے اسلئے اعلیٰ حضرت کے باڈی گارڈ کو بھی جدید اسلحہ سے آراستہ کرنا لازمی ہے کیونکہ اگر ان باڈی گارڈ کے پاس اس قسم کے اسلحہ نہونگے تو لا محالہ طور پر اعلیحضرت کی کسرِ شان کا باعث ہوگا۔

(۴) چونکہ امپیریل سروس ٹروپس کو فوراً قایم کرنا چاہیئے، اس لئے بہ نظر تعجیل باقاعدہ فوج میں سے امپیریل سروس میں جوانوں کو منتخب کرکے منتقل کیا جائے اور نظم جمعیت میں سے باقاعدہ فوج کی کمی پوری کرلی جائے۔ اس طریقہ سے یہ فائدہ ہوگا کہ بے قاعدہ فوج باقاعدہ فوج میں مبدل ہوجائے گی، اور امپیریل سروس ٹروپس سے جو مصارف بڑھینگے وہ ایک بڑی حد تک بے قاعدہ فوج کی اس تخفیف سے پورے ہوجائینگے۔

(۵) اِن ٹروپس کے علاوہ نواب سر آسمان جاہ بہادر کی طرف سے بھی انہی اصول و شرائط کے ساتھ ایک فوج کی امداد پیش ہوئی، لیکن اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ یہ فوج اُس وقت میدان جنگ میں بھیجی جائے گی، جب کہ سر آسمان جاہ یا اُن کا کوئی قایم مقام ایکٹیو سروس میں جائے گا۔

نواب انتصار جنگ کی یہ یادداشت جس کو ٹائمز آف انڈیا نے سر نیاٹن کے لفظ سے نامزد کیا تھا اس قدر معقول تھی کہ اس کے جواب و تصفیہ میں ایک زمانہ گزر گیا، حالانکہ دیگر ریاستوں نے اِس پیشکش کے بعد اعلان کیا تھا اور ہر جگہ یہ فوج ترتیب دی جارہی تھی مگر حیدرآباد میں ابھی سلسلہ مراسلت ہی جاری تھا۔ اور فریقین غور و فکر میں مصروف تھے۔

غرض نواب انتصار جنگ کے سامنے یہ معاملہ طے نہ ہو سکا، لیکن اُن کے حیدرآباد چھوڑنے کے بعد دو رسالے امپریل سروس ٹروپس کے قایم ہو گئے، یعنی باقاعدہ فوج کے تین رسالوں اور گول کنڈہ برگیڈ سے سواروں کا انتخاب کر کے چار چار سو سواروں کے دو رسالے قایم کیئے گئے۔

استرداد برار کا معاملہ

مملکتِ آصفیہ سے صوبہ برار جس طور پر جدا کیا گیا، اُس کے واقعات اب اس قدر عام ہو چکے ہیں کہ یہاں اُن کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ گزشتہ ۵۰ سال میں ہندوستان اور انگلستان میں بارہا یہ مسئلہ زیر بحث آ چکا ہے۔ سر سالار جنگ نے اپنے زمانہ وزارت میں برار کی واپسی کے لیئے زبردست کوشش کی، یہاں تک کہ اسی مقصد سے انگلستان بھی گئے، لیکن کامیابی نہیں ہوئی، اور آخر کار اُن کو یہ بتایا گیا کہ جب تک اعلیٰ حضرت بااختیار نہ ہوں یہ مسئلہ نہ چھیڑا جائے۔ چنانچہ سر سالار جنگ اور اُن کے شریک عمل نواب امیر کبیر نے مجبوراً اپنی جدوجہد کو اعلیٰ حضرت کی تخت نشینی کے انتظار میں ملتوی کر دیا۔ لیکن جب اعلیٰ حضرت بااختیار ہوئے تو سر سالار جنگ اور امیر کبیر دونوں دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اس لیئے کوئی باضابطہ کوشش عمل میں نہیں آئی۔

سر سالار جنگ ثانی کے مختصر عہد وزارت میں بھی اندرونی مشکلات کی وجہ سے یہ معاملہ بدستور ملتوی رہا، لیکن سر آسمان جاہ اور اُن کے مشیر خاص نے ہمیشہ استرداد برار کے معاملہ کو پیش نظر رکھا اور گزشتہ تجربہ کے لحاظ سے یہ چاہا کہ اس دفعہ واپسی برار کا مطالبہ نہایت مضبوط اور مستحکم طریقہ سے کیا جائے۔ مدار المہام کے ارادوں کا حال کسی قدر اس پرائیویٹ خط سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے ایک سربرآوردہ انگریز کو اس بارہ میں لکھا ہے۔ اس انگریز نے نواب سر سالار جنگ مرحوم کی ایک چٹھی مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۸۷۵ء جو اُس کے نام لکھی گئی تھی، سر آسمان جاہ کے پاس بھیجی تھی، جس میں سر سالار جنگ نے مکتوب الیہ کو لکھا تھا کہ:-

"درصورت برار کی واپسی کے تم کو علاوہ اس ۱۰ لاکھ روپیہ کے جو دیئے جا چکے ہیں

آٹھ لاکھ اور دیئے جائینگے"۔

نواب سر آسماں جاہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

"ذاتی طور پر مجکو اپنے لایق ہیشرو کے وعدہ کی تائید کرنے میں ذرا بھی عذر نہیں ہے لیکن ایک ایسے بھاری معاملہ میں حضور پر نور کی رضا مندی ضرور ہے مگر میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں پہلے ہی موقع پر اس کو حاصل کر لونگا۔ آپ جانتے ہیں کہ آج کل سے زیادہ کوئی وقت مسئلہ برار کے چھیڑنے کے لیئے نہیں ہو سکتا اس معاملہ کو اس وقت تک خاموش رہنا چاہیئے جب تک کہ بندگان عالی گورنمنٹ کے روبرو ایسے دلائل پیش کرنے قابل نہ ہوں جن سے کامیابی کی اُمید ہو۔ میں کبھی ہز ہائینس کو مشورہ نہ دونگا کہ وہ اس معاملہ میں اُس وقت تک کوئی کارروائی کریں (اور نہ کسی اور شخص کو اُن کی طرف سے اس معاملہ میں کسی کارروائی کے کرنے کی اجازت دونگا) جب تک کہ بندگانِ عالی کو اس امر کا پورا اطمینان ہو جاوے کہ صاحب رزیڈنٹ اور جناب ویسرائے مسئلہ برار کے شروع کیئے جانے پر راضی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بندگانِ عالی کے مشیر آپ کی عمدہ خدمات حاصل کرنے سے نہایت خوش ہونگے اور کامیابی کی صورت میں سر سالار جنگ کے وعدوں کے آپ پورے مستحق ہونگے۔ لیکن ریاست کی مالی اور پولیٹیکل حالت اس قدر نازک ہو رہی ہے کہ میں حضور پر نور سے اس امر کے کہنے کی کسی طرح جرارت نہیں کر سکتا کہ رقم مذکورہ بالا میں سے کوئی رقم آپ کو دیجاوے اگر خط مذکورہ بالا (سر سالار جنگ کا خط) کے بموجب اگر ایک لاکھ روپیہ کی اشد ضرورت ریاست کے فائدہ کے لیئے کسی وقت ہو گی تو میں ہز ہائینس سے عرض کر کے ایک لاکھ روپیہ آپ کو مناسب اقساط میں دلا دونگا۔

لیکن اسی کے ساتھ میں اُمید کرتا ہوں کہ اس ریاست کے دوست خواہ

ہندوستان میں ہوں یا انگلستان میں اور جس میں آپ بھی شامل ہیں اُن کو یاد رکھنا
چاہیئے کہ وقت بہت قریب ہے جب کہ گورنمنٹ اس مسئلہ کے شروع کرنے کی اجازت
دیگی، اُس وقت ریاست کو اُن کی دوستی کی بہت ضرورت ہوگی اور جو لوگ کہ
بندگانِ عالی کو اپنے مشورہ اور توجہ سے اس وقت مدد دینگے وہ یقیناً اُن کے
الطافِ خسروانہ کے مستحق ہونگے"۔

غرض آسماں جاہ اور نواب انتصار جنگ نے عزم کرلیا تھا کہ وہ برار کے معاملہ کو ضرور چھیڑینگے چنانچہ جب ایک مرتبہ سر ڈینس فٹز پیٹرک (رزیڈنٹ) نے بر سبیل تذکرہ اس معاملہ کے متعلق نواب انتصار جنگ کے خیالات دریافت کئے تو انھوں نے صاف جواب دیا کہ:۔

"ہم نے واپسی برار کا خیال کبھی ترک نہیں کیا اور ہم کو جو دعاوی
پیش کرتے ہیں وہ سب آپ ہی کے ذریعے سے پیش کرینگے"۔

غرض نواب انتصار جنگ پورے انہماک کے ساتھ اس کام میں مصروف ہوگئے اور تمام عہدناموں اور متعلقہ کاغذات کے عمیق مطالعہ کے بعد ڈھائی سال کی محنت میں ایک مدلل و مبسوط یادداشت تیار کی، یہ بھی بیان کیا جاتا ہی کہ اس یادداشت کی ترتیب و تیاری میں ہر فرجی برسٹر نے بھی اُن کو مدد دی۔

یہ یادداشت مدار المہام کے معروضہ کے ساتھ بغرض منظوری اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی لیکن اس سے پہلے کہ معاملہ اس حد سے آگے بڑھے نواب انتصار جنگ کو حیدرآباد چھوڑنا پڑا، اور اس کے بعد انقلاب وزارت ہوگیا ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

آخر کار سر مہاراجہ کشن پرشاد کے یادگار عہد وزارت میں لارڈ کرزن نے ۱۹۰۲ء میں ایک جدید معاہدہ کے مطابق ۲۵ لاکھ سالانہ کے معاوضہ میں برار کا (بظاہر) دوامی پٹہ حاصل کرلیا، ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

وظیفہ کی درخواست اور اُس کے اسباب

جب کہ معتمد مال گزاری اور مشیر مدار المہام کی حیثیت سے نواب انتصار جنگ کو پورا عروج و اقتدار حاصل تھا، اُنھوں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی سی سالہ مدت ملازمت کے ختم ہونے کے بعد ملازمت سے سبکدوشی حاصل کریں۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۹۰ء کو اُن کی ملازمت کے ۳۰ سال پورے ہوتے اُنھوں نے اس تاریخ سے قریباً دو ہفتہ پہلے نواب سر آسماں جاہ کی خدمت میں وظیفہ کی درخواست پیش کی اور اُس میں لکھا کہ :-

"میری دیرینہ آرزو ہے کہ اکتیسواں سال آزادی میں شروع کروں لہذا ان دو ہفتوں کے منقضی ہونے پر وظیفہ مرحمت کیا جائے اور ادائے خدمت سے سبکدوشی بخشی جائے۔"

لیکن نواب سر آسماں جاہ نے جب اس درخواست کے جواب میں خاموشی اختیار کی تو اُنھوں نے دو ہفتہ کی مدت گزر جانے کے بعد پھر لکھا کہ :-

"خدا کے فضل و کرم سے آج فدوی کی ملازمت کے ۳۰ سال ختم ہوئے الحمد للہ علیٰ ذٰلک کل دوشنبہ سے فدوی آزادی چاہتا ہے، اب جس کو ارشاد ہو خدمت کا جائزہ سپرد کردوں۔"

نواب انتصار جنگ کی یہ درخواست اس بنا پر نہ تھی کہ وہ اپنی پُر مشقت اور مصروف زندگی سے گھبرا گئے تھے، یا کام کرنے سے تھک گئے تھے اور اب آرام کرنا چاہتے تھے، قدرت نے ان کو کام کرنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اور کام ہی اُن کے لیے سب سے زیادہ راحت بخش چیز تھی

لے سر سالار جنگ اول نے نواب انتصار جنگ کے تقرر کے وقت، گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ ملازمت کو بھی سرکار نظام کے حساب میں داخل کر لیا تھا، اس لحاظ سے اُن کی ملازمت کو پورے تیس سال ہو گئے تھے، اگرچہ حیدرآباد کا زمانہ ملازمت اس قدر نہ تھا۔

بلکہ اصلی واقعہ یہ تھا کہ وہ اُن مُسلسل سازشوں کا مقابلہ کرنے سے معذور تھے جو بڑی قابلیت قوت اور تنظیم کے ساتھ عمل میں آتی تھیں۔ وہ مقابلہ کرنے سے اس وجہ سے عاجز نہیں تھے کہ اس کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، اُن کی قابلیت اور تدبر کا تو اُن کے حریفوں کو بھی اعتراف تھا، لیکن اُن کی خاص کمزوری یہ تھی کہ وہ ان اسلحہ سے کام لینا نہیں چاہتے تھے جن سے اُن کے مخالفین کام لیتے تھے، اُن کی سیاست وہ سیاست نہ تھی جس میں مذہب و اخلاق کے تمام قوانین نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں لہذا ایسی حالت میں دیانت اور راست بازی کے ساتھ ان سازشوں کا مقابلہ نا ممکن تھا اس کے علاوہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ اب حالات ایسے تبدیل ہو گئے ہیں کہ دیانت و آزادی کے ساتھ کام کرنا دشوار ہے، اور چونکہ ملازمت سے اُن کا مقصد صرف کسبِ معاش نہ تھا، بلکہ ایک اسلامی سلطنت کو اپنی خدمات سے فائدہ پہونچانا بھی مقصود تھا لہذا وہ ایسی حالت میں اپنے وجود کو بیکار سمجھتے تھے جب کہ مرضی کے مطابق کام کرنے کا موقع حاصل نہ ہو، اُن کے چاروں طرف جو طوفان برپا تھا وہ اُس کو اچھی طرح محسوس کرتے تھے اور اُنھوں نے سر آسماں جاہ سے بھی صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ:۔

"ہر طرف انٹریگ ہی انٹریگ ہے، ہم مرنگ پر زندگی بسر کر رہے ہیں، خورشید جاہ کی دولت، کوتوال، اپنے معتمدین، مصاحبین، اور حضور کی مصاحب وغیرہ سب کی طرف سے ہر وقت خطرہ ہے۔"

نواب انتصار جنگ کی یہ رائے بالکل صحیح تھی، بڑے بڑے با اقتدار عہدے دار اور بعض اینگلو انڈین اخبارات اس زمانہ میں سر آسماں جاہ کی وزارت کو متزلزل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سی سالہ ملازمت کے متعلق نواب انتصار جنگ کا ایک پُر معنی بیان

وظیفہ کی درخواست پیش کرنے کے بعد نواب انتصار جنگ نے اپنی سی سالہ ملازمت کے متعلق ایک خاص مضمون مشتہر کیا جس میں پُر لطف تلمیحات و اشارات کے ذریعہ سے اپنی ملازمت کے حالات بیان کیے ہیں (اخبار

دکن اسٹنڈرڈ نے ۲۴ ستمبر ۱۸۹۰ء کے پرچہ میں یہ مضمون مع ایک نوٹ کے شائع کیا ہی جو حسب ذیل ہی :-

"نواب انتصار جنگ کی خدمت کا تیسواں سال بروز دوشنبہ ۲۲ ستمبر سنہ رواں کو ختم ہوا - نواب موصوف کے لیے یہ ایک ایسا دن تھا جس کی نسبت لوگوں کو معلوم ہی کہ وہ بڑے اشتیاق اور فخر کے ساتھ کئی مہینہ سے اُس کے منتظر تھے، اور سنا جاتا ہی کہ اُس کو وہ اکثر اپنا روز جوبلی کہا کرتے تھے نواب موصوف اس بات کو باور کرتے ہیں اور اُن کے باور کرنے میں کوئی اُن پر اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایسی طویل کامیابی کے ساتھ تیس سالہ خدمت کے ملازم کے لیے بالکل کافی وجہ ہی کہ وہ اُس دن کو جس کے اندر ملازمت مذکور پوری ہو، اور اپنے کام سے سبکدوش ہو، کسی قسم کی خصوصیت سی مختص کرے - نواب موصوف جیسی سمجھ اور ادراک والے شخص خودستائی کے عادی نہیں ہوتے، لیکن اس موقع پر ہم نے اُن کو ایسے سنجیدہ الفاظ میں جس کے وہ عادی ہیں بیان کرتے سنا ہی -

ہم ناگزیر طور پر جہاں تک ممکن ہی نواب صاحب کے مضمون کا لفظی ترجمہ کر کے شائقین اخبار کے ملاحظہ میں گزرانتے ہیں، نواب موصوف فرماتے ہیں :-

"میرا جہاز دور و دراز کے تیس سالہ سفر کے بعد آخر کار صحیح و سلامت بندرگاہ میں پہنچ گیا، میرے لیے یہ ایک نہایت دلچسپ سفر تھا اور گو اس سفر کا روزنامچہ دنیا کے ہاتھ میں تھا، تاہم وہ سنجیدہ اور دل خوش کن واقعات سے خالی نہیں - بعض اوقات میری کشتی سمندر میں بڑے امن و امان سے بہتی ہوئی چلی گئی، لیکن بعض اوقات اس کو سخت طوفان سے مقابلہ کرنا پڑا جہاں اوپر سوائے تیرہ و تار آسمان اور نیچے خوفناک

سمندر کی لہروں، اور جانب راست لوہے سے جکڑے ہوئے کنارے اور بائیں جانب خطرناک جوش زن امواج کے شور و غوغا کے اور کچھ نہ تھا، گویا چاروں طرف سے خوف و خطر نے گھیر لیا تھا اکثر اس کمزور جہاز کو دھوکہ کی امواج نے بہا کر قرب جوار کی چٹانوں سے ٹکرانا چاہا! لیکن ہمیشہ ایک ہادی نمودار ہو گیا جس نے تباہ ہونے سے بچا لیا، ایکمرتبہ اس جہاز نے پوشیدہ ٹکراتی لہروں سے ٹکر کھائی جس کی وجہ سے چالیس مہینے تک جہاز اُتھلے پانی اور دلدل میں غوطے کھاتا رہا، جہاں سے سالار جنگ نامی جہاز نے اُس کو بچایا، لیکن میرا جہاز ہمیشہ ایسا ٹکراتا ہوا نہیں رہا، مختلف اوقات میں وہ سمندر کی صاف سطح پر اُن کناروں پر سے جہاں لوگ بکثرت خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور اُن مرغزار اور کناروں پر سے جہاں خوشنما پھول پھولے ہوئے اور شیریں پھلوں سے باغیچے بھرے ہوئے تھے گزرتا اور بہتا چلا گیا، بعض اوقات وہ دُور کے سمندر کے ایسے جزیروں کے روبرو سے گزرا ہے جن میں غریب اور سیدھے سادے لوگ رہتے ہیں اور جو ڈکیتوں کے بے رحم ڈاکوں اور سخت دستورات کی ظلم سے تنگ ہیں، لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایسے مواقع پر ہم جہاز کے ملاحوں نے اپنے بدبخت بھائیوں کو مدد دینے میں کوتاہی نہیں کی، بلکہ حسب لیاقت ہر قسم کے ظلم سے اُن کے بچانے کی کوشش کی، بعض اوقات ہم کو اپنی خوش قسمتی سے ایسا موقع بھی دستیاب ہوا، کہ ہم نے ڈوبتے ہوئے لوگوں اور بیٹھتے ہوئے جہاز کو سمندر کے طوفان سے بچایا، اکثر ایسا ہوا ہے کہ ہماری رسد کم پڑ گئی ہے اور ہم کو عرصہ تک کم خوراکی پر گزر اوقات کرنی پڑی ہے، بعض اوقات ہم کو گھری ہوتی آبنائے سے جہاں لوگوں کے

فریق جان سے ہاتھ دہو کر لڑ رہے تھے، گزرنا پڑا ہی، جہاں سے ہم بالکل صاف
نہ بچ سکے لیکن بعض وقت ہم نے اپنے راستہ کو بالکل رکا ہوا پایا، اور ہم کو
اپنی قسمت اُس فرقہ کی تقدیر میں شریک کرنی پڑی جس کو ہم نے راستی و انصاف
پر پایا، اُس وقت ہم کو کمربستہ ہو کر لڑنا اور جنگ کے نتیجہ پر قانع رہنا پڑا،
بعض وقت ہمیشہ کی نگرانی اور افکار نے ہمارے جہاز راں کو بیمار ڈال دیا،
اور ہمارا جہاز خوف و خطر کی حالت میں رہ گیا، اکثر سمندر کی عجیب مخلوقات نے
ہم کو بھی اپنی ہی جنس سے سمجھا، اور خیال کیا کہ ہم اُن کے امن و امان کو کھونے
یا اُن کے ملک پر قبضہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں پس اُنھوں نے ہماری کشتی
کو بڑے خوفناک اور خونخوار حملہ سے ڈبانا چاہا، لیکن ہمارے پورے پورے
مسلح جہاز کو اُن کی ضعیف کوششیں صرف اسی قدر نقصان پہونچا سکیں کہ
ہم کو اپنے جہاز کی رفتار تھوڑے عرصہ کے لیے کم کر دینی پڑی، لیکن ان
سب سے بڑھ کر دریائی افعی اور دیگر حشرات الارض تھے جنھوں نے آفتاب
کی روشنی سے بچکر سمندر کی پناہ میں اکثر ہمارے جہاز کے پیندے پر حملہ کیا۔
لیکن اب ہمارا سفر طے ہو گیا۔ اُس کا اچھا اور بُرا موسم، اُس کا آندہی اور
طوفان کا زمانہ سب خواب و خیال باتیں ہو گئیں، منزل مقصود صرف ہمارے
سامنے ہی بلکہ ہم اس پر پہنچ گئے ہیں، ہمارے ہوشیار رہبر کی جرارت اور ہوشیاری
نے ہم کو با امن و امان امن کی بندرگاہ یعنی آزادی وتن آسانی اور امن و
امان کے مقام میں پہونچا دیا، وہ سامنے مختلف قسم کی جھنڈیاں سر پر اُڑاتے ہوئے
عرصہ دراز کے فراق دیدہ دوست ہم آوارہ گردوں کو استقبال کر کے گھر
لے جانے کے لیئے آرہے ہیں، پھر اچھی طرح دیکھو وہ سامنے مجمع میں علیگڑھ
کے نوجوانوں کی کلاہ دگون نظر آتی ہیں اور جیسے لنگر کا چرخ موڑ کر جہاز اخیر

لنگر ڈالتا ہی۔ ان نوجوانوں کے نعرہائے خوشی سے کان گنگ ہو جاتے ہیں"

وظیفہ کی درخواست پر عام تعجب اور سرسید کی نارضامندی

جب اخبارات میں نواب انتصار جنگ کے اس ارادہ کی کیفیت شایع ہوئی تو لوگوں کو سخت تعجب ہوا، کیونکہ عین عروج واقتدار کے زمانہ میں جبکہ وہ بادشاہ و وزیر دونوں کے مورد الطاف تھے اور ابھی عمر کے لحاظ سے بھی پورے طور پر کام کرنے قابل تھے، علیحدگی کا قصد کرنا درحقیقت تعجب کے قابل تھا۔ جب سرسید نے یہ خبر سُنی تو اس کو ایک بے بنیاد افواہ خیال کیا، لیکن جب خود نواب انتصار جنگ نے اُن کو اس ارادہ کی اطلاع دی تو بہت خفا ہوئے اور ایک طویل و ملامت آمیز خط لکھ کر اُن کو سخت تاکید کی کہ استعفا واپس لیں۔

درخواست وظیفہ کا واپس لینا

جب باوجود مکرر درخواستیں پیش کرنے اور زبانی اصرار والتجا کے اُن کو یہ محسوس ہوا کہ بغیر نواب سر آسمان جاہ کو ناخوش کیے وظیفہ کی درخواست منظور نہیں ہو سکتی، تو مجبور ہو کر اصلاحات کا وعدہ لینے کے بعد استعفا واپس لیا۔ وہ خود ایک موقع پر لکھتی ہیں کہ:۔

"مجکو مجبوراً اپنا ارادہ اس وقت ترک کرنا پڑا، مگر میں نے نواب صاحب مرحوم و مغفور کی خدمت میں اس وقت ایک عرضداشت پیش کی اور اس میں

لہ سرسید نے علاوہ خط کے، ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۰ء کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ایک نوٹ بھی لکھا جو حسب ذیل ہی:۔

"ہم کو نہایت افسوس ہی کہ نواب انتصار جنگ کی نسبت نہایت غلط خبریں مشہور ہوئی ہیں۔ خود حضور نظام نے فرمایا کہ نواب انتصار جنگ سے حضور نظام کی ناراضی کی افواہ غلط ہی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہی کہ تمام امور کے ذمہ دار جن میں نواب انتصار جنگ کا استعفا منظور کرنا یا نہ کرنا بھی داخل ہی، سر آسمان جاہ مدار المہام سلطنت ہیں، اور نواب انتصار جنگ کا استعفا منظور کرنا یا نہ کرنا اور اُن کو پنشن دینا یا نہ دینا، سر آسمان جاہ کی مرضی پر منحصر ہی، مگر ہرگز اُمید نہیں ہی کہ وہ نواب انتصار جنگ کا علیحدہ ہو جانا پسند فرمائینگے۔

کچھ عجب نہیں ہی کہ نواب انتصار جنگ کے استعفا کا باعث کوئی امر انتظامی اُمور سے ہو،

عرض کیا کہ اس موقع پر مجکو ایک امر کا عرض کردینا اس لیئے ضروری ہی کہ آیندہ میرے اوپر یہ الزام عائد نہ ہو کہ میرے مزاج مین تلون پیدا ہو گیا ہی، اور وہ بات یہ ہو کہ اب تک میں اپنی ضرورت سے نوکری کرتا تھا اور اس لیے بعض اوقات ناگوار باتیں بھی برداشت کرنی پڑتی تھیں اور اب پوری پنشن کا حق حاصل ہوجانے کے بعد جس میں میں اپنی آزاد زندگی آسایش کے ساتھ بسر کرسکتا ہوں آیندہ جو میں ملازمت کے بھاری جوے کو اپنی گردن پر رکھنا قبول کرتا ہوں تو یہ سرکاری ضرورت کی وجہ سے ہوگا، اور اس لیئے آیندہ اگر کوئی ناگواری مجھ کو پیش آئی جس کو میں اب تک کبھی کبھی برداشت کرتا رہا تھا تو اس کے برداشت کرنے سے میں معاف رکھا جاؤں اور اس وقت پھر خدمت سے سبکدوش ہونے کے لیے میں خواہش کرونگا۔ یہ بھی میں نے اس عرضداشت میں عرض کردیا تھا کہ امور ناگوار اور ناقابل برداشت کی نسبت یہ ہرگز خیال نہ فرمایا جائے کہ مجکو اپنی ذات کی نسبت ایسا کوئی اندیشہ ہی یا کہ سابق میں کوئی ایسا امر میری ذات کی نسبت پیش آیا ہی جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہی وہ یہ ہی کہ اگر کبھی میں دیکھونگا کہ کوئی کارروائی سرکار عالی کی طرف سے ایسی ہوتی ہی جو ملک کے حق میں مضر اور سرکار عالی اور خود مدار المہام بہادر کی نیک نامی کو اس سے نقصان پہونچتا ہی اور میری کوشش اس کے روکنے میں ناکام رہیگی

(بقیہ نوٹ ص ۲۷۹) جس کا عملدرآمد اس طریقے سے نہ ہوتا ہو، جس طرح پر کہ نواب انتصار جنگ کی رائے یا خواہش ہو، اور اس لیئے اُنھوں نے اپنا علیحدہ ہوجانا زیادہ تر پسند کیا ہو، مگر یہ کوئی ایسا امر نہیں ہی جو حل نہو سکے، اگرچہ نواب انتصار جنگ کو اپنی رائے پر تریاہٹ سے بھی زیادہ ہٹ ہوتی ہی اور ایک چھوٹی سی بات کو بہت بڑھا دیتے ہیں، حیدرآباد کے انتظامی امور میں بڑے سر سالار جنگ مرحوم کے زمانہ میں اسقدر اصلاحیں ہوتی ہیں جن کو سلسلہ وار غور کرنے سے تعجب ہوتا ہی اور ہم انکار نہیں کرسکتے کہ اور بھی اصلاحیں ہونی چاہئیں، مگر کیوں نہیں ہوتیں یا کیوں

تو ایسے ہر ایک امر کو میں اپنے لیے ناقابل برداشت سمجھونگا، اور بہ ادب درخواست
کرونگا کہ مجھ کو خدمت سے سبکدوش ہونے کی اجازت بخشی جائے۔ اس عرضداشت کو
ملاحظہ کرنے کے بعد نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم و مغفور نے جن کی خوبیوں
اور اپنے مالک کے ملک کی خیرخواہیوں کا بیان کرنا میرے حیطۂ امکان سے
خارج ہے، نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا کہ "یہ تو سراسر ہمارے ہی نفع کی بات ہے"۔

غرض درخواست کی واپسی کے بعد نواب انتصار جنگ پوری توجہ سے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

اضافہ تنخواہ

عہدہ کی اہمیت، اور فرائض کی کثرت کے لحاظ سے نواب انتصار جنگ کی تنخواہ درحقیقت کم تھی اور وہ ہمیشہ کفایت شعاری مگر عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ نومبر سنہ ۱۸۹۰ء میں معتمدی کی تنخواہ میں پانسو ماہوار کا اضافہ ہوا تھا جس کا ابھی نفاذ نہیں ہوا تھا، اب یہ اضافہ معتمدی کا جائزہ لینے کی تاریخ سے عطا کیا گیا جس سے اُن کو ایک گونہ اطمینان ہوا۔

خطاب دولہ و ملک سے سرفرازی

نواب صاحب کو سر سالار جنگ ثانی کے زمانہ میں "انتصار جنگ" کا خطاب عطا ہو چکا تھا، اب نواب سر آسمان جاہ کی سفارش پر ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۸ھ کو بارگاہ خسروی سے **وقار الدولہ وقار الملک** کا خطاب مع منصب و علم و نقارہ عطا ہوا، اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ سربرآوردہ عہدہ داروں کو خطاب ملنے سے پہلے اطلاع دیدی جاتی تھی کہ اُن کے لیے یہ خطاب تجویز کیا گیا ہے، چنانچہ نواب انتصار جنگ کو بھی مجوزہ خطاب کی اطلاع دی گئی۔

اگرچہ خطاب کا عطا ہونا عزت و قدر شناسی کی علامت ہے، اس لیے ہر شخص خطاب حاصل ہونے پر مسرور ہوتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اُس کی محنت اور حُسنِ خدمت کا صلہ اُس کو مل گیا، لیکن نواب انتصار جنگ خطاب کے متعلق چند خاص خیالات رکھتے تھے۔ اُنھوں نے مناسب سمجھا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۰) نہیں ہو سکتیں اس کا جواب ہم صرف اسی قدر دینگے کہ ترکی میں کیوں نہیں ہوتیں، اور کیوں نہیں ہو سکتیں"

کہ اس موقع پر ایک عرضداشت کے ذریعہ سے یہ خیالات سر آسماں جاہ پر ظاہر کردیں چنانچہ اُنھوں نے نواب ممدوح کے لطف و مہربانی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد لکھا:۔

"اِس جدید سرفرازی سے بالفعل اگر فدوی کو معاف فرمایا جاوے تو میں اِس کو اپنے لیئے مزید سرفرازی کا موجب سمجھونگا۔ حقیقت یہ ہی کہ ایسے خطابوں کے لیئے اس قدر فارغ البالی ضرور ہی کہ جس سے اہلِ خطاب اپنے اِن بڑے درجہ کی عزت کو محفوظ رکھ سکے جو ان خطابوں کی وجہ سے ظاہر میں ہونا چاہیئے"

اس کے بعد اپنی مالی حالت اور ملازمت کی بے ثباتی ظاہر کرکے لکھتے ہیں:۔

"جنگ" کا خطاب بھی جب مجکو ملا ہی، تو میری کوئی درخواست اس کی نسبت نہیں تھی بلکہ مجکو اُس وقت اس قدر مہلت بھی نہیں ملی کہ میں اپنا کوئی عذر بھی اسکی نسبت اطمینان سے پیش کرتا صبح کو دربار تھا رات کو حکم پہونچا کہ دربار میں خطاب ہوگا، دو نذریں لے کر حاضر ہو، یہ بھی اس وقت تک نہ معلوم ہوا کہ کیا خطاب ہوگا خطاب کا لفظ بھی نواب مختار الملک مرحوم ثانی نے خود تجویز فرمایا تھا دربار کے وقت کے قرب تک مجھ کو اس کی صحیح اطلاع نہ تھی، اگر مجھ کو پہلے سے مہلت ملتی تو میں اُس وقت "جنگ" کے لیئے بھی یہی عذر کرتا جواب "دولائی" "دولگی" کے لیے کر رہا ہوں"

اس کے بعد اُنھوں نے یہ بتایا ہی کہ خطابوں کی کثرت خطاب یافتہ لوگوں کی بے وقعتی کا باعث ہی۔ نیز یہ کہ اکثر خطاب یافتہ لوگ بے بضاعتی کی وجہ سے خطاب کی حیثیت کے لائق اپنا درجہ قایم نہیں رکھ سکتے، اس کے بعد اُنھوں نے ایک اور پہلو سے خطابوں کی کثرت کی مضرت ظاہر کی ہی وہ لکھتے ہیں:۔

"مجکو یہ اندیشہ ہی کہ بڑے بڑے خطابوں کی یہ کثرت کہیں آیندہ رزیڈنٹ اور امپیریل گورنمنٹ کو دخل دینے کی طرف راغب نہ کرے، الغرض یہ ہر طرح درین

مصلحت ہی کہ خطابوں کی وقعت کو قایم رکھنے کے لیئے خطابوں کی اِس افراط سے قلم کو روکا جائے، اور یہ بھی قابل عرض ہی کہ اگر مجھ کو سرکار "دولائی" اور "ملکی" کے خطاب سے سرفراز فرمائینگے تو اور عہدہ دار بھی جو اس وقت جنگی کا خطاب رکھتے ہیں وہ بھی درخواست کرینگے، اگر اس وقت ان کی درخواست منظور ہو گئی تو اعلیٰ خطابوں کی اور بھی افراط ہو جائیگی، جو آگے چل کر خطابوں کی وقعت کو گھٹا دینے والی چیز ہی، اور اگر اس سے انکار ہوگا تو وہ تمام لوگ سرکار سے ناراض ہونگے اور عہدہ داروں میں ایک عام بددلی پھیلے گی، پس ہر ایک حالت پر غور کرنے کے بعد میری ناقص رائے تو یہی ہی کہ میرے لیئے کسی ایسے خطاب کی تجویز وضع اٹھنے علی غیر محلہ ہی آیندہ جو حکم ہو۔

برخلاف اس کے ایک چیز کی بے شک ضرورت ہی، یعنی بعض اعلیٰ درجہ کے خطاب عہدوں کے واسطے تجویز فرمائیں، تاکہ عہدوں کی وقعت قایم رہے، مثلاً یہ کہ فلاں فلاں عہدوں پر جو لوگ مقرر ہوں وہ جب تک ان عہدوں پر رہیں، راجہ یا نواب لکھے جائیں اور جب وہ لوگ مجھول وظیفہ ان خدمات سے علیحدہ ہوں تو بھی یہ اعزاز ان کا قایم رہے، اس لیئے عہدوں کی وقعت قایم رہیگی"

دوبارہ سبکدوشی کا قصد اگرچہ اعلیٰ حضرت کا اعتماد نواب وقار الملک پر بدستور تھا، اور نواب سر آسماں جاہ بھی بدستور عنایت و مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے، لیکن اُن کو محسوس ہوتا تھا کہ وزیر ممدوح کے مزاج میں خفیف سا تغیر پیدا ہو گیا ہی اور اُن کے گرد و پیش کچھ ایسے لوگ جمع ہو گئے ہیں جو اُن کی مروت، فیاضی اور سادہ مزاجی سے فائدہ اُٹھا کر اپنا کام نکالتے ہیں، اور بعض اوقات اپنی خطرناک تجویزوں سے ریاست کو مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں اُنھوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ سر آسماں جاہ نے بعض معاملات اُن سے صیغہ راز میں رکھے اور بعض اوقات بغیر اُن کے مشورہ کے بالا بالا مختلف کارروائیاں عمل میں آئیں نواب وقار الملک جیسے شخص کے لیے یہ حالت

ناقابل برداشت تھی اُنھوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ زیادہ دیر تک اپنے کو اس ناخوشگوار حالت میں رکھیں، اس لیئے اُنھوں نے مکرر وظیفہ کی درخواست پیش کی، اور جب نواب سر آسمان جاہ نے اس درخواست پر سکوت اختیار کیا، تو اُنھوں نے بار بار اصرار کیا اور مسلسل چند ماہ تک خانگی و سرکاری طور پر درخواستیں پیش کرتے رہے، یہ تمام درخواستیں عجیب و غریب ہیں اور حیرت ہوتی ہی کہ اُنھوں نے کیسی جرارت و دلیری سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہی، ان درخواستوں کے خاص خاص حصے جن سے کسی واقعہ کا انکشاف ہوتا ہی یا اُن کے کیرکٹر کی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں نقل کیئے جاتے ہیں۔

آخر جنوری ۱۸۹۱ء کی ایک درخواست میں لکھتے ہیں:۔

آخر میں نہایت ادب سے یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ میری آرزو اور دلی تمنا ہی کہ اب مجکو اس قید سے نجات بخشی جائے تیس برس کی طویل مدت نوکری کے لیئے کچھ کم نہیں ہوتی، اور اس سے زیادہ صرف ہوس ہی ہوس ہے میں بہت چاہتا ہوں کہ باقی عمر آزادی سے بسر کروں اور صرف ایک ہی خیال ہی جو مجکو اپنے اس مصمم ارادہ سے باز رکھ سکتا ہی یعنی اپنی خدمات سے ملک کو فائدہ پہونچانا جس کا اتنے دنوں سے میں نے نمک کھایا ہی، اور جس کا ہر ایک مسلمان پر ایک حق ہی، اور یہ کہ اس تمام سعی و کوشش سے سرکار کی نیک نامی ہو جنکی بے انتہا خاوندیوں اور نوازشات کا شکریہ ادا کرنا فدوی کے امکان سے باہر ہی، لیکن جب کہ قابل مشورہ امور مخفی رکھے جائیں اور خیر خواہی کو خود غرضی پر محمول کیا جائے، اور خیر خواہوں کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ خیر خواہی کے ساتھ کچھ عرض کر سکیں تو وہ نتیجہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ میں خود اس حالت کو اپنے لیئے ایک دن بھی گوارا کرونگا، خدا کا شکر ہی کہ جوانی عزت و حرمت سے گزر گئی، اور اب بڑھاپے میں میں اپنے اوپر یہ دھبہ لگانا نہیں چاہتا

کہ میری موجودگی میں سرکار کے انتظام کو کوئی ناکامیابی ہو، لہٰذا میں نے جہاں تک غور کیا اصلاح وقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ اب میں یہاں سے علٰحدہ ہی ہو جاؤں اور اگر آیندہ اس قسم کا اخفا میرے ساتھ برتا بھی نہ جائے اور مجھکو اپنے معروضات پیش کرنے کی آزادی حاصل بھی رہے اور وہ خود غرضی پر بھی محمول نہ ہوں تو بھی مشکلات بدستور قایم رہینگے۔

لوگوں نے اگرچہ مجھکو ضدی مشہور کیا ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں اور سرکار خود بھی واقف ہیں کہ واقعات کی تبدیلی اور عمدہ دلائل کی قوت میری رائے کو بہت آسانی سے بدل دیتی ہے، اور میری ضد صرف اس وقت ہوتی ہے جب کہ میں اپنی رائے کی صحت پر یقین کرتا ہوں تاہم یہ ممکن ہے کہ کسی وقت پر میری رائے میں اور سرکار کی تجویز میں اختلاف ہو اور میں اُس وقت تک نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھوں کہ اگر میری رائے پر عمل نہ ہوا تو اس سے سرکار کے انتظام کی بہت بدنامی ہوگی اُس وقت بھی میرے لیے چارہ کار یہی ہوگا کہ خدمت سے دست کش ہو جاؤں اور ایسے مواقع کا پیش آنا جہاں رایوں کا ایسا اختلاف ہو، اکثر ممکن ہوگا، اور ایسے ادنیٰ درجے کے ملازم کے لیے جو اس درجہ سرکار کے نوازشات اور مراحم کا شکر گزار اور احسانمند ہو جیسا کہ میں ہوں بالکل نامناسب بلکہ ایک قسم کی گستاخی سی معلوم ہوتی کہ بار بار اس قسم کے الفاظ اس کی زبان و قلم پر آئیں مگر جس دن سے بہ عنایت الٰہی مجھکو وظیفہ کا حق حاصل ہو گیا ہے یہ خطرات بہت قریب ہو گئے ہیں۔"

اس کے بعد بھی انھوں نے متعدد درخواستیں پیش کیں اور یہ سلسلہ چند ماہ تک جاری رہا اور ایک درخواست میں جو اگست ۱۸۹۱ء میں پیش کی انھوں نے صاف صاف لکھ دیا:۔

"میرا دل اب اس قدر سرد ہو گیا ہے کہ آیندہ میں اپنے آپ کو سرکار عالی کے

کام کے قابل نہیں پاتا، اور اب جو درخواست فدوی نے پیش کی ہے وہ کسی میعادی رخصت کی نہیں ہے بلکہ دائمی رخصت کی منظوری کا اُمیدوار ہوں اور اصل یہ ہے اور میں اس کو سرکار سے مخفی رکھنا نہیں چاہتا کہ آج کل جو رنگ سرکار کی صحبت کا اور سرکار کے خیالات کا ہے اور جس طرح آج کل انتظامات ہو رہے ہیں اور جس طرح بات بات پر لوگوں کی نسبت بدگمانی اور کسی قدر غصہ کا بھی اظہار برخلاف سابق اب ہوتا ہے اس کو دیکھ دیکھ کر اب جی ڈرتا ہے اور اگرچہ بمبئی سے واپس آنے کے بعد سے فدوی یہ حالات بچشم خود مشاہدہ کر رہا تھا لیکن غلطی سے یہ سمجھتا تھا کہ شاید میری علالت اور ضعف کی وجہ سے ہے کہ مجکو معاملات میں اظہار رائے کی تکلیف نہیں دی جاتی لیکن اس جائنٹ سکرٹری کے واقعہ نے اور اسی طرح اور ایک دو باتوں نے میری آنکھیں کھول دیں اور صاف معلوم ہونے لگا کہ گو لاکھ اعتبار سہی مگر پھر بھی اس عام بدگمانی کے اثر سے میں بالکل محفوظ نہیں رہا ہوں، اور تھوڑا بہت اثر اُس کا مجھ کو بھی پہنچا ہے گو کہ اس وقت وہ خود سرکار کے ہی ارشاد کے بموجب ایک دانہ خشخاش ہی کے برابر ہو۔"

اگرچہ معاملات اس حد تک پہنچ گئے تھے لیکن نواب سر آسمان جاہ برابر لیت و لعل کر رہے تھے، اور نواب فتح نواز جنگ کے ذریعے سے فہمایش بھی کرتے تھے۔ اُن کی یہ خواہش تھی کہ یا تو نواب وقار الملک اس ارادہ سے باز آئیں یا کچھ مدت کے لیئے رخصت لے لیں لیکن وہ اُن کی مستقل جدائی پر کسی طرح راضی نہ تھے، مگر نواب وقار الملک کے لیے موجودہ حالت اس قدر ناقابل برداشت تھی کہ وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی رہنا نہیں چاہتے تھے، اس لیئے اُن کا اصرار برابر جاری رہا اور اُنھوں نے اس کے بعد بھی متعدد باضابطہ اور خانگی تحریریں مدار المہام کی خدمت میں بھیجیں اگر اُن کی یہ تحریریں صرف معمولی درخواستوں کی حیثیت رکھتی ہوتیں تو اُن کا یہاں

نقل کرنا قطعاً غیر ضروری تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان تحریروں سے اُن کے بعض اخلاقی اوصاف ایسی خوبی سے نمایاں ہوتے ہیں کہ کسی دوسرے طریقہ سے ظاہر نہیں ہو سکتے، اس لیئے ان تحریروں کے بعض ضروری حصے اس موقع پر نقل کیئے جائینگے، جن سے اُن کی جرأت، دیانت، راست بازی اور عزم و استقلال کا حال معلوم ہوگا۔

ایک اور عرضداشت — اسی سلسلہ میں اُنھوں نے ایک اور عرضداشت ۶ راگست ۱۸۹۱ء کو پیش کی، جس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے:-

"اپنی قطعی علیحدگی پر جو فدوی کو اس درجہ اصرار ہے تو اس کی وجوہ سابق میں بھی عرض کر چکا ہوں اور اب پھر کسی قدر زیادہ صراحت سے عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں، اپنی تیس برس کی مدت ملازمت ختم ہونے کے قبل ہی میں نے سرکار کی طرف سے بعض بے اعتباری کی باتیں اپنی نسبت دیکھیں بعض باتیں مجھ سے مخفی رکھی گئیں، لارڈ رنڈالف چرچل کے نام کی چٹھی اور مسٹر فرتھ کے پونے تین لاکھ روپیہ کے کمیشن کا معاملہ مجھ سے بالکل مخفی رکھا گیا تھا، وعلیٰ ہذا۔

حالانکہ یہ کارروائی ایک ایسے ملازم کے ساتھ مناسب نہ تھی جس نے اپنی تمام زندگی کا مقصد صرف سرکار کی خیر خواہی میں منحصر کر دیا تھا، مگر چونکہ میرے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا جو میں اُسی وقت اپنی علیحدگی کا خیال کرتا، لہذا بہ مجبوری مجھکو مدت پنشن کا انتظار کرنا پڑا، اور میں نے اپنے دل کو اس وقت اس خیال سے سمجھا لیا کہ میں ایک ملازم ہوں اور آقا کو اختیار ہے کہ جس قدر راز کسی ملازم پر چاہے ظاہر کرے، اور جس قدر نہ چاہے نہ ظاہر کرے، اور اگر مجھکو نوکری کی چندے اور ضرورت ہے تو ناگزیر اس کو برداشت کرنا چاہیئے مگر اپنے فرائض کے ادا کرنے میں جس میں سب سے بڑا فرض ہر حالت میں سرکار کی خیر خواہی ہے اُس کی وجہ سے کوئی کوتاہی نہ کرنی

چاہئے اور سرکار نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ تمام زمانہ بغیر کسی قسم کی شکایت کیے میں نے کس طرح سرکار کی خیرخواہی اور دل سوزی کے ساتھ ہنسی خوشی سے بسر کر دیا اور کبھی ایسی کوئی شکایت زبان تک نہ لایا۔

لیکن جب میری ۳۰ سالہ مدت ملازمت ختم ہوئی اور خدا کے فضل و کرم سے میں نے خوشی کا وہ مبارک دن دیکھا جب کہ اپنے ہاتھ پاؤں کی کمائی یعنی پنشن سے میں اپنی زندگی آزادی اور آرام کے ساتھ بسر کر سکتا ہوں تو اس کے بعد سے میری حالت بالکل دوسری تھی اور اس وقت سے کوئی مجبوری اور کوئی ترغیب مجکو حیدرآباد میں رہنے کے لیئے باقی نہیں رہی، بجز اس کے کہ اپنی ناچیز خدمات سے سرکار کے انتظام کی نیک نامی کو ترقی ہو مگر جب کہ میرے اوپر بھی کامل بھروسہ نہیں ہے۔ تو وہ تھوڑی بہت ترغیب بھی باقی نہیں رہیگی

سرکار کے مزاج میں اپنے تمام ملازموں کی نسبت ایک قسم کی بدگمانی پیدا ہو گئی ہے اور میں بھی اس بدگمانی کی وبا سے محفوظ نہیں رہا ہوں، البتہ اسقدر فرق ضرور ہے کہ اوروں کی نسبت شاید میرے اوپر زیادہ بھروسا کیا جاتا ہے لیکن کامل بھروسہ میرے اوپر بھی نہیں ہے، نظیر کے لیئے یہی ایک معاملہ کافی ہے کہ مولوی سید اقبال علی صاحب پر جن وجوہ سے بے اعتمادی کی گئی ہے وہ مجھ سے صرف مخفی ہی نہیں رکھی گئی ہیں بلکہ اُن کے بیان کرنے سے بھی سرکار نے صاف انکار فرما دیا ہے اور یہ ایک صریح بے اعتمادی کا اظہار ہے، اور خود سرکار کے قول کے مطابق بھی وہ بے اعتمادی ایک دانہ خشخاش کے برابر تو ضرور ہے حاشا میری یہ التجا نہیں ہے کہ سرکار وہ راز مجھ سے بیان فرمائیں یا خواہ مخواہ میرے اوپر بھروسہ کریں، لیکن اگر ایک ملازم خشخاش کے دانہ کے سویں حصہ کے برابر بھی اپنے

آقا کی طرف سے کسی بے اعتمادی کا اظہار گوارا کرنا نہیں چاہتا، اور وہ اس کو اپنے لئے ذلّت کا موجب سمجھتا ہے اور آپ کی نوکری سے وہ دست بردار ہوتا ہے تو پھر اُس کا غرور بھی حق بجانب ہوگا اور اُس کی بھی کچھ شکایت نہیں ہوسکتی۔

اِس کے علاوہ یہ بھی غور طلب امر ہے کہ اگر مجکو ایسی حالت میں رکھا جائے کہ سلطنت کے کاروبار میں سے جس معاملہ میں مجھ سے چاہا مشورہ لیا اور جس میں چاہا نہ لیا جس راز کو چاہا ظاہر کیا اور جس کو نہ چاہا نہ ظاہر کیا، تو میں درحقیقت اس خدمت کو بھی درستی کے ساتھ بجا نہیں لاسکتا جس خدمت کی ضرورت سے اب میں حیدرآباد میں اپنے آپ کو مقیم سمجھتا ہوں اور جس خدمت کی تشریح مختصر لفظوں میں اس طرح ہوسکتی ہے کہ سرکار کی حفاظت کی خدمت، یعنی ہر ایک ایسی کوشش جس سے سرکار کے انتظام کی نیکنامی ہو اور کوئی الزام سرکار کے انتظام پر وارد نہ ہوسکے، اور حضور پرنور اور رزیڈنٹ و گورنمنٹ کے ساتھ سرکار کے تعلقات درست رہیں۔

نواب فتح نواز جنگ کے ذریعہ سے ایک دفعہ یہ بھی سرکار نے فرمایا تھا کہ "دیکھو حضور پرنور کس طرح ہماری بعض باتوں کا جواب نہیں دیتے"۔ مگر فدوی اب بہت ادب سے عرض کرتا ہے کہ اگر حضور پرنور ایسا کرتے ہیں تو وہ ٹھیک نہیں کرتے اور ایک غلطی دوسری غلطی کے لیئے نظیر نہیں ہوا کرتی علاوہ اس کے میری اور سرکار کی حالت میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، سرکار پر حضور پرنور کے اور اس ریاست کے بے انتہا حقوق ہیں سرکار حضور پرنور کے قرابتمند ہیں، موروثی تعلقات ہیں۔ ایک بڑے ملک کے گویا مالک ہیں

بڑی سی پائیگاہ ہے، بڑی سی فوج ہے، توشہ خانہ ہے، خزانہ ہے اور ہندوستان بھر کے امیروں میں سرکار سب سے اوّل درجے کے امیر ہیں، بلکہ بہت سے والیان ملک سے بھی بعنایت الٰہی ثروت میں زیادہ ہیں جس دولت وحشمت کو خداوند کریم نسلاً بعد نسلٍ تا قیام قیامت قایم رکھے اور اُس میں روز افزوں ترقی بخشے لہذا اگر سرکار نے حضور پر نور کی کسی بے اعتنائی کو برداشت کیا تو حق بجانب ہے، برخلاف اِس کے میری حالت یہ ہے کہ اگر آج مرجاؤں تو کل کو بال بچوں کی پرورش بھی سرکار کی مہربانی پر منحصر ہوجائیگی جو ایک قسم کی خیرات ہے، پس میرے لئے اس ملک میں وہ کون سی ترغیب ہے، کہ اس کی وجہ سے میں اپنے ہر ایک قسم کے آرام اور راحت اور تندرستی اور صحت کو قربان کردوں اور اپنی جان تک کو بھی جوکھوں میں ڈالوں، اور اس تمام جانفشانی کے صلہ میں سرکار کی بے اعتمادی برداشت کروں۔

سرکار اگر ذرا غور فرمائینگے تو سرکار کو معلوم ہوجائیگا کہ انھی رات دن کی محنتوں اور مشقتوں کا یہ نتیجہ تھا کہ سرکار کے ابتدائی عہد دیوانی سے میں متواتر تین سخت بیماریوں میں مبتلا ہوا، میرا اکثر وقت بیماری میں صرف ہوا، اور تکلیف کے علاوہ اپنی حیثیت سے زیادہ مجکو مصارف برداشت کرنے پڑے، میں نے سرکاری کام کے علاوہ نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات، سرکاری کام کو میں نے ہر چیز پر مقدم سمجھا، سرکار کے ابتدائی عہد دیوانی سے اس وقت تک مجکو خبر نہیں کہ تنخواہ کہاں آتی ہے اور کہاں خرچ ہوتی ہے، البتہ جب ختم شہر کے قبل روپیہ ہوچکتا ہے اور خرچ کی تکلیف ہونے لگتی ہے تب وہ فکر میری جان کو ہوتی ہے۔ میں اپنا حساب دیکھ سکتا ہوں نہ خانہ داری کے انتظاموں کے لئے

وقت صرف کر سکتا ہوں، دوست اور اعزہ خطوں کے جواب کے شاکی رہتے ہیں ہر لمحہ جو مجکو ملا ہی میں نے قریبًا قریبًا اُس کو سرکاری کام میں صرف کرنا زیادہ ضروری سمجھا مگر اس سب کے صلہ میں اب آخر میں عنایت کیا ہوتا ہی؟" ایک قسم کا اظہار بے اعتمادی" پھر جب اس کے مقابلہ میں، میں یہ دیکھتا ہوں کہ وظیفہ کے ساتھ اپنے وطن میں اپنی زندگی کافی آرام اور آزادی کی برکتوں اور خوشیوں کے ساتھ بسر کر سکتا ہوں تو کیوں میں کسی چھوٹی سی بے اعتباری اور ذلت کو بھی برداشت کروں ؎

ہر کہ نان از عملِ خویش خورد
منتِ حاتم طائی نبرد

اور کیوں میں اپنی جان جوکھوں میں ڈالوں۔ جب ایک طرف تو یہ حالت ہو کہ کل جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو سب سے پہلے یہ فکر تھی کہ اب کی دفعہ تو علاج کرانے کے واسطے اور اگر ضرورت ہو تو کسی سفر کے لیئے بھی روپیہ پاس نہیں ہی، اور دوسری طرف باوجود حضور پرنور اور سلطنت کے اُن بے انتہا حقوق کے سرکار کی یہ کیفیت روزمرہ مشاہدہ ہو رہی ہی کہ حضور پرنور میں جو تین دن حکمًا اور بطور فرض خدمت کے سرکار کی حاضری کے ہیں، سرکار سے اُس کا بھی التزام نہیں ہو سکتا اور آرام و تفریح کے مشاغل کو فرائض خدمت پر مقدم دیکھا جاتا ہی، اور اب میں سرکار ہی پر اس معاملہ کا انصاف چھوڑتا ہوں، سرکار ہی انصاف سے ارشاد فرمائیں کہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں صحیح ہی یا غلط؟

میں حاضر ہوں کہ اگر ضرورت ہو تو جان بھی قربان کروں، لیکن یہ بھی تو معلوم ہو کہ **وہ جان کا خریدار کون ہی**۔ بے اعتمادیاں جان کا مول نہیں ہوتیں، بے اعتمادی گو کہ ایک دانۂ خشخاش سے بھی کم ہو، بلکہ صرف بے اعتمادی

کا نام اشراف کے لیئے موت سے بدتر ہے، اور اب میں اس گزارش کو ختم کرتا ہوں اس التجا پر کہ اب جو کچھ میری نسبت ہونا ہو خدا کے لیے جلد ہو، اور سرکار کو جو حکم دینا ہو جلد دیا جائے، میں سخت تکلیف میں ہوں اور ایک ایک لمحہ میرے لیئے اب بھاری ہے۔ بیماری جسم سے متجاوز ہو کر دل تک پہنچ گئی ہے، اور روح پر صدمہ ہے، اور اب جان کی باری ہے۔"

جب اس تحریر پر بھی نواب سر آسمان جاہ اُن کا استعفا منظور کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو اُنھوں نے ۱۰ اگست کو ایک اور نہایت مؤثر و دل گداز تحریر نواب ممدوح کی خدمت میں بھیجی، جسکی پیشانی پر یہ فقرہ تھا:-

"ایک انسان کی جان کا معاملہ ہے لہٰذا اشد ضروری ہے۔"

اس درخواست میں اُنھوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ اب تکلیف ناقابل برداشت ہے، اور اگر میرا استعفا منظور نہ ہوا تو میری جان ضایع جائیگی اور میں اس صدمہ سے یقیناً مر جاؤنگا، جب نوبت یہاں تک پہونچی تو سر آسمان جاہ نے پورا قصد کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو، نواب وقار الملک کو اس ارادہ سے باز رکھیں چنانچہ اُنھوں نے ایک معزز عہدہ دار کے ذریعہ سے جو نواب وقار الملک کے قدیم دوست اور معتمد علیہ تھے سلسلۂ گفتگو شروع کیا، اور تالیف قلب کے لیئے چند قیمتی تحائف (شال وغیرہ) اُن کو ہدیۃً بھیجے، لیکن اس عنایت و سرفرازی نے بھی نواب وقار الملک کی رائے میں کوئی تزلزل نہیں پیدا کیا۔ اُنھوں نے ایک تحریر کے ذریعہ سے تحائف کا بہت بہت شکریہ ادا کیا لیکن آخر میں یہ بھی لکھ دیا:-

"مگر بڑی سرفرازی تو اس وقت یہ ہے کہ فدوی کی درخواست وظیفہ منظور فرمائی جائے۔ مجکو خود اپنی نالائقیوں پر بے انتہا افسوس ہے جو باوجود سرکار کی ان بے انتہا خاوندیوں کے اس قسم کی تکلیف دہ درخواستیں میں بار بار

سرکار میں پیش کرتا ہوں لیکن میں بھی بالکل ہی مجبور ہوں انسان کا دل سخت بھی بہت ہے، اور نرم بھی بہت ہے، مگر دونوں حالتوں میں جب آدمی کا اس پر سے قابو جاتا رہتا ہے تو اس آدمی کی حالت بھی رحم کے لائق ہو جاتی ہے، اور وہی حالت اس وقت فدوی کی ہے۔"

نواب وقار الملک ایک طرف تو اس قسم کی دل گداز تحریریں نواب آسمان جاہ کی خدمت میں بھیجتے تھے لیکن جب اُن کے سامنے جاتے تھے تو اُن کے انداز و اطوار سے ذرا بھی ان اندوہ ناک جذبات کا پتہ نہیں چلتا تھا، نہ چہرہ سے حُزن و ملال کے آثار ظاہر ہوتے، نہ زبان سے ان معاملات کے متعلق کوئی لفظ کہتے تھے بلکہ اپنے مقررہ طریقہ کے مطابق سرکاری کام اور معاملات پر بحث و گفتگو میں اس طرح مصروف نظر آتے تھے کہ کوئی شخص یہ محسوس نہیں کرتا تھا کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہوئی ہے یا یہ کہ اس خاموش اور پرسکون چہرے والے انسان کے سینہ کے اندر جذبات کا ایک طوفان موجزن ہے۔ اُن کے اس انداز نے نواب آسمان جاہ کو شبہ اور حیرت میں ڈالدیا اور وہ خیال کرنے لگے کہ شاید اُن کی حالت اس قدر نازک نہیں ہے جس قدر عرائض میں ظاہر کی جاتی ہے۔ نواب وقار الملک بھی آخر اپنے آقا کے ادا شناس تھے، سمجھ گئے کہ یہی شبہ میرے وظیفہ کی منظوری میں حائل ہو رہا ہے، چنانچہ اُنھوں نے ایک درخواست پیش کر کے اس شبہ کو زائل کیا اور بتایا کہ میری ظاہری اطمینان بخش حالت سے ہرگز یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ مجکو طمانیت خاطر حاصل ہے کیونکہ:۔

"یہ حالت میری طبیعت کی شاید میری روح کے پرواز کرنے کے چند منٹ پہلے تک بھی قایم رہیگی اس سے میرے اس بے انتہا روحانی صدمہ کی طرف سے بے التفاتی نہ فرمائی جائے جس میں مبتلا ہوں اور آج دسویں محرم کو بھی سرکار کو یہ تکلیف دے رہا ہوں، میرے اوپر ابکی دفعہ عید کا مہینہ بھی محرم ہی کی طرح گزرا ہے، اور یہ سب تکلیف ایک لمحہ میں سرکار کی نوازش سے وظیفہ

کی منظوری کے ساتھ ہی دفع ہو سکتی ہے۔"

اب معاملہ آخری مرحلہ تک پہنچ گیا تھا۔ لہذا سر آسماں جاہ کے لیئے اب دو ہی راستے تھے یعنی

(۱) وظیفہ کی درخواست منظور کر کے ہمیشہ کے لیئے اس قضیہ کا خاتمہ کر دیں۔

(۲) یا یہ کہ اُن کی تمام شکایات کا ازالہ کر کے جو خفیف بے اعتمادی ان پر کی گئی ہے اس کی تلافی کریں اور جن شرائط کے ساتھ بھی وہ رہنے پر راضی ہوں اُن شرائط کو قبول کریں۔

سر آسماں جاہ نے دوسرا راستہ اختیار کرنا پسند کیا اور شرائط پر گفتگو شروع ہوئی اور چار پانچ روز کے اندر تمام معاملات کا تصفیہ ہو گیا۔

آخری عرضداشت اور فیصلہ

اس سلسلہ میں نواب وقار الملک نے جو آخری عرضداشت لکھی اس میں سب سے پہلے اُن شکایات کا تذکرہ کیا جو نواب سر آسماں جاہ سے تھیں اور تفصیل سے بتایا کہ فلاں فلاں معاملہ میں اُن پر بے اعتمادی کی گئی جو کسی طرح قابل برداشت نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان شکایات کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے۔

سب کے آخر میں اپنے رہنے کے شرائط بیان کیئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

(۱) "مجھ کو اب کوئی ضرورت نوکری کی باقی نہیں۔ نہ خواہش ہے اور دلی خواہش اسی میں ہے کہ پنشن ملے جس میں بہت آرام اور خوشی سے اپنی زندگی آزادی سے بسر کر سکتا ہوں"

(۲) "صرف ایک ہی وجہ یہاں میرے رہنے کی ہے جس سے میں انکار نہیں کر سکتا اور اُس میں اپنی جان لڑا دینے تک کو حاضر ہوں یعنی سرکار کے انتظام کو ایمانداری اور عمدگی سے چلانے کے لیئے کوشش کرنا"

(۳) تو اب سرکار مجھکو کس پوزیشن میں رکھنا چاہتے ہیں آیا خاص خاص کاموں پر جیسے رزیڈنسی کی سفارت اور حضور پرنور کے ساتھ عرضداشتوں کا انتظام اور بالمشافہ گزارشات' اور معتمدی مال' یا عام طور کی نگرانی مجھ سے متعلق فرماتے ہیں'

جس سے ہر چھوٹے سے چھوٹے اور روزمرہ کے انتظامی معاملات میں بھی میری مداخلت رہے، اگر صرف اول حیثیت رکھنا منظور ہے تو یہ مجکو منظور نہیں ہے، کیونکہ عام کی نگاہ میں اب ہر ایک برائی بھلائی کا میں ذمہ دار قرار دیا جاتا ہوں جو سرکار کے انتظام سے پیدا ہو،

(۴) اگر دوسری حیثیت عام میں رکھنا منظور ہے تو اس کے لیئے یہ ضرور ہے کہ انتظامی معاملات میں کسی قسم کا راز مجھ سے نہ رکھا جائے، اور مجکو اصرار ہے کہ میر اقبال علے کی نسبت جو راز ہے وہ مجھ سے بیان فرمایا جائے، اور تمام کاغذات ہر ایک معتمدی وغیرہ کے میرے ذریعہ سے سرکار میں پیش ہوں، اور مجھ کو ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں رائے دینے کا موقع رہے، آیا سرکار کو یہ منظور ہے؟ اگر نہیں، تو میں نہیں رہ سکتا، اس وقت صرف اصولاً طے کرتا ہے، اور عمل اس پر بقدر اپنی صحت اور تندرستی کے میں کر سکونگا، جس قدر صحت بڑھتی جائیگی اپنی مداخلت کو بڑھاتا جاؤنگا۔

(۵) اگر میری حیثیت عام سرکار نے اس طرح پر منظور فرمائی تو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ تمام لوگ یہ کہینگے کہ مشتاق حسین دیوانی (وزارت) کرتا ہے، اور اس سے انکار نہو سکے گا، آیا اس کو سرکار برداشت کرینگے، اور اگر اس کو برداشت نہ فرمائیں تو میری حیثیت عام قایم نہیں رہ سکتی، کیونکہ انتظامیں انسان چند روز اور کسی معین عرصہ تک کام کر سکتا ہے نہ کہ غیر محدود زمانہ کے لیئے اور یہ تو ایسے معاملات ہیں کہ چند روز بھی انتظامیں نہیں رہ سکتے، اب کپ انتظام رزیڈنٹ جانتے ہیں گورمنٹ آف انڈیا جانتی ہے، حضور پر نور جانتے ان میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا، رہے عام لوگ، ان کی باتوں کا خیال بیکار ہے۔

(٦) اگر سرکار اس صدا کو برداشت کریں تو اب پرسنل اسسٹنٹی کا نام ضابطے سے آجانا چاہیئے، اُس سے ہر چیز ظاہر ہوجائیگی اور کام کرنے میں بھی آسانی ہوگی اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لارڈ ڈفرن کو سرکار شملہ پر ضابطہ سے تحریر فرما چکے ہیں کہ :-

"مشتاق حسین نے میری ابتدائے دیوانی سے میرے پاس بحیثیت کانفیڈنشل ایڈوائزر اور پرسنل اسسٹنٹ کے کام کیا ہے"

اور لارڈ ڈفرن نے اس کو بخوشی تسلیم کیا، اور میری ذاتی حیثیت سے بہت زیادہ میرے ساتھ باخلاق و اعزاز پرائیوٹ ملاقات کی۔ رزیڈنسی میں اس خط و کتابت کی نقل موجود ہے، ہاول صاحب بھی اس کو دیکھ چکے ہیں، سر ڈینس بھی دیکھ چکے ہیں، فارن سکرٹری واقف ہیں کوئی اخفا نہیں ہے صرف اس نام کا ضابطہ سے ظاہر ہوجانا کافی ہے۔

لیکن اگر رزیڈنٹ یا حضور پرنور ان میں سے کوئی اس کی صلاح نہ دے تو میں پرسنل اسسٹنٹ کے نام کے باضابطہ ظاہر ہونے پر اصرار نہ کرونگا،

(٧) انتظامات صدر کے بعد یہ ممکن ہوگا کہ بہت سے معاملات میں میری اور سرکار کی رائے کے درمیان اختلاف واقع ہو، مگر وہ اُمور جن میں اختلاف ہوگا، دو قسم کے ہونگے ایک چھوٹی قسم کے جس کا اثر عام طور پر انتظام پر نہوگا اور دوسرے اہم معاملات جن کا اثر سرکار اور سرکار کے انتظام کی نیکنامی اور بدنامی پر پہونچتا ہو، اول قسم کے معاملات میں تو مجکو اصرار نہوگا گو میرا دل کہتا رہ جائے کہ میری رائے پر کام ہوتا تو بہتر تھا، لیکن دوسری قسم میں اگر میری رائے پر عمل نہوگا تو دیانتاً مجکو اس وقت اپنے عہدہ سے علیحدہ ہوجانا چاہیئے، اور اگر بدقسمتی یا اتفاق سے بار بار یہ امر پیش آئے تو میرے

اور پر متلون مزاج یا مغرور المزاج ہونے کا الزام نہ ہوگا"۔

اس کے بعد اُنھوں نے سر آسماں جاہ کو دو معاملات کی طرف توجہ دلاکر یہ ظاہر کیا ہے کہ اُن کا تعلق دوسری قسم کے معاملات سے ہے یعنی جن میں مجکو اپنی رائے پر اصرار ہوگا، اور وہ معاملات یہ ہیں :-

"اوّل سرکار کا حضور پر نور میں ایام مقررہ پر باوجود حضور پر نور کے قطعی حکم کے حاضر نہ ہونا۔

دوم بغیر کسی کافی وجہ کے اپنے کسی عہدہ دار سے بدگمان ہو جانا جس سے اُس کو کوئی مالی یا اخلاقی نقصان پہونچے،

ایک عہدہ دار کے ساتھ اگر ایسی کارروائی ہو تو اُس کا اثر عام ہو جاتا ہے اور سب عہدہ دار بد دل ہو جاتے ہیں اور سرکار کو بھی ویسی ہی عادت پڑتی ہے جو ایک منتظم کی شان کے خلاف ہے، اسی عادت کی وجہ سے ہے جو مجھ سا شخص بھی سرکار کی بدگمانی سے محفوظ نہیں رہا، میں پھر کہتا ہوں کہ یہ عادت سرکار میں صرف اُن خود غرض لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوئی جن پر باوجود اس کے کہ سرکار نے بارہا بے اعتمادی کا اظہار فرمایا مگر اُنھوں نے اپنی مختلف اغراض کے سبب سے اس قلت کو برداشت کیا اور اپنی پوزیشن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

میں ایک منٹ کے لیئے کبھی بھی اس کو برداشت نہ کرونگا اور اگر میں بھی ایسا کرسکتا تو سرکار یقین فرمائیں کہ اس کے بعد میں نہ سرکار کے لیئے کچھ مفید ہوتا اور نہ ملک کے لیئے"۔

نواب وقار الملک کا پرسنل اسسٹنٹ مدار المہام مقرر ہونا

اس عرضداشت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سر آسماں جاہ نے تمام امور انتظامی میں اُن کی مداخلت منظور کرلی اور اسی سلسلہ میں اُن کی تنخواہ میں

بھی اضافہ ہوا، اور اب معتمد مال گزاری کے علاوہ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں پرسنل اسسٹنٹ مدار المہام کے فرائض بھی اُن کے عہدہ میں شامل کیئے گئے اور اس کا باقاعدہ اعلان جریدہ اعلامیہ میں کیا گیا، اور اس طرح اُن کو مملکتِ آصفیہ کے تمام انتظامی اُمور پر اقتدار اور مداخلت کا اختیار حاصل ہو گیا۔

معاملات کا تصفیہ مرضی کے مُطابق ہو جانے کے بعد نواب وقار الملک نے ایک عرضداشت کے ذریعہ سے مدار المہام کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اُن کو لکھا کہ :-

"فدوی اِس بے انتہا تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہے جو اس عرصہ میں سرکار کو فدوی کی وجہ سے ہوئی، اور نہایت نادم ہے، لیکن ساتھ ہی سرکار کو یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ یہ جو کچھ تھا وہ بھی سب از راہ خیر سگالی ہی تھا، اگر میں اس نیم زندہ اور نیم مردہ حالت میں رہتا تو سرکار کے لیئے بھی کچھ مفید نہ ہوتا اور اب یہ دعا ہے کہ پھر مجکو اس قسم کی تکلیف دہی کا موقع پیش نہ آئے اور سرکار کو بھی میری طرف سے بجز ہر وقت کی خوشی کے اور کسی قسم کا خیال پیدا نہ ہو۔"

اِن تحریروں سے جس مضبوط کیرکٹر کا اظہار ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں، کیا آج بھی کوئی ملازم یہ جُرأت کر سکتا ہے کہ وہ مُعلم اخلاق کا جامہ پہنکر اپنے آقا کو اس طرح نصیحت کرے، بلکہ اُس سے باز پُرس کرے کہ تم اپنے فرائض کیوں نہیں ادا کرتے، اور مقررہ اوقات پر بارگاہ خسروی میں کیوں نہیں حاضر ہوتے، اور آقا بھی کیسا، سر آسمان جاہ جیسا، جو سلطنت کا خود مختار وزیر اور بلند پایہ امیر ہے، اور امیر بھی اس رتبہ کا کہ ہندوستان کے بہت سے والیانِ ملک بھی دولت و حشمت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لیکن دیانت و صداقت انسان میں جُرأت و دلیری پیدا کر دیتی ہے اور یہ چیزیں نواب وقار الملک کا خاص جوہر تھیں، اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو امروہہ کے منشی مشتاق حسین جو تحصیل مراد آباد میں بیس روپیہ ماہوار کے محرر انکم ٹیکس تھے حیدر آباد کے نواب وقار الدولہ وقار الملک نہ ہوتے، اور نہ آصف جاہ سادس کے معتمد علیہ اور وزیر اعظم کے بازوے راست

بن کر مملکتِ آصفیہ کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے سکتے۔

یہ کش مکش جو چند ماہ تک ایک وفادار ملازم اور قدرشناس آقا میں جاری رہی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آسماں جاہ کو شکست ہوئی، لیکن یہ صحیح نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس "اخلاقی جنگ" میں کس کو فتح اور کس کو شکست ہوئی، اس جنگ میں ایک طرف اخلاص، وفاداری، ولولۂ عمل، اور سب سے بڑھ کر اسلامی سلطنت کی خدمت کے لیئے دلی سوز وگداز تھا، دوسری طرف قدردانی اور وفاپروری کے اوصاف تھے، نیک طینت آقا نے جب یہ دیکھا کہ وفادار ملازم کے دل کو نادانستہ سخت صدمہ پہنچ گیا ہے تو وہ اس دل شکستہ انسان کے سامنے حسنِ اخلاق سے جھک گیا، آقا کے اس انداز نے وفادار ملازم کے قدم ڈگمگا دیئے اور وہ جنگ سے دست بردار ہو کر اپنے آقا کے سامنے ادب سے سرنگوں ہوگیا، اب کون شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس کو فتح ہوئی؟

افسوس! کہ اب نہ ایسے با اخلاص ور وفادار ملازم ہیں نہ ایسے قدرشناس آقا، یہ لوگ ہمارے کاروان رفتہ کے آخری مسافر تھے، جو ہمیشہ کے لیے ہم سے رخصت ہوگئے، صرف ان کے نقش پا باقی ہیں، لیکن ڈر ہے کہ کہیں حوادثِ زمانہ ان کو بھی نہ مٹادیں۔

حیدرآباد کا سیاسی مطلع اور آثارِ انقلاب

اب نواب وقار الملک کا آفتابِ اقبال نصف النہار پر پہنچ چکا تھا، اعلیٰ حضرت آصفجاہ سادس ان پر پورا اعتماد کرتے تھے، دربارِ وزارت میں ان کو سب سے زیادہ رسوخ حاصل تھا رزیڈنسی سے تمام معاملات وہی طے کرتے تھے، بڑے بڑے امراء، جاگیردار اور اربابِ مناصب ان کے سلام کو حاضر ہوتے تھے، اور بڑے بڑے "جنگ" و "دولہ" ان کے اشارۂ چشم و ابرو کے منتظر رہتے تھے، غرض ان کی ذات ہر قسم کے اقتدار کا مرکز تھی، اور ان کی جنبشِ قلم نظامِ مملکت

میں تغیر و انقلاب پیدا کر دیتی تھی یہ سب کچھ تھا لیکن دستِ قضا و قدر پسِ پردہ کسی اور تیاری میں مصروف تھا۔

ملک میں ایک ایسی جماعت موجود تھی جو انقلاب وزارت کے لئے کوشش کر رہی تھی، لیکن انقلاب وزارت بظاہر نواب وقار الملک کے زوال پر موقوف تھا، لہٰذا یہ جماعت اُن کے زوال کی بھی خواہاں تھی، اس کے علاوہ حیدرآباد کے خاندانی اُمراء اور بڑے عہدہ داروں کو بھی نواب وقار الملک کا یہ اقتدار پسند نہ تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انگریز عہدے دار بھی اس دورِ جدید میں کچھ خوش نہ تھے، اور اگر ایسا ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ اسی عہد میں کرنل مارشل کا وجود عضوِ معطل بن گیا تھا یہاں تک کہ آخر کار اُن کو بحالت مایوسی رخصت ہونا پڑا۔ غرض مخالفین کی جماعت میں ہر طبقے کے لوگ تھے اور اگرچہ اُن کے اسباب مخالفت، مختلف تھے لیکن مقصد ایک تھا، مگر نواب وقار الملک اس قدر محتاط و بے لوث تھے کہ اُن پر کسی قسم کا اتہام لگانا سہل نہ تھا، اس لئے مخالفت کی ابتدا سر آسمان جاہ کے ہوم سکرٹری نواب فتح نواز جنگ سے کی گئی۔ اس مخالفت اور سازش میں بڑے بڑے لوگ شریک تھے، مخالفین نے ایک پمفلٹ شایع کیا جس میں نواب فتح نواز جنگ اور اُن کی یورپین بیوی کے خلاف نہایت شرمناک الزامات لگائے گئے تھے، رزیڈنسی میں مقدمہ چلا جو پمفلٹ کیس کے نام سے مشہور ہے، اس معاملہ میں نواب فتح نواز جنگ موردِ عتاب ہوئے اور نواب وقار الملک اُن کے طرفدار و ہوا خواہ مشہور کر کے خوب بدنام کیے گئے۔ مولوی سید علی بلگرامی اور نواب سرور جنگ نے بھی اس مقدمہ میں نواب فتح نواز جنگ کے خلاف پورا حصہ لیا۔

آبکاری کی جدید اسکیم نواب وقار الملک کے دماغ کا نتیجہ تھی، اسکیم کی بعض جزئیات ابھی زیر غور تھیں، مخالفین نے اس موقع سے بھی فائدہ اُٹھایا، جاگیرداروں کو یہ باور کرایا کہ اُن کی سخت حق تلفی ہے، غرض جاگیرداروں کی پوری جماعت بھی نواب وقار الملک کی مخالف ہو گئی۔

الماس کا مقدمہ بھی ابھی تازہ واقعہ تھا، اس مقدمہ میں بہ حیثیت شاہد کے اعلیٰ حضرت پر کسی قدر جرح کی گئی تھی جو تکدر طبع کا باعث ہوئی، یہ ملال ابھی تازہ تھا، مخالفین نے اس واقعہ کو

بھی نواب وقار الملک کی سوء تدبیر کا نتیجہ قرار دیا۔

آخر ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں بعض اُمراء اور نواب سرور جنگ کا (جو حضور پر نور کے اُستاد رہ چکے تھے) رسوخ اعلیٰ حضرت کے دربار میں زیادہ بڑھ گیا تھا، اور اُن لوگوں کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ اور یہ بھی عام طور پر سب کو معلوم تھا کہ نواب سرور جنگ بھی نواب وقار الملک کے مخالف ہیں، اس زمانہ میں نواب سرور جنگ اور نواب محسن الملک کے تعلقات بھی بڑھے ہوئے تھے اور اگرچہ یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ نواب وقار الملک کی تباہی کے خواہاں تھے، لیکن اس میں تو کچھ شبہ نہیں کہ وہ اپنے گزشتہ اقتدار کو حاصل کرنے کے متمنی تھے جو اب قریباً زائل ہو چکا تھا۔

سر ڈینس فٹزپیٹرک واپس جا چکے تھے، اور مسٹر چِچلی پلوڈن اُن کی جگہ رزیڈنٹ مقرر ہو کر آئے تھے، جن سے نواب سرور جنگ کے خاص تعلقات پیدا ہو گئے تھے، اگرچہ کچھ مدت بعد دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے، اور ایک عجیب فتنہ برپا ہوا۔

نواب سر آسماں جاہ اور نواب وقار الملک محسوس کر رہے تھے کہ اب حیدرآباد کی فضا بدل رہی ہے اور مطلع غبار آلود ہو رہا ہے اگرچہ ابھی تک خود اعلیٰ حضرت آصف جاہ سادس کی طرف سے کسی بدگمانی کا اظہار نہیں ہوا تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مزاج میں تغیر پیدا کر دیا گیا تھا، اعلیٰ حضرت کی طبیعت کا اندازہ یہ تھا کہ حضور ممدوح فطری طور پر نہایت حلیم، مستقل مزاج، فیاض طبع اور قدر شناس فرماں روا تھے، کسی معمولی شخص کی حق تلفی بھی گوارا نہیں کرتے تھے، نہ معمولی معمولی باتوں پر مزاج میں برہمی پیدا ہوتی تھی، وقار کی یہ کیفیت تھی کہ اندرونی جذبات اور خیالات کے آثار چہرہ پر نمایاں نہیں ہوتے تھے، لیکن بشری کمزوریوں سے کون محفوظ ہے آخرکار اعلیٰ حضرت کا مزاج بھی برہم کر دیا گیا، اب سر آسماں جاہ کی حالت نہایت نازک تھی مسٹر پلوڈن سے اُن کے تعلقات پہلے سے ہی ناقابل اطمینان تھے، اور یہ کہا جاتا تھا کہ وہ نواب وقار الامراء کی وزارت کے لئے کوشش کر رہے ہیں اس کے علاوہ اُن کی طرف سے سر آسماں جاہ کے خلاف اور کارروائیاں بھی عمل میں آئی تھیں (مثلاً مقدمہ تانگہ وغیرہ) جن کے ذکر کی اس موقع پر

ضرورت نہیں۔ غرض سالار جنگ ثانی کی مانند اُن کو رزیڈنسی یا گورنمنٹ ہند سے کسی حمایت کی توقع نہ تھی اور اس طرف اعلیٰحضرت کے مزاج میں برہمی پیدا ہو چکی تھی، اگر سر آسماں جاہ بجائے خود سلیم الطبع اور وفاشعار نہ ہوتے، یا نواب وقار الملک جیسا مشیر اُن کو میسر نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ کوئی غلط راستہ اختیار کرتے، اور غداری کے مرتکب ہوتے لیکن اُنھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ یہ چاہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنے آقا کو راضی کریں چنانچہ اُنھوں نے متعدد تحریریں جو اخلاص اور جوش وفاداری سے لبریز ہیں، اعلیٰحضرت کی خدمت میں پیش کیں، اور اگرچہ بدقسمتی سے وہ اپنے آقا کو خوش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے، لیکن یہ امر اُن کے لیے باعثِ صد ناز و افتخار ہے کہ اُن کا دامنِ وفا غداری کے داغ سے پاک رہا۔

یہ تحریریں جو سر آسماں جاہ نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں پیش کیں ہمارے دست رس سے باہر ہیں، البتہ اس سے پہلے کی ایک مفصل و مدلل تحریر ہمارے پیش نظر ہے لیکن وہ تمام و کمال شائع کرنے کے لایق نہیں ہے کیونکہ اس میں بعض لوگوں کے کیرکٹر پر صراحت سے نکتہ چینی کی گئی ہے، اور اُن کے پوست کندہ حالات بیان کیئے گئے ہیں، اور شاید مناسب نہ ہوگا کہ گڑے مُردے اکھاڑے جائیں لہٰذا اس تحریر کے صرف بعض حصے جن کا ایک حد تک معاملات سے تعلق ہے نقل کیے جائینگے۔

نواب سر آسماں جاہ تمہید کے بعد لکھتے ہیں:۔

"اصل تو یہ ہے کہ جاگیر، منصب، پائگاہ، فوج، خطاب اور دیوانی (وزارت) کی خدمت اور اس سے بھی زیادہ حضرت پیر و مرشد کی اور بہت سی ذاتی اور موروثی اور خاندانی سرفرازیوں نے غلام کو اس قدر مستغنی کر دیا ہے کہ دنیا میں اب کوئی ہوس خانہ زاد کو حضرت پیر و مرشد کی خوشنودی اور رضاجوئی کے سوا باقی نہیں ہے، حضرت کی نعلین برداری کی عزت میں جو مزا غلام کو حاصل ہے وہ دوسری کسی سلطنت کی بخشی ہوئی بڑی سے بڑی سرفرازی میں نہیں ہے۔

مجکو نہ کے۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطاب کی خوشی اپنے مالک کی خیرخواہی

سے دوسری طرف پھر سکتی ہے نہ سلامی کی توپوں کی آواز کی خواہش میرے خیال کو اپنے ملک اور حضرت پیرومرشد کی رعایا کی بھلائی اور بہتری کے سوا کسی اور طرف مصروف کرسکتی ہے، کوئی ہوس اب مجکو اس دنیا میں باقی نہیں ہے بجز اس کے کہ میرا مالک اور میرے مالک کی رعیت مجھ سے خوش رہے، اور ملک کو مجھ سے آرام و راحت پہونچے"

اس کے بعد شہ اعلیٰ حضرت کے شاہی اختیارات کی نوعیت پر بحث کرتے ہیں اور اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"تمام معاہدات اور نامون کے ذریعہ سے جو سرکار عالی اور سرکار عظمت مدار (گورنمنٹ انگریزی) کے درمیان ہوئے ہیں یہ امر طے ہوگیا ہے کہ حضور کی گورنمنٹ اپنے ملک کے اندرونی انتظامات میں آزاد گورنمنٹ ہے اور انگریزی سرکار کو اُس کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں ہے"

اس کے بعد اُنھوں نے چند واقعات کا حوالہ دیکر اندرونی خودمختاری کے مسئلہ کو ثابت کرکے یہ بیان کیا ہے کہ وزیر کے تقرر و برخاستگی کا معاملہ بھی کامل طور پر اعلیٰ حضرت کے اختیار میں ہے اس کے بعد اُنھوں نے رزیڈنٹ اور وزیر کے تعلقات اور عہد گزشتہ کے بعض معاملات پر بحث کی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں لکھا ہے:۔

"ہم لوگ جن کا تمام تر نشو و نما ثبت در شبت حضرت پیرومرشد کی بدولت ہوا ہے اُن کا فرض ہے کہ جس وقت معلوم ہو کہ مالک کی مرضی ہم سے کام لینے کی نہیں ہے فوراً بہت ادب کے ساتھ اُس خدمت سے علٰحدہ ہو جائیں"

اس معاملہ پر اُنھوں نے تفصیل سے بحث کی ہے اور اپنے متعلق خصوصیت سے لکھا ہے کہ میں کسی حالت میں بھی یہ جائز نہ رکھونگا کہ اعلیٰ حضرت کی مرضی کی خلاف اپنے عہدہ پر قایم رہوں، لہٰذا

اعلیٰ حضرت کو میرے معاملہ میں اس قسم کی دشواری پیش نہیں آئیگی جیسی کہ پہلے پیش آئی تھی، پھر اُنھوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہی کہ جب اعلیٰ حضرت نے مجکو وزارت پر سرفراز فرمایا تو میں انگلستان میں تھا اور چونکہ ابتدا میں یہ تقرر عارضی یعنی ایک سال کے لیئے تھا لہٰذا :-

"بمبئی پہنچکر مجھ سے اور نواب وقار الامرا بہادر سے جب دیوانی کی ایک برس کی مدت کا تذکرہ ہوا جس کو بعض لوگوں نے بہت کچھ مشہور کیا تھا تو ہم دونوں آپس ہی کہتے تھے کہ جن لوگوں نے اس ایک برس کی میعاد کا خیال کیا ہی وہ ہم لوگوں کی طبیعتوں سے واقف ہی نہیں ہیں یہ شرطیں اور یہ تذکرہ اُن لوگوں کے لیئے چاہیئے جو باہر سے بلائے جاتے ہوں اور جن سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ حضرت پیر و مرشد کی مرضی کے برخلاف بھی دیوانی کے عہدہ کو اپنے پاس رکھنا چاہینگے ہم لوگوں کی نسبت ایسے تذکروں کی کیا ضرورت ہی جب کہ ہمارے لیئے ایک دن اور ایک سال اور ایک قرن سب مساوی ہی، جس وقت مالک کی جو مرضی ہو اُسے بجالانا ہماری سرفرازی اور وہی ہمارا خلعت ہی خاص یہ ہی کہ جو کچھ مشکلات دیوانی کے عہدہ متعلق پیش آئیں اُن کا اب خاتمہ ہوچکا ہی اور کسی وقت بھی حضرت پیر و مرشد کو اس معاملہ کے متعلق فکر کا محل باقی نہیں رہا، جس وقت مرضی ہو صرف ایک اشارہ کافی ہی"

اس کے بعد سر آسمان جاہ نے اُن مشکلات کو پیش کیا ہی جو حسن انتظام میں مانع ہوتی ہیں اور کسی سلسلہ میں نہایت ادب سے مگر مستقل اور پُر زور لہجہ میں یہ ثابت کیا ہی کہ بعض دشواریاں خود اعلیٰ حضرت کے طرز عمل سے پیدا ہوتی ہیں اس بحث میں اُنھوں نے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا ہی کہ اعلیٰحضرت کو رزیڈنٹ یا گورنمنٹ آف انڈیا سے بلا توسط مدار المہام نہ تو کوئی وعدہ کرنا چاہیئے نہ کوئی معاملہ طی کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے بعد کو سخت دشواریاں پیدا ہوتی ہیں چنانچہ اُنھوں نے متعدد مثالوں سے ثابت کیا ہی کہ اعلیٰ حضرت کے اس طرز عمل سے مدار المہام کو کن مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔

وہ لکھتے ہیں کہ :-

"۶۰ لاکھ روپیہ کے آفر کا معاملہ بھی اس قسم کا معاملہ ہے، خانہ زاد کو درحقیقت اس وقت اس معاملہ کی اطلاع دی گئی جب کہ حضرت پیر و مرشد سے اس کا اقرار لے لیا گیا تھا، پھر اس وقت کیا ہو سکتا تھا، اور اب بھی سلسلہ میں یہ تحریک پیش ہے کہ ان ۶۰ لاکھ نقد کے ریاست کے صرف سے ایک اُڈ فوج مرتب کی جائے، جس کو انگریزی گورنمنٹ جب چاہے اور جہاں چاہے بھیجے، یہ فوج علاوہ سکندر آباد...... فورس اور حیدر آباد کنٹنجنٹ کے ہوگی۔"

....

"۶۰ لاکھ کے آفر کے متعلق اب میں خارج سے سنتا ہوں کہ یہ فرمائش خود انگریزی گورنمنٹ کی تھی، اور سردار دلیر الملک بہادر سید عبدالحق اس منصوبہ کو لندن سے اپنے ساتھ لائے تھے مگر خانہ زاد کو جس کے ہر قطرہ خون میں اپنے مالک اور اپنے ملک کی خیرخواہی کا جوش بھرا ہوا ہے اس راز سے اب تک کوئی اطلاع نہیں ہوئی، اس صورت میں بہت کچھ ممکن تھا کہ کارروائی کے وقت خانہ زاد سے کوئی غلطی ہو جاتی مگر خدا کا شکر ہے کہ ایسی کوئی غلطی نہیں ہوئی اور یہ بوجہ اس بے ریا پالیسی کے ہوا جو سرکار عالی کی ہمیشہ سے انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ ہے۔"

"جب حضرت پیر و مرشد کسی معاملہ کے متعلق گورنمنٹ آف انڈیا سے بذریعہ خط و کتابت یا بذریعہ پیغامات زبانی کارروائی فرماتے ہیں تو دوسری طرف ان کے جواب دینے کے لیے رزیڈنٹ صاحب اور فارن سکرٹری اور پرائیویٹ سکرٹری اور خود وائسرائے ہوتے ہیں جن کی عمر کا بہت بڑا حصہ قیمتی نہایت اہم اور اعظم امور ملکداری میں صرف ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے علاوہ ایک کونسل اُن کے پاس مشورہ دینے کے لیے موجود ہوتی ہے...... آفر کے صرف قبول کرنے میں جس کی نسبت میں سنتا ہوں کہ قبول کیا گیا ہے، اور اگر روپیہ کی صورت میں نہیں تو فوج کی

صورت میں وہ دینا پڑیگا، گورنمنٹ آف انڈیا کو اس قدر فکر کرنی پڑی اور ولایت تک ممبران کونسل اور تمام وزرا نے اس پر غور کیا جب لینے والوں کو اس قدر فکر کی ضرورت ہوئی تو دینے والوں کو بدرجہ اولیٰ اُس سے بہت زیادہ صلاح اور مشورہ کی ضرورت تھی۔"

....

"اب ۶۰ لاکھ آفر کے سلسلہ میں فوج کا سوال انگریزی گورنمنٹ کی طرف سے شروع ہوا ہے اور یہ وقت نہایت درجہ احتیاط اور غور و فکر سے کام کرنے کا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہم کو کوئی عذر اس وقت فوجی مدد دینے میں نہیں ہے جب کہ درحقیقت مدد کی ضرورت ہو، ہم جب دوستی کے الفاظ کو زبان و قلم سے ادا کرتے ہیں تو ضرور کچھ وقت تلوار سے بھی ضرور ادا کرینگے، لیکن اس وقت جو فکر ہے وہ یہ ہے کہ خزانہ کی حالت درست نہیں ہے۔"

اس عرضداشت میں اُنھوں نے اعلیٰ حضرت کو یہ بھی بتایا ہے کہ :-

"گزشتہ زمانوں میں حضرت پیر و مرشد کے آبا و اجداد کا طریقہ صاحبان رزیڈنٹ کے ساتھ یہ تھا کہ باہم بہت ہی کم ملاقات ہوتی تھی اور ہمیشہ ملاقات کے وقت دیوان (وزیر) حاضر رہتے تھے۔ شاید ایک دو وقت تخلیہ میں بھی ملاقات کا اتفاق ہوا، اور جب ایسا ہوا تو تمام ملک میں اس کا چرچا ہوا اور سب نے اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا، اور پھر اُن تخلیہ کی ملاقاتوں میں بھی شاہانِ وقت نے صاحبان رزیڈنٹ کو کسی بات کی نسبت کوئی قطعی انکاری یا اقراری جواب نہیں دیا، اور معاملات کو اپنے مشیروں کے مشورہ پر ملتوی کیا۔"

"بے شک آج وہ زمانہ نہیں ہے اور کوئی شخص حضرت پیر و مرشد کو یہ صلاح نہیں دے سکتا کہ ملاقاتوں کا پھر وہی پُرانا طریقہ اختیار کیا جائے، مگر جہاں تک ممکن ہو

حفاظت اس میں ہو کہ اس قسم کے تعلقات کم کیے جائیں جس میں بالمشافہ حضرت پیر و مرشد کو کسی چیز کی نسبت اقرار یا انکار کرنا پڑے"۔

اس تحریر کے بعد بھی عرائض کا سلسلہ جاری رہا، لیکن اب معاملات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ ان تحریروں کا کچھ اثر نہیں ہوا۔

اعلیٰ حضرت کی ناراضمندی اور نواب وقار الملک کا زوال

نواب وقار الملک موجودہ حالات سے بے خبر نہ تھے، ملک کی سیاسی فضا میں جو تبدیلی پیدا ہو گئی تھی وہ اس کو بخوبی محسوس کرتے تھے، لیکن بایں نہایت انہماک و استقلال کے ساتھ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں مشغول تھے، یہاں تک کہ دفعتاً ایک دن شام کو ان کو یہ اطلاع ملی کہ اعلیحضرت نے ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ :-

"سر آسماں جاہ تو اچھے ہیں لیکن اُن کے مشیر اچھے نہیں"۔

یہ سنکر اُن کو یقین ہو گیا کہ اب اعلیٰ حضرت کا اعتماد اُن پر باقی نہیں رہا، نواب وقار الملک جیسے شخص کے لیے یہ حالت نہایت اندوہ ناک تھی، رات کو جب وہ بستر پر گئے تو اسی معاملہ پر غور کرتے رہے، اسی حالت میں سو گئے تو خواب دیکھا کہ "میں ایک اسٹیشن پر ایک ٹرین سے اترا ہوں اور ایک شخص مجھے دوسری ٹرین کو بتا رہا ہے کہ اب اس میں سوار ہو جاؤ" اس کے بعد دوسرا خواب دیکھا کہ "میں سفید لباس پہنے ہوئے زینہ سے اُتر رہا ہوں" علی الصباح جب بیدار ہوئے تو آخرکار اُنھوں نے ایک آخری فیصلہ کر لیا، یعنی فوراً وظیفہ کی درخواست لکھ کر مدار المہام کی خدمت میں پیش کر دی، اور مدار المہام نے اُن کے شدید اصرار سے مجبور ہو کر، یہ درخواست معہ ایک معروضہ کے بارگاہ خسروی میں پیش کر دی، اعلیٰ حضرت نے اس درخواست کو اپنے بکس میں رکھ لیا اور کسی سے تذکرہ نہ کیا، نہ قریباً ایک ماہ تک اس کا جواب دیا۔

درخواست کی منظوری اور عتاب

لیکن جب لارڈ ولینگڈن حیدرآباد آرہے تھے تو اعلیٰ حضرت نے

یہ درخواست منظور کرلی اور خود اپنے دستِ مبارک سے ایک طویل تحریر سر آسماں جاہ کے نام لکھی، جس سے بہت کچھ ناراضامندی کا اظہار ہوتا تھا اس تحریر کا تمام و کمال شائع کرنا مناسب نہیں ہے صرف ابتدائی و آخری جملے لکھے جاتے ہیں، اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔

"سر آسماں جاہ بہادر، آپ کی عرضی مورخہ ۲۲ صفر ۱۳۱۰ھ مع عرضی وقار الملک بہ درخواست وظیفہ موصول ہوئی میں نے جو لفظ "دہوکہ" اپنے خط موسومہ نواب وقار الامرا بہادر میں تحریر کیا تھا، اُس کی نسبت آپنے بڑی شکایت لکھی ہے مگر آپ اُس خط کو پھر غور سے پڑہیئے، اور دیکھئے کہ ربط عبارت سے اُس کے کیا معنے پیدا ہوتے ہیں، اس وقت تک مجکو آپ کی طرف سے دہوکہ کا گمان بھی نہ تھا اس واسطے کہ دہوکہ بازی کے واسطے طبع رسا، فکر دراز، اور تجربہ سرد و گرم زمانہ چاہیئے"

"میں آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں اور پھر اس کی تکرار کرتا ہوں کہ مجکو کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو اعتراض مجکو آپ کی کارروائی پر ہو اُس کو میں آپ سے پوشیدہ رکھوں، یا جو انتظام مجکو آپ کی خدمت سے متعلق کرنا ہے، اُس کو مخفی کروں پس آیندہ آپ اس قسم کی بدگمانی کو ہرگز تحریر میں نہ لائیے، افسوس ہے کہ آپ میری تحریر کو برابر نہیں سمجھے ورنہ غلط فہمی کی نوبت نہ آتی، قبل اس کے کہ میں دہوکہ کے معنی بیان کروں دو تین جملے آپ کی زیر بحث عرضی میں ایسے ہیں کہ اُن کی نسبت پھر مجکو دہوکہ کا لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے۔

جملۂ اوّل ۔ اس بے اعتباری میں ریاست کا کام خراب ہوتا ہے۔

جملۂ دوم ۔ حکومت اور انتظام روز بروز ضعیف ہوتے جاتے ہیں۔

جملۂ سوم ۔ اور اس کا اثر حضرت پیر و مرشد کی سلطنت کے لیئے مضر ہو رہا ہے۔

"ان جملوں سے یہ پیدا ہے کہ میری بے اعتباری اس قدر زمانہ سے ہے جس کا اثر ایسا خراب ریاست پر ہو رہا ہے باوجودیکہ مجکو لفظ "دہوکہ" لکھ کر شاید ایک مہینہ کا عرصہ نہیں گزرا اور نفس الامر ان جملوں کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے مشیر اپنی بدرفتاری کے نتایج کو میری خیالی بے اعتباری کی آڑ میں چھپایا چاہتے ہیں"

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے امور انتظامی کے سلسلہ میں متعدد واقعات بیان کرکے سر آسمان جاہ کے طریق عمل پر اعتراض کیا ہے مثلاً مقدمہ معدنیات، مقدمہ الماس، معاملہ فتح نواز جنگ وغیرہ وغیرہ اور پھر ایک جگہ لکھا ہے:-

"اس قدر مجھے یاد ہے کہ وقار الملک اس سے قبل بھی زمانہ مختار الملک اول میں بشمولہ مسٹر جیرڈ میڈ ملازمت سے خارج ہو چکے ہیں"

اس کے بعد آخر میں تحریر فرمایا کہ:-

"وقار الملک کی درخواست وظیفہ کے متعلق میں بالکل اُن کی رائے کا متفق ہوں کہ جب اُن کی بدنامی اس قدر بڑھ گئی تو اُن کا قیام کسی طرح ممکن نہیں پس اُن کو فوراً یہاں سے روانہ ہونا چاہیئے، بلکہ وہ چار روز میں چلے جائیں، اُن کے کام پر فی الحال کسی کا نام لکھ کر میرے پاس روانہ کیجئے بعد میری منظوری کے وہ اس کام پر مقرر کیے جائیں، فتح نواز جنگ کی نسبت میں علیحدہ حکم دے چکا ہوں وہ فوراً معطل کیے جائیں اور اُن کی جگہ پر مولوی علی رضا خاں صاحب یا مسٹر ڈنلاپ منصرمانہ کام دیکھا کریں اور وقار الملک کے وظیفہ کی کارروائی رفتہ رفتہ ہوتی رہیگی، اس کے واسطے اُن کا یہاں توقف ضروری نہیں وہ چلے جائیں"

رزیڈنٹ کی چٹھی

جب اُن کے وظیفہ کی منظوری کا حال معلوم ہوا تو رزیڈنٹ نے اُن کو حسب ذیل چھٹی لکھی:-

رزیڈنسی حیدرآباد

مائی ڈیر سر، اگرچہ مجکو آپ سے ملنے اور بذاتِ خود آپ کو خدا حافظ کہنے سے بہت مسرت ہوتی لیکن میں اس امر کو بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کوئی ایسی بات کرنی پسند نہیں کرتے جو موجودہ حالت میں موجب غلط فہمی ہوتی۔[۱]

مجکو اُمید ہو کہ آپ کو بہت برسوں تک اپنے نئے وطن اور نئے لوگوں میں وہ آسایش نصیب ہوگی جو آپ نے ایک باشقت اور مفید زندگی سے واجبی طور پر حاصل کی ہو، آپ کی بہبودی کے واسطے بہت بہت خواہشمند۔

آپکا دوست

ہچلی پلوڈن

حیدرآباد سے روانگی

نواب وقار الملک نے ۲۱ صفر ۱۳۱۰ھ کو وظیفہ کی درخواست پیش کی تھی۔

۲۸ ربیع الاول (۲۰ اکتوبر ۱۸۹۲ء) تک معاملہ کا تصفیہ ہو گیا، لیکن یہ تمام کارروائی اس طرح خفیہ طور پر انجام پذیر ہوئی کہ خاص خاص حلقوں میں بھی لوگوں کو اس کی اطلاع نہ تھی، یہاں تک کہ لارڈ لینڈڈون کے ڈنر میں شریک ہونے والے مہمانوں کی فہرست میں اُن کا نام موجود تھا اور دعوت کا کارڈ اُن کے پاس بھیجا گیا تھا۔

نواب وقار الملک نے خود افسر جنگ بہادر کو اپنے وظیفہ کی اطلاع دی، اُس وقت پہلی مرتبہ

---

[۱] چٹھی کے اس فقرہ پر نواب وقار الملک نے اپنے ہاتھ سے ایک نوٹ لکھا ہو جو حسب ذیل ہو:-

"جس وقت سے کہ میں نے اپنے وظیفہ کی درخواست پیش کی اُس وقت سے میں پھر رزیڈنسی میں کبھی نہیں گیا تھا، صرف اس خیال سے کہ مبادا لوگ خیال کریں کہ میں اپنی سرکار کی وہاں کوئی شکایت لیکر گیا ہوں، میری اسی احتیاط کی طرف رزیڈنٹ صاحب نے اس فقرہ میں اشارہ کیا گیا ہو۔"

مشتاق حسین وقار الملک

لوگوں کو معلوم ہوا کہ مملکت آصفیہ آج اپنے ایک وفادار ملازم اور راست باز مدبّر کی شخصیت سے خالی ہو گئی۔ رخصت ہوتے وقت اُنھوں نے ٹیلیفون کے ذریعہ سے اپنے قدرشناس آقا یعنی نواب سر آسمان جاہ کو الوداعی سلام کیا، تو اس نیک طینت امیر نے اپنی ذمہ داری پر اُن کو پھر روکنا چاہا اور اصرار کیا کہ بالفعل اپنا ارادہ ملتوی کردو، لیکن نواب وقار الملک نے کہا کہ "تعمیل تو اعلیٰ حضرت کے ہی حکم کی ہوگی، اور اب معینہ مہلت میں چند گھنٹے باقی ہیں اور میں اسی مہلت میں تعمیل کرونگا۔"

غرض ۲۳ ر اکتوبر ۱۸۹۲ء کی تیرہ و تار شب میں جب کہ آہستہ آہستہ بارش ہو رہی تھی یہ کوہ عزم و وقار انسان ۱۰ بجے کی ٹرین سے دولتِ آصفیہ کے پایۂ تخت سے روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر صرف چند مخلص احباب کا مجمع تھا جو بصد حسرت و یاس اس کو رخصت کر رہے تھے، مگر رخصت ہونے والے کا چہرہ پر سکون اور سنجیدہ تھا۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُس کے دل میں کس قسم کے جذبات موجزن ہیں۔ جب روانگی میں چند منٹ باقی رہ گئے تو وہ اپنے دوستوں سے رخصتی معانقہ کر کے ٹرین کی طرف بڑھا۔ رخصت ہوتے وقت اُس نے اپنے محبوب آقا اور ولی نعمت، آصف جاہ سادس کے پایۂ تخت کو پھر ایک دفعہ نظر اٹھا کر دیکھا۔ جہاں وہ سر سالار جنگ اعظم کے عہد میں بعالم نوجوانی آیا تھا، جہاں اُس نے ایام شباب کی بہترین طاقت اور دل و دماغ کی تمام بہترین قوتیں صرف کر دیں، جہاں اُس نے اپنی صحت اور شباب دونوں کو ہمیشہ کے لیئے رخصت کر دیا، اب وہ امروہہ کا نوجوان مشتاق حسین نہ تھا، بلکہ بوڑھا وقار الملک تھا، جو دولتِ مغلیہ کی اس آخری یادگار کو بڑی اُمید و محبت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو اس کو بہت عزیز تھی اور جس کے ویران جنگل اور جھلسے ہوئے پہاڑوں کو سرسبز و آباد کرنے کے لیئے اُس نے بڑی کوشش کی تھی۔

آخر کار ٹرین کی روانگی نے اس پُر حسرت منظر کا خاتمہ کر دیا، اور یہ بوڑھا نواب ہمیشہ کے لیئے حیدرآباد سے رخصت ہو گیا۔

وظیفہ فرمان روایانِ دولتِ آصفیہ خلد اللہ ملکہم کی یہ عجیب خصوصیت ہی کہ وہ نارضامندی کی حالت میں بھی ایک لمحہ کے لیئے کسی کی حق تلفی گوارا نہیں فرماتے، چنانچہ باوجودیکہ حریفوں نے اعلیٰحضرت کی طبع شاہانہ کو نواب وقار الملک کی طرف سے مکدّر کردیا تھا، اعلیٰحضرت نے اُن کی قدرشناسی میں کوتاہی نہ کی، اور ایک ہفتہ کے اندر اُن کے وظیفہ کی منظوری کا حکم صادر فرمادیا، اور ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ کو اُن کو اطلاع دی گئی کہ "حضرت بندگانِ عالی متعالی مدظلہ العالی نے براہِ نوازش شاہانہ اُن کے واسطے سات سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ حین حیاتی منظور فرمایا ہی، کیونکہ چھ سو ماہوار سے زیادہ وظیفہ کسی کو عطا نہیں کیا گیا، اور ایک سو روپیہ ماہوار بوجہ سفارش خاص نواب مدارالمہام سرکار عالی کے منظور ہوا ہی۔

مجید

ایک سربستہ راز کا انکشاف

اعلیٰ حضرت کی ناراضامندی کا سبب

نواب وقار الملک نے ۱۸۹۱ء میں نواب سر آسمان جاہ کی خدمت میں صرف اس بنا پر استعفا پیش کر دیا تھا کہ اُن کو یہ محسوس ہوا تھا کہ اب نواب ممدوح کو اُن پر پہلا جیسا اعتماد باقی نہیں رہا، اور جب خود نواب سر آسمان جاہ نے بھی یہ تسلیم کیا کہ اُن کے اعتماد میں بقدر دانۂ خشخاش کمی آگئی ہے تو وہ اس حالت کو بھی برداشت نہ کرسکے اور اُنھوں نے صاف صاف کہدیا کہ :-

"بے اعتمادی گو کہ ایک دانۂ خشخاش سے بھی کم ہو بلکہ صرف بے اعتمادی کا نام اشراف کے لئے موت سے بدتر ہے"

بلکہ تحلیل و تجزیہ کے بعد نوبت یہاں تک پہونچی کہ اُنھوں نے "دانۂ خشخاش" کے سویں حصہ کی برابر بھی بے اعتمادی کے اظہار کو گوارا نہیں کیا، ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کا یہ فرمانا کہ :-

"سر آسمان جاہ تو اچھے ہیں لیکن اُن کے مشیر اچھے نہیں"

صاف طور پر بے اعتمادی کا اظہار تھا، اور اگرچہ اس فقرہ میں اُن کا نام نہیں لیا گیا تھا، لیکن یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر تھا کہ "مشیر" سے مراد نواب وقار الملک کی ذات تھی اس لئے اُنھوں نے بلا تامل استعفا دے دیا جو منظور ہو گیا، کیونکہ جب "آقا" کا اعتماد باقی نہیں رہا، تو ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہرنا، اُن کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

یہ ایک واقعہ تھا جو دنیا کے اور واقعات کی طرح گزر گیا اور ماضی کے دفتر میں شامل ہو گیا، لیکن نواب وقار الملک کے لئے اس واقعہ کے اندر ایک ایسی چیز تھی جس نے اُن کو زمانہ

درازتک بےچین اور مضطرب رکھا، یعنی اعلیٰ حضرت کا "اظہار بے اعتمادی"۔ وہ متحیر تھے کہ آخر یہ ناراضامندی اور بے اعتمادی کا کیا سبب ہے؟ وہ ایک ایک واقعہ پر غور کرتے تھے، لیکن ان کو کوئی واقعہ بھی اس قدر مہتم بالشان نظر نہیں آتا تھا جو اعلیٰ حضرت جیسے مستقل مزاج فرماں روا کو اپنے دیرینہ معتمد علیہ اور وفادار ملازم سے ناراض کردے، لہٰذا انھوں نے خیال کیا کہ اس معاملہ کے اندر کوئی راز ہے جس کے معلوم کرنے سے وہ اب تک قاصر ہیں لیکن اس راز کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لئے ان کو خواہ مخواہ صبر کرنا پڑا۔

لیکن علیحدگی سے چند سال بعد ایک سفر کی حالت میں دفعتاً یہ راز ان پر کھل گیا، اور جو کانٹا سالہا سال سے ان کے دل میں کھٹک رہا تھا نکل گیا۔

خود نواب وقارالملک نے اس راز کو ایک خط میں بیان کیا ہے جو انھوں نے سرڈنیس فٹز پیٹرک کو انگلستان بھیجا ہے۔ صاحب موصوف پہلے حیدرآباد میں رزیڈنٹ تھے پھر پنجاب کے لفٹنٹ گورنر مقرر ہوئے اور اپنی مدتِ معینہ پوری کرکے انگلستان چلے گئے۔ نواب وقارالملک کا یہ خط حسب ذیل ہے۔

نواب وقارالملک کا ایک پُراسرار خط

مائی ڈیر سر! میں اگرچہ اپنے حیدرآباد چھوڑنے سے دو سال پہلے اس بات کا آرزومند تھا کہ مجکو رٹائر ہونے کی اجازت ملے، لیکن اسی کے ساتھ اس گورنمنٹ نے جن شاہانہ نوازشات کے ساتھ ہمیشہ میری خدمات کی قدرشناسی کی تھی اس کے لحاظ سے میری یہ بھی نیچرل خواہش ضرور تھی کہ میرے وہاں کے قیام کے آخر وقت تک بادشاہ و وزیر و ملک کا اعتماد بھی میری نسبت قائم رہے، اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حیدرآباد سے میری رخصت ہوتے وقت بادشاہ کا اعتماد میری نسبت عمدہ حالت میں نہیں رہا تو بیشک اس کا افسوس مجکو ہمیشہ رہا ہے۔

(۱) ہزہائنس نظام کی رائے سرآسمان جاہ اور ان کے مشیروں کے متعلق | جو الفاظ کہ اس معاملہ کے متعلق اول مرتبہ

میرے کان میں پہونچے وہ یہ تھے کہ ہزہائنس فرماتے ہیں کہ :-

"آسماں جاہ تو اچھے ہیں مگر اُن کے مشیر اچھے نہیں ہیں"

یہ سنتے ہی میں نے بلا تاخیر وظیفہ کی درخواست پیش کی اور اُس میں عرض کر دیا کہ درخواست کی منظوری کے بعد میں اپنے وطن کو روانہ ہونا چاہتا ہوں۔

اِس بے اعتمادی کی نسبت جو کچھ گزشتہ زمانہ میں بیان کیا گیا اُس میں سے کوئی امر بھی ایسا نہ تھا جس کو میں اس تغیر عظیم کی وجہ قرار دے سکتا جو ہزہائنس کی سی مستقل اور نہایت پر غور و فکر اور منصف طبیعت میں میری طرف سے پیدا ہو گیا تھا۔

(۲) ہزہائنس کی ناخوشی کے اسباب

بعض نے کہا کہ یہ الماس والے مقدمہ کا نتیجہ تھا مگر جنھوں نے ایسا خیال کیا اُنھوں نے تو بالکل ہی برعکس نتیجہ نکالا۔ بعض نے نواب مہدی حسن کے مقدمہ کو اس کی وجہ قرار دیا، مگر یہ بھی محض غلط خیال تھا، ہزہائنس وہ شخص نہیں ہیں جن پر ایسی لغو باتوں کا کوئی ایسا اثر پڑتا اور وہ بھی میری نسبت کسی نے کہا کہ یہ جاگیرداروں کی شورش کی وجہ سے تھا جن کو اپنی جاگیرات کی تحقیقات ناگوار تھی، اسی طرح کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ اُس کی نسبت بیان کیا جس کو میں ہمیشہ بہت ہی غور سے پڑھتا رہا ہوں، مگر کوئی ایک بات بھی مجھکو اس میں کام کی نہیں ملی، خود ہزہائنس کی ایک تحریر بھی میرے معاملہ کے متعلق نواب سر آسمان جاہ بہادر کے نام میں نے دیکھی ہو اور اگر کبھی مجھکو موقع ملا تو میں نہایت ادب کے ساتھ ہزہائنس کے حضور میں یہ عرض کرنے کی عزت حاصل کرونگا کہ اصل ناراضمندی کی وجہ کا اظہار اس معزز ترین تحریر میں بھی نہیں ہوا تھا۔

(۳) بمبئی کا سفر اور ایک جدید انکشاف

لیکن حال ہی میں چند ہفتہ پیشتر جب کہ مجھکو اپنی بہو مسز محمد احمد مرحوم کے انگلستان جاتے وقت بمبئی کا سفر پیش آیا تو اس سفر کے اثناء میں مجھکو بعض ایسے لوگوں سے ملنے کی عزت حاصل ہوئی جو میرے بعد کچھ عرصہ تک حیدرآباد میں رہے تھے، اور جن کو میرے آخر زمانہ قیام حیدرآباد اور اس کے بعد بھی عرصہ تک ہزہائنس کے خیالات پر مطلع ہونے کا کافی موقع حاصل رہا تھا۔ ان ملاقاتوں میں البتہ مجھکو ایک خاص بات ایسی دریافت ہوئی کہ جس کو

میں اس انقلاب کی وجہ قرار دے سکتا ہوں جو ہز ہائنس کی طبیعت میں دفعتاً میری طرف سے پیدا ہوا تھا، اور وہ ایک ایسی وجہ ہے جس کو آپ کی ایک ایسی کارروائی سے تعلق ہے جو کہ آپ کے حیدرآباد چھوڑنے کے بعد ظہور میں آئی، لہٰذا اُمید ہے کہ اگر میں اس کو آپ کے نوٹس میں لانے کی جراءت کروں تو آپ مجھکو معاف فرمائینگے۔

(۴) نواب سرور الملک کی ایک یادداشت

میرے کان تو اُسی وقت کھڑے ہوئے تھے، جب کہ کچھ عرصہ پیشتر نواب سرور الملک بہادر (سرور جنگ) کی ایک یادداشت جو کہ انھوں نے ہز ہائنس اور رزیڈنٹ اور مدار المہام وقت کے باہمی تعلقات کی نسبت شائع کی ہے، اخبارات میں شائع ہونی شروع ہوتی اور جس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ:۔

"ہر شخص جو حیدرآباد کے حالات سے واقف ہے بخوبی جانتا ہے کہ چند دنوں سالار جنگ ثانی بہادر مدار المہام تھے اور ملک کی فنانشل حالت بھی کسی قدر مخدوش تھی اور اس زمانہ میں بھی یہی شور و غل ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے مصارف سے خزانہ خالی ہو رہا ہے، خوش قسمتی سے ان دنوں ایک باخبر اور راستباز رزیڈنٹ سر ڈینس فٹز پٹرک موجود تھے جن کی طرز کارروائی بالکل اُن کے قایم مقام سے جس نے کشمیر میں بڑا نام کمایا ہے علیحدہ تھی۔

اعلیٰ حضرت کی عظمت اور وقعت کے محافظ (ہم کو ایسے لقب سے اُن حکام کو یاد کرنا چاہیے) جو حکام تھے انھیں حکم دیا گیا کہ اسراف کے ثبوت میں ایک تحریری یادداشت تیرہ سال کے آمد و صرف کی پیش ہو، وہ مسٹر ڈینس کو کچھ اور ہی سمجھے ہوئے تھے، سر ڈینس ایک لائق شخص ہونے کے علاوہ قانون دان اور بے لوث حاکم تھے، اُنھوں نے اصل مطلب کو آناً فاناً پالیا، پنجاب کی گورنری پر جانے کا زمانہ قریب آگیا تھا، اور گورنری پر جانے کے وقت وہ حسابات کو لیئے ہوئے انگلینڈ گئے، اور بعد تنقیح اُنھوں نے ایک بسیط رپورٹ لکھی اور نرم الفاظ میں

اعلیٰ حضرت پر جنھوں نے اسراف کا الزام لگایا تھا ان پر ملامت کی، اور تمام بُرائیوں کو جو ریاست کی تباہی کا باعث تھیں، اور جن سے آیندہ بہت کچھ صدمہ ریاست کو بصورت عدم انسداد پہونچنے والا تھا لکھدیا۔

اِس رپورٹ کو سر ڈینس نے خاص اعلیٰ حضرت کی خدمت میں روانہ کیا، اور ساتھ اس کے ایک دستانہ خط بھی پند آمیز لکھ بھیجا کہ اعلیٰ حضرت کو کیا کرنا چاہیئے۔ یہ پہلا وقت تھا جو اعلیٰ حضرت کو اصلی واقعات کی اطلاع ہوئی اور نہایت متعجب ہوئے کہ خود ملازمین کی بدانتظامی سے جو برائیاں پیدا ہوئی ہیں اُن کو ان ملازمین نے اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کیا کہ اعلیٰ حضرت کے اسراف سے ہوتی ہیں، دوسری حالت میں یہ الزام ضرور اعلیٰ طبقوں میں باور کیئے جاتے۔

اس وقت اور اب بھی اس قسم کے الزامات اعلیٰ حضرت پر لگانے سے مقصود یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کو گورنمنٹ آف انڈیا کی نظروں میں حقیر گردان کر گوشہ نشین کردیں اور خود مختارِ ملک بن بیٹھیں"۔

(۵) سیزدہ سالہ یادداشت اور اعلیٰ حضرت کی نارضامندی

مذکورہ بالا مضمون اخبار میں میں نے پڑھا تو سہی مگر مجکو پوری طرح اطمینان نہ ہوا کہ یہ واقعات کہاں تک صحیح ہیں، لیکن اپنے گزشتہ سفر بمبئی کے اثناء میں جن جنٹلمینوں کی ملاقات کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، انھوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی آپ کی وہی یادداشت جس وقت سے ہز ہائنس کے ہاتھ میں آئی اُسی وقت سے ہز ہائنس کو میری طرف سے نارضامندی پیدا ہوئی تھی اور یہ وجہ اب ایسی قوی اور صاف تھی کہ میں نے بھی جہاں تک اس پر غور کیا مجکو بھی اس میں کوئی شبہ نہیں رہا اور اب میں سمجھتا ہوں کہ جس گوہر مقصود کی مجکو ایک عرصہ سے تلاش تھی وہ اب ہاتھ آگیا ہی۔

(۶) یادداشت کے متعلق اعلیٰ حضرت کا خیال

بہ حیثیت ایک ایسے شخص کے جس کو آپ کی وہ مبسوط

یادداشت، اور اس کے ساتھ کا خط دیکھنے کی عزت حاصل نہ ہوئی ہو، اور جو کچھ کہ میں سمجھ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ کی اس رپورٹ سے جس میں ہز ہائنس کی فرمائشات اور اخراجات پر صراحتہً وضمناً نکتہ چینی کا موقع دیا گیا تھا، کم از کم ہز ہائنس کو یہ تو ضرور ہی معلوم ہوا ہو گا کہ وہ سیزدہ سالہ یادداشت مدار المہام کے ایک دفتر میں تیار ہوئی تھی اور مدار المہام کے کسی سکرٹری نے اسکو مدار المہام کی اجازت سے آپکے سامنے پیش کیا تھا، اور اس حالت میں ہز ہائنس پر ہی منحصر نہیں اگر ایک فرشتہ بھی اُن کی جگہ ہوتا تو اس کو اپنے مدار المہام اور اس کے مشیروں پر ضرور غصہ آنا چاہیئے تھا، اور جب حالت یہ تھی اور ہز ہائنس کو اس بات کی بھی ضرورت لاحق ہوئی ہو گی کہ کسی شخص یا اشخاص سے اس اہم معاملہ کے متعلق مشورہ کریں تو اب مدار المہام کی مخالف پارٹی کے لوگ شریک ہوئے ہونگے جن کی نہ وہاں اُمراء کے گروہ میں کمی تھی، نہ مڈل کلاس میں اور ان مشوروں کا جو کچھ نتیجہ ہو سکتا تھا وہ بھی محتاج بیان نہیں ہے اور جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہز ہائنس مدار المہام اور اُن کے مشیروں سے بد دل ہو گئے اور چونکہ مدار المہام کو آپ کی اس رپورٹ کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی جو کہ ہز ہائنس اور ظاہرا گورنمنٹ آف انڈیا اور رزیڈنٹ وقت کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی، لہذا مدار المہام کو ہز ہائنس کی بدگمانیوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیئے کوئی موقع نہ ملا، اور یہ صرف ہز ہائنس کی نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی طبیعت کی وجہ سے تھا جو حضرت نے اپنے مدار المہام کو جن کی نیک طبیعت کا اُن کو دیرینہ تجربہ ہو چکا تھا یہ فرما کر گویا کسی قدر معاف کر دیا کہ مدار المہام تو اچھے ہیں لیکن اُن کے مشیر اچھے نہیں، اور مشیر ہونے کی تمام تر ذمہ داری کا بوجھ جیسا کہ اُس وقت کی حالت کا مقتضی تھا، مشتاق حسین کی بے گناہ گردن پر پڑا، اور واقعات کی لاعلمی کی وجہ سے میں نے فوراً اپنے وظیفہ کی درخواست پیش کی اور اس میں لکھ دیا کہ میں اپنے وطن کو جانا چاہتا ہوں اس لیئے یقیناً ہز ہائنس کی بدگمانی کو جو میری نسبت ہو گئی تھی یقین کے درجہ تک پہونچا دیا، اور یہ حالت بھی جس میں بعض اوقات نہایت وفادار سے وفادار نوکروں کے تباہ و برباد ہو جانے کی مثالیں دنیا کی ہسٹری میں درج پائی جاتی ہیں، اور میں تو اپنے پاس وہ الفاظ نہیں پاتا جن میں ہز ہائنس کا شکریہ

اُن کی ان نوازشات کے لحاظ سے ادا کرسکوں جن سے حضرت نے باایں ہمہ میرے ساتھ پنشن وغیرہ کے متعلق برتاؤ کیا اور یہ انھیں کی فیاضی کی وجہ سے ہی جو میں اس وقت تک کسی غیر کا دست نگر نہیں ہوا، اور نہ مجھے اس آخر عمر میں دوسری جگہ کسی نوکری وغیرہ کی تلاش کرنی پڑی۔

(۷) وفادار ملازمین کا صحیح طریق عمل

میں نے جو اوپر کے فقرہ میں اپنی بے گناہی کی طرف اشارہ کیا ہی اس سے میرا یہ ہرگز مطلب نہیں ہی کہ میں کسی کارروائی کو جس میں ریاست کے فائدے کی غرض سے ہز ہائنس کو کفایت شعاری کا مشورہ دینے کی ضرورت ہو تو میں اس کو کوئی گناہ سمجھتا ہوں اس کو تو میں اعلیٰ درجہ کی خیر خواہی اور ہز ہائنس کے ساتھ عین وفاداری سمجھتا ہوں۔ البتہ طریق عمل کو ہر ایک کام میں بہت بڑا دخل ہوتا ہی، نہایت صاف اور ایک ایمانداری کا طریقہ ایک مدار المہام کے لیئے اس وقت میں یہ ہونا چاہیئے کہ جو کچھ وہ ہز ہائنس سے چاہتے ہوں اس کو اوّل خود ہز ہائنس کے سامنے پیش کریں نہ یہ کہ خود تو ایک لفظ بھی اس قسم کا ہز ہائنس سے عرض نہ کریں اور رزیڈنٹ کے سامنے لمبے لمبے نقشے اور رپورٹیں اس غرض سے پیش کریں کہ وہ اپنے انفلوئنس سے ہز ہائنس کو کفایت شعاری پر راغب کریں جو ایک نہایت بزدلانہ فعل ہی اور جو کسی طرح بھی قابل معافی نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی شخص مدار المہام کو اس قسم کی خراب مشورت دے تو کم از کم وہ کان پکڑ کر نکال دینے کے قابل ہی اور اب میں اجازت چاہتا ہوں کہ اس تیرہ سالہ حسابات کی کارروائی کے متعلق چند واقعات عرض کروں۔

(۸) سیزدہ سالہ رپورٹ کی حقیقت

یہ سیزدہ سالہ تختہ جات مداخل و مخارج جو پولیٹکل و فنانس سکرٹری کے دفتر میں تیار ہوئے تھے، میرے علم میں کبھی نواب سر آسمان جاہ بہادر نے ان کی تیاری کا حکم نہیں دیا، بالآخر جب وہ کاغذات تیار ہوئے تو پولیٹکل و فنانس کے آفس سے مع ایک مسودہ عرضداشت منجانب مدار المہام بنام ہز ہائنس اس منشا سے مدار المہام کے سامنے پیش ہوئے کہ وہ ہز ہائنس کے سامنے پیش کیئے جائیں اس مسودہ عرضداشت میں ہر جگہ اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ موجودہ فنانشل حالت نہایت ہی قابل اطمینان ہی اس وقت نواب سر آسمان جاہ بہادر

نے وہ کاغذات مجھے دیکھنے کو دیئے، اور میری رائے بھی اُن کی نسبت دریافت کی میں نے جہاں تک کہ ان کاغذات کو مراتب مندرجہ مسودہ عرض داشت سے تعلق تھا دیکھا تو مجکو معلوم ہوا کہ محض غلط دلیلوں سے فنانشل حالت کی عمدگی ثابت کی گئی ہے اور ہز ہائنس کو اس کے ذریعہ سے محض ایک سبز باغ دکھایا جاتا ہی

میں نے اپنی یہی رائے مدار المہام سے عرض کی اور تفصیل وار ہر ایک نتیجہ کو رقموں اور ہندسوں سے ان کو دکھلا دیا۔ اس پر مدار المہام نے اس مسودہ عرضداشت کو خارج کر دیا جو اُن کی طرف سے ہز ہائنس کے نام پولیٹکل و فنانس سکرٹری کے آفس سے پیش ہوا تھا اور مجکو اجازت دی کہ میں آپ سے اس کے متعلق گفتگو کروں چنانچہ اپنی یہی رائے زبانی میں نے آپکے سامنے پیش کی اور جو نتائج ریاست کی مالی حالت کے عمدہ ہونے کے ثبوت میں ان کاغذات کے ذریعہ سے قائم کیئے گئے تھے اُن کی غلطیوں کو میں نے آپکے سامنے مفصل بیان کیا جس کی کسی قدر یادداشت اس وقت آپنے لکھی۔

(۹) ہز ہائنس کو سفرِ انگلستان کی ترغیب

جس زمانہ میں یہ کارروائی ہو رہی تھی مدار المہام کے کان میں یہ آوازیں بھی آرہی تھیں کہ کچھ لوگ جن کو ہز ہائنس کی خرید کے وقت کمیشن لینے کا خوب موقع ملتا ہی اس منصوبہ میں ہیں کہ ہز ہائنس کو انگلستان کے سفر کی ترغیب دیں جس میں تقریباً پچاس لاکھ روپیہ سے کم صرف نہ ہوتا، لہٰذا بلاشبہ اس وقت مجکو یہ خیال بھی پیدا ہوا تھا کہ یہ ناوقت اور سر تا سر غلط یادداشت جو پولیٹکل اور فنانس آفس سے پیش ہوتی ہے اور مدار المہام ہی کی طرف سے ہز ہائنس کے سامنے پیش کرائی جاتی ہے اور جس میں دکھلایا جاتا ہی کہ اسٹیٹ کے پاس لاکھوں کروڑوں روپیہ موجود ہی، اور جو قرضہ ریاست پر ہے اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہی، اور فنانشل حالت ریاست کی اور خزانہ کی اس وقت عمدہ سے عمدہ حالت میں ہی، یہ کارروائی بھی ایک جزو انھیں لوگوں کی کوشش کا ہی تاکہ ہز ہائنس کو سفر انگلستان کے متعلق غور کرتے وقت اس کے مصارف کی طرف سے کوئی فکر لاحق نہ ہو، اور اپنے اس خطرہ کو میں نے مدار المہام سے بھی اور اُن کی اجازت سے

آپ کے سامنے بھی اُسی وقت عرض کیا تھا۔

(۱۰) نواب محسن الملک کا کاغذات لیکر رزیڈنٹ کے پاس جانا

بہر حال آپ کی خواہش اس کے بعد یہ ہوئی کہ خود پولیٹکل اور فنانس سکرٹری جنھوں نے وہ کاغذات مرتب کیئے ہیں، ان کاغذات کے متعلق بالمشافہ آپ سے تفصیلی گفتگو کریں چنانچہ نواب سر آسمان جاہ بہادر کی اجازت سے نواب محسن الملک بہادر کاغذات لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے، اور مجکو پھر کچھ نہیں معلوم ہوا کہ وہ گفتگو کیا تھی اور اُس کا نتیجہ کیا ہوا، مجھ سے اگرچہ مختلف ڈپارٹمنٹوں کے متعلق کام لیا جاتا تھا لیکن وہ جو کچھ تھا محض اس وجہ سے تھا کہ مجکو اس کا حکم ہوتا تھا، خود مجکو ریونیو سکرٹری آفس کے سوا دوسرے سکرٹریوں کے صیغوں میں دخل دینے کا کچھ شوق نہ تھا اور اس لیئے صدہا کام دوسرے آفسوں سے ایسے ہوتے رہتے تھے کہ جن سے مجکو کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ مجکو اس قدر فرصت ہی تھی کہ ان سیزدہ سالہ تختہ جات کی تمام رقموں پر اور ان نتائج پر غور کرتا جو کہ ان سے اخذ ہو سکتے تھے۔ لہذا میں نے اپنی توجہ کو صرف اُن اُمور میں منحصر رکھا جو کہ مسودۂ عرضداشت میں درج تھے، تاکہ مدار المہام کی طرف سے کوئی غلط رپورٹ ہزہائنس کے سامنے پیش نہ ہونے پائے، اور اس زمانہ میں میرے اور نواب محسن الملک کے تعلقات کچھ ایسے ہو رہے تھے کہ مجکو مناسب نہیں تھا کہ میں یہ دریافت کرتا کہ ان سیزدہ سالہ تختہ جات کی کارروائی کے متعلق نواب محسن الملک اور رزیڈنٹ میں کیا گفتگو ہوئی اور اُس کا آخری نتیجہ کیا نکلا، لیکن اس ملاقات کے بعد جو آپسے اور نواب محسن الملک بہادر سے ہوئی تھی، میں نے آپ کو ایک دفعہ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مدار المہام مختلف ناموں سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب خزانہ سے لے لیتے ہیں، اور بجنسہ نواب مدار المہام سے عرض کر دیا کہ جنھوں نے سنکر فرمایا کہ اس سے رزیڈنٹ صاحب کی مُراد میرے اسٹاف، گاڑی خانہ وغیرہ اور لوازم مدار المہامی سے معلوم ہوتی ہے، لیکن ان لوازم میں میرے وقت میں کچھ تخفیف ہی ہو گئی ہے، کوئی اضافہ نہیں ہوا۔

(۱۱) نواب انتصار جنگ کا ہز ہائنس نظام کی خدمت میں حاضر ہو کر سب واقعات عرض کرنا۔

چونکہ ہز ہائنس کے تعلقات اپنے مدار المہام کے ساتھ نہایت ہی عمدہ حالت میں تھے، لہٰذا اس عرصہ میں مدار المہام کے حسب ایما، ایک رات کو میں نے ہز ہائنس کے سامنے بھی مدار المہام کی طرف سے اس کل کارروائی کا تذکرہ من اولہ الی آخرہ عرض کر دیا۔ کہ کس طرح پر پولیٹکل و فنانس آفس سے اس قسم کے کاغذات مرتب ہو کر پیش ہوئے جن میں غلط طور پر ریاست کی مالی حالت نہایت عمدہ تبلائی گئی تھی اور یہ اُن لوگوں کی کوشش کا ایک جزو معلوم ہوتا ہے جو ہز ہائنس کو انگلستان کے سفر کی ترغیب محض اپنے منافع کی غرض سے دلانا چاہتے ہیں۔ اس تذکرہ کے وقت یہاں تک بھی میں نے ہز ہائنس کے گوش گزار کر دیا تھا کہ مدار المہام نے رزیڈنٹ پر بھی یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ریاست کی مالی حالت ایسی عمدہ نہیں ہے۔ جیسی کہ دفتر سے دکھلائی گئی ہے، اور چونکہ وہ محض ایک سبز باغ تھا لہٰذا وہ کاغذات حضور پُر نور کے سامنے پیش نہیں کیئے گئے۔ یہ ہیں کل واقعات اس معاملہ کے متعلق، اور جہاں تک کہ میرا تعلق ہے آپ کو کبھی یاد نہ ہوگا کہ میں نے مدار المہام کی طرف سے یا اپنی طرف سے کبھی اس قسم کا کوئی بیان کیا ہو جس میں ہز ہائنس کی فرمائشات وغیرہ کے متعلق کوئی نکتہ چینی کی گئی ہو۔

(۱۲) سیزدہ سالہ یادداشت تیار کرنے والوں کا خطرناک مقصد

اور خواہ یہ اصلی واقعہ ہو یا محض میری بدگمانی ہو جس کے واسطے خدا مجکو معاف کرے، مگر اب میں یہ عرض کرنے کی ضرور جرات کرونگا کہ اس سیزدہ سالہ کاغذات کے مصنفوں کی منشا اپنی اس تصنیف سے اسی قدر نہ تھی کہ جس قدر کہ میں اس وقت سمجھا تھا، یعنی ہز ہائنس کے ان گرد و پیش والوں کو جو کہ ہز ہائنس کو انگلستان کے سفر پر آمادہ کرنا چاہتے تھے مدد دیکر اپنا مشکور کریں اور مدار المہام اور ہز ہائنس کو یہ دکھلا کر اپنے سے خوش کریں کہ ان کی وہ کوشش جس سے ریاست کی مالی حالت عمدہ سے عمدہ حالت میں دکھلائی گئی تھی صرف اس لیئے تھی کہ ریاست کا اعتبار بڑھے اور ایسے منتظموں کی نیک نامی کا باعث ہو، بلکہ اس سے دو عظیم الشان اور گہرے مقصد اور بھی تھے، اور وہ یہ کہ :-

(اوّل) جس وقت اُن کی وہ تصنیف رزیڈنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا کے سامنے پیش ہو تو وہاں وہ اس سے یہ ثابت کر سکیں کہ بادشاہ اور وزیر دونوں اپنی فضول خرچیوں سے خزانہ کو برباد اور ریاست کی مالی حالت کو تباہ کر رہے ہیں (گو کہ اس میں سے ایک معتد بہ صرف انھیں کی مشورتوں کا نتیجہ تھا) اور اس طرح رزیڈنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا کی نظروں میں اپنے آپ کو نہایت ایماندار ثابت کریں، اور اُن کی مدد اپنی نسبت حاصل کریں۔

(دوم) جس وقت کہ گورنمنٹ آف انڈیا اور رزیڈنٹ اپنا انفلوئنس ان کاغذات کی بنیاد پر ہز ہائنس کو کفایت شعاری کی ترغیب دینے میں براہِ راست کام میں لائیں، تو اس خیال سے کہ مدار المہام اور اُن کے "مشیر خاص" ہی نے یہ شکایت رزیڈنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا سے کی ہز ہائنس کے دل میں ان دونوں کی طرف سے دلی نفرت پیدا ہو جائے، اور خود ان مصنفوں کے لئے تو صاف راستہ کھلا ہوا تھا کہ ہم تو محض برائے نام عہدہ رکھتے ہیں، اور کسی مشورت میں شریک ہی نہیں ہیں، اور یہ جو کچھ انھوں نے سوچا تھا اس میں وہ کامل طور سے کامیاب ہو گئے، اور مدار المہام کو آخر وقت تک یہ خبر نہ ہوئی کہ کیا ہو رہا ہے اور اصل وجہ ہز ہائنس کی اس ناراضامندی کی کیا ہے؟ ورنہ چونکہ مدار المہام کی طرف سے ایک مرتبہ ان سیزدہ سالہ کاغذات کا تذکرہ ہز ہائنس کے سامنے ہو ہی چکا تھا تو یہ چنداں مشکل نہ تھا کہ ہز ہائنس کی طبیعت میں آپکی یادداشت کی وجہ سے کوئی غلط خیال پیدا نہ ہونے دیتے۔

(۱۳) اعلیٰ حضرت کی ناراضامندی کا صدمہ

آخر میں مجکو اس قدر اور بھی عرض کر دینا ضرور ہے کہ یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے یہ صرف وہ ہے جہاں تک کہ میری ذاتی معلومات اور ذاتی رائے اور ذاتی کارروائی کا تعلق ہے اور اگر آپ کے علم میں اس سے زیادہ کچھ اور بھی ہے جو کہ مجھ سے بالا بالا وقوع میں آیا ہو اور جس کا مجکو کوئی علم نہیں ہے تو اس کی ذمہ داری سے میں ہر طرح بری ہوں، اور آپکے سامنے میرے یہ عرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ایک شخص کی تسکین خاطر کے لئے جس کی میری سی پوزیشن رہی ہو، صرف اس قدر کافی نہیں ہو سکتا

کہ روٹی اور کپڑے کی طرف سے اُس کو بے فکری ہو جائے۔ میرے لئے سب سے قیمتی چیز جو میں نے تیس سالہ سروس میں حاصل کی تھی، وہ اعتماد تھا جو کہ ہز ہائنس میری نسبت فرماتے تھے، اور بغیر میرے کسی قصور کے اس کا اس طرح پھر آخر عمر میں مجھ سے چھن جانا اور برخلاف اس کے نمک حرامی کے الزام کا مجھ سے منسوب ہونا، یہ میری ہر ایک خوشی اور مقصد کے لئے جو اس دنیا میں حاصل ہو سکتے ہیں ایک موت ہے جو طبعی موت سے میرے لئے زیادہ تلخ ہے اور اس تلخی سے مجبور ہو کر میں نے مذکورۂ بالا حالات کا آپ کے نوٹس میں لانا مناسب سمجھا اور جو تکلیف اس کی وجہ سے جناب عالی کو ہو گی اُس کی میں نہایت ادب سے معافی چاہتا ہوں۔

حیدرآباد کی ملازمت کی ہوس تو میرے دل سے اُسی وقت نکل گئی تھی جب کہ میری مدتِ ملازمتِ پنشن کی حد تک پہونچ گئی تھی اور اب بھی اور آرزو مجکو حیدرآباد کے معاملات کے متعلق اس کے سوا باقی نہیں ہے کہ ہز ہائنس کے دل میں جو بے اعتمادی میری طرف سے پیدا ہو گئی ہے وہ رفع ہو جائے تاکہ بغیر ان تکلیف دہ اور تلخ خیالات کے میری روح اس دنیا سے کوچ کرے، اور میرا نام اس دنیا میں آیندہ برائی کے ساتھ یاد نہ کیا جائے، خدا کے ہاں مجکو اس معاملہ کے متعلق کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ وہ سب طرح دانا، بینا ہے اور اُس کے ہاں اس قسم کی غلط فہمیاں نہیں ہو سکتیں۔"

اس خط سے نواب وقار الملک کا مقصد یہ تھا کہ سر ڈینس فٹز پٹرک پر "سیزدہ سالہ رپورٹ" کے متعلق اصلی واقعات ظاہر کر دیں تاکہ اُن کی بے تعلقی اس معاملہ سے ثابت ہو جائے اور وہ اعلیٰ حضرت کے سامنے اپنی براءت ظاہر کر سکیں۔ اس باضابطہ خط کے ساتھ اُنھوں نے ایک علیحدہ چٹھی بھی سر فٹز پٹرک کو لکھی تھی لیکن افسوس کہ اُن خطوط کا اُن کو کوئی جواب نہیں ملا اور یہ کچھ خلاف

توقع نہ تھا، حیدرآباد کے سابق رزیڈنٹ کے لیئے مشکل یہ مناسب ہو سکتا تھا کہ وہ حیدرآباد کے معاملات سے کامل طور پر بے تعلق ہو جانے کے بعد دوبارہ وہاں کے معاملات میں حصہ لے، اور زمانہ گزشتہ کے کسی واقعے کے متعلق ذمہ دارانہ حیثیت سے کسی رائے کا اظہار کرے، اس لیئے اُنھوں نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔ تاہم نواب وقار الملک نے ۶-۷ ماہ تک جواب کا انتظار کیا۔ لیکن جب اس طرف سے مایوسی ہوئی تو اُنھوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اعلیٰ حضرت کو زیادہ مدت تک حقیقتِ حال سے بے خبر رکھیں، چنانچہ ایک طویل عرضداشت بارگاہِ خسروی میں پیش کرنے کے لیئے تیار کی، یہ عرضداشت درحقیقت نواب وقار الملک کی حیدرآبادی زندگی پر ایک مکمل تبصرہ ہے اور تبصرہ بھی خود صاحب سوانح کے قلم سے، اس لیئے ایک ایک لفظ بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔

اس عرضداشت نے تمام واقعات سے پردہ اٹھا دیا ہے، اور تمام الزامات کو ایک ایک کر کے رفع کر دیا ہے، اس لحاظ سے یہ یادداشت اُن کے سوانح حیات کا ایک ضروری حصہ ہے۔ حیدرآباد سے اُن کی علیحدگی کے بعد لوگوں نے اخبارات میں بہت کچھ طبع آزمائی کی تھی، اور اپنے اپنے خیال کے مطابق اُن کی علیحدگی کے وجوہ تجویز کر کے اُن کو موردِ الزام قرار دیا تھا، لیکن اُس موقع پر نواب وقار الملک نے کسی مصلحت سے ان مباحث میں مبتلا ہونا پسند نہ کیا، صرف یہ چاہا کہ اعلیٰ حضرت کے دل میں اُن کی طرف سے جو شکوک ہیں وہ رفع ہو جائیں، اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیئے اُنھوں نے یہ عرضداشت مرتب کی جو پرائیویٹ طور پر بارگاہِ آصف جاہ میں پیش کی گئی۔ اُس وقت یہ مناسب نہ تھا کہ جو واقعات اس میں لکھے گئے ہیں اور برأت کے جو وجوہ بیان کیئے گئے ہیں وہ پبلک کے سامنے پیش کیئے جائیں، لیکن اُن کی یہ خواہش ضرور تھی کہ اُن کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے آقا کے وفادار اور خیرخواہ تھے، اور اُن کا دامن غداری کے داغ سے پاک تھا۔ اس خواہش کا اظہار خود اس عرضداشت کے ایک فقرہ سے ہوتا ہے جب کہ وہ تمام الزامات کا جواب

دینے کے بعد لکھتے ہیں :-

"اس عرضداشت کے ذریعہ سے فدوی نے بھی اس قدر سامان ضرور مہیا کر دیا ہے کہ میرے اس جہان سے سفر کر جانے کے بعد اگر وہ خلقت کی نگاہ سے گزرے تو آئندہ کی دنیا میری نسبت یہ صحیح رائے قایم کر سکے کہ میں اپنے بادشاہ کا نا وفادار ملازم نہیں تھا، اور جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے اپنے فرائض کو نہایت ایمانداری کے ساتھ انجام دیا تھا"

خدا کا شکر ہے کہ آج کامل پچیس برس بعد اُن کی یہ آرزو پوری ہوئی اور یہ عرضداشت جو اخلاص وفاداری کے جذبات سے لبریز ہے، اور نوجوانوں کے لیئے عبرت وبصیرت کا مرقع ہے، منظر عام پر آ رہی ہے، اس میں متعدد واقعات نہایت سبق آموز ہیں جو مطالعہ کرنے والوں کے لیئے شمع راہ کا کام دیتے ہیں اس عرضداشت سے اُن کے عام اخلاقی محاسن کے علاوہ اخلاص اور شرافت نفس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اعلیٰ حضرت کے سامنے از راہ خود غرضی صرف اپنی برأت پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ اپنے مرحوم و مغفور آقا سر آسمان جاہ کی بھی پوری قوت سے حمایت کرتے ہیں اور یہ بات اعلیٰ حضرت کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ "مرحوم وزیر" سلطنت کا اور ذات شاہانہ کا وفادار تھا مگر حریفوں کی سازش کا شکار ہو گیا۔ اسی جگہ سے یہ راز کھلتا ہے کہ نواب وقار الملک پر مرحوم وزیر کا سب سے زیادہ اعتماد کچھ بے جا نہ تھا، سینکڑوں مدعیان اخلاص و وفاداری اس امیر کبیر کے دربار میں کمربستہ حاضر رہتے تھے، لیکن جب زمانہ پلٹا اور اُس کو مسند وزارت سے ہٹنا پڑا تو کسی نے اُس کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ لیکن نواب وقار الملک اپنے نیک طینت آقا کو کبھی نہ بھولے یہاں تک کہ اس جہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اُنھوں نے مرحوم کے آقا کے سامنے اُس کی حمایت کی، یہی چیزیں ہیں جو ہماری قدیم تعلیم وتربیت کا جوہر تھیں، اور وقار الملک اسی تعلیم وتربیت کا ایک نمونہ تھے۔

عرضداشت وقار الملک بحضور نظام الملک آصفجاہ سادس

فرماں روائے حیدرآباد

حیدرآباد سے علیحدہ ہونے کے بعد فدوی ہمیشہ اس ارادہ میں رہا ہے کہ حضرت ظلِ سبحانی کی پیشگاہ اقدس و اعلیٰ میں کسی وقت ایک عرضداشت پیش کرنے کی عزت حاصل کرے۔ لیکن ہر مرتبہ جب ایسا ارادہ کیا کوئی نہ کوئی خیال جس کا اعادہ اس وقت قلم سے ناممکن ہے مانع رہا۔ مگر یہ حال کا موقع جس میں فدوی کو اپنا ایک آخری فرض نواب سر آسمان جاہ مرحوم و مغفور کے متعلق جن کے نام کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں ادا کرنا ناگزیر ہے ایسا پیش آیا ہے کہ اُس کو فدوی زیادہ عرصہ تک ملتوی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اور وہ ایک مختصر سی عرضداشت ہے جو فدوی مرحوم و مغفور کے متعلق علیحدہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے اور اسی کے ساتھ اب یہ بھی ضروری ہے کہ فدوی اس دیرینہ آرزو کو بھی پورا کرے جس کے خیال سے فدوی کا کوئی وقت بھی خالی نہیں رہا ہے اور یہی عرضداشت ہے جس کو نہایت ادب اور عاجزی سے پیش کرنے کی عزت فدوی حاصل کرتا ہے۔

معذرت و استدعا رحم

۲۔ ہر ایک شخص جو کسی وقت اپنے بادشاہ ظل اللہ کا مورد مراحم رہ چکا ہو اور اب بھی جس کا گوشت پوست اپنے مالک کے نمک سے پرورش پاتا ہو اور جس کے بال بچوں کی گزران سب اپنے مالک بادشاہ کے تصدق سے ہوتی ہو وہ ضرور اس بات کا آرزومند ہوتا ہے کہ اگر اتفاق سے اس کے مالک اور آقا کو اُس کی طرف سے کوئی ایسا خیال پیدا ہو جائے جو اُس کی نمک حلالی اور جان نثاری کے خلاف ہو تو حتے الامکان اس کی اصلاح میں سعی کرے اور اگر درحقیقت اُس سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہو جس سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں ہے تو نہایت ادب سے اِس کی معافی کا خواستگار ہو اور یہی مقصد اس گزارش کا ہے بلکہ ایک ناکردہ گناہ کے لیے

بھی نجات کا یہی ایک راستہ ہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف کرلے اور خدا سے عفو و رحمت کا طالب ہو۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش — عذر بدرگاہِ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش — کس نتواند کہ بجا آورد

بعض خیالات کی نسبت کچھ گزارش

۳۔ اب سب سے بیشتر فدوی بعض اُن خیالات کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتا ہے جو فدوی کی نسبت حیدرآباد میں عام طور پر پھیلے ہوئے تھے اور جن کی وجہ سے لوگوں کو اکثر غلط فہمی ہوتی تھی۔ ان خیالات میں سب سے اہم تر خیال یہ تھا کہ "نواب سر آسماں جاہ بہادر مرحوم مغفور جو کچھ کرتے تھے وہ سب مشتاق حسین کی رائے سے ہوتا تھا"۔ اس معاملہ کی اصل حقیقت یہ تھی کہ بلاشبہ نواب صاحب موصوف فدوی پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے اور فدوی کو اپنا سچا خیر خواہ سمجھتے تھے اور جو کچھ فدوی مرحوم موصوف سے عرض کرتا تھا اُس کو وہ بہت توجہ اور بھروسہ کے ساتھ سنتے تھے اور بسا اوقات اس سے اتفاق فرماتے تھے اور منظور کرتے تھے مگر یہ صرف نواب سر آسماں جاہ بہادر اور مشتاق حسین پر ہی منحصر نہیں ہے جب کوئی ملازم اپنے آقا کے ساتھ ایمانداری اور وفاداری اور خیر خواہی سے پیش آئیگا ہمیشہ یہی نتیجہ نکلیگا۔ لیکن بااینہمہ یہ ہرگز نہیں تھا کہ جو کچھ فدوی چاہتا تھا وہی ہوتا تھا یا یہ کہ جو کچھ بھی مرحوم موصوف کے زمانہ مدارالمہامی میں ہوا وہ سب فدوی کی رائے سے ہوا۔ معتمدی تعمیرات کے علاوہ جس میں ریلوے اور معدنیات کے ایسے صیغے شامل ہو گئے تھے جو بہت کچھ معتمد مال گزاری سے علاقہ رکھتے تھے اور جن کی نسبت صاحب عالیشان بہادر کی اتفاق رائے سے جریدہ میں چھپ چکا تھا کہ اس معتمدی کے کاغذات معتمد مال گزاری کے ذریعہ سے مدارالمہام کے سامنے پیش ہونگے، باقی تمام معتمدین کے کاغذات براہ راست خود مدارالمہام کے پاس جاتے تھے اور جناب ممدوح خود ہی اُن کو ملاحظہ فرماتے تھے اور اس طرح پر صدہا تجویزیں دیگر دفاتر سے ایسی جاری ہوتی تھیں جن کی فدوی کو خبر تک نہیں ہوتی تھی۔ البتہ اُن کاغذات میں سے جس جس کاغذ کی نسبت مدارالمہام فدوی سے رائے لینا

مناسب سمجھتے تھے اس میں وہ فدوی سے رائے لیتے تھے ورنہ نہیں۔ اور بیسیوں تجویزیں ایسی بھی ہوتی تھیں جو فدوی کی رائے کے خلاف ہوتی تھیں، پھر جہاں تک عمائدِ ریاست کا تعلق تھا وہاں تک اکثر اشخاص اپنے معاملات کو اپنی کانگوں کے ذریعہ سے خاص مدار المہام کے سامنے حاضر ہو کر خود پیش کرتے تھے۔

معتمدی مال گزاری | ۴۔ البتہ مال گزاری کی معتمدی سے جو صیغے متعلق تھے یعنی مالگزاری بندوبست، اسٹام، کروڑگیری، آبکاری، جو بنیہ اور بعض اور متفرقات، یہ فدوی سے متعلق تھے اور ان صیغوں کے متعلق اگر کسی قسم کی شکایت ہوئی ہو تو اس کا بلاشبہ فدوی ذمہ دار رہی۔ لہذا اِن صیغوں کی کارروائی کی حالت یہ تھی کہ جو کیفیت اور رائیں اُن میں فدوی بہ حیثیت معتمد مالگزاری تحریر کرتا تھا وہ اول معین المہام کے سامنے پیش ہوتی تھیں اور وہ بسا اوقات اُن سے اختلاف بھی فرماتے تھے اور اگرچہ فدوی کو اس وقت یہ قابو حاصل تھا کہ فدوی ایسے کسی مقدمہ مختلف فیہ میں مدار المہام کے سامنے کیفیت پیش کرکے وہاں پر اپنی ہی رائے پر زور دیتا لیکن اس کو فدوی نے کبھی مناسب نہیں سمجھا اور اگر اس اختلاف میں کچھ زیادہ ہرج معلوم نہ ہوتا تھا تو انھیں تجویزوں کو فدوی منظوری کے لیئے مدار المہام کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اور نواب مدار المہام بھی ایسی صورتوں میں اکثر بلکہ قریبًا قریبًا کل کے معین المہام کی رائے سے اتفاق فرماتے تھے اور اگر فدوی کبھی یہ دیکھتا تھا کہ معین المہام کی تجویز انتظام یا انصاف کے زیادہ تر خلاف ہے تو ان مثلوں کو فدوی دوبارہ خود بالمشافہ معین المہام کے سامنے پیش کرتا تھا اور اس وقت یا فدوی معین المہام کی تجویز سے اتفاق کر لیتا تھا یا معین المہام اپنی تجویز کو بدل دیتے تھے اور اس طرح معتمد اور معین المہام کا اختلاف مدار المہام کے سامنے معتمدی مالگزاری کے متعلق تصفیہ کے لیے شاید کبھی پیش نہیں ہوا، اور فدوی کا یہ عمل درآمد نہ صرف نواب وقار الامراء بہادر کی معین المہامی میں رہا بلکہ نواب منیر الملک بہادر مرحوم و مغفور کی معین المہامی میں بھی فدوی نے اسی مسلک کو بہتر خیال کیا۔ اس تصریح سے فدوی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معتمد مال گزاری کے کام کے متعلق فدوی اپنی

ذمہ داری کو کچھ کم کرے نہیں بلکہ جیسا فدوی اوپر عرض کر چکا ہے جو کام بھی معتمد مال گزاری کے دفتر سے اس زمانہ میں اجرا ہوئے اُن کے متعلق دعوے کے ساتھ فدوی یہ عرض کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ اس سے زیادہ سچا اور ستھرا اور صاف اور بے لگاؤ کام ہو نہیں سکتا۔ اور اس کو اُن ہی لاکھوں انسانوں کے دل اچھی طرح جانتے ہیں جن کو کہ ان کاموں سے سروکار پڑا ہے اور یہ تو نہ کبھی ممکن ہوا ہے اور نہ آئندہ ممکن ہو سکتا ہے کہ جو شخص کسی ملک کے انتظام میں اور تصفیہ حقوق میں حصہ رکھتا ہو اس سے کوئی فرد بشر بھی ناخوش نہ ہو۔ اور جو افسر کہ غلطی سے اپنی نسبت عام خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنا کام ایمانداری سے انجام نہیں دے سکتے۔ اور ایسا شخص جو سب کو رضامند رکھنا چاہتا ہے وہ بہت ہی تھوڑے لوگوں کو اپنے سے رضامند رکھ سکتا ہے۔ اور مشہور تو یوں ہے کہ وہ کسی کو بھی رضامند نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح اگر کچھ جاگیرداروں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ ان کی جاگیرات کے محصولات آبکاری کا عمدہ انتظام بہترین اصول پر عمل میں آ جاوے تو یہ اُن صاحبوں کی صرف غلط فہمی تھی۔ فدوی کی رائے اس معاملہ میں صرف یہ تھی کہ تمام ملک کی آبکاری کا انتظام ایک مضبوط ہاتھ میں رہے یعنی مدار المہام وغیرہ کے ہاتھ میں اور اس کا حصہ رسدی منافع جاگیرداروں کو خزانے سے نقد ملتا رہے اور اس کا تعین پانچ سال یا دس سال کے لیے ایک دفعہ ہو جایا کرے اور یہ یقینی امر تھا کہ اس طریقے سے نہ صرف سرکار عالی کا محاصل دو چند و سہ چند ہو جاتا بلکہ جاگیرداروں کی آمدنی میں بھی اس سے اسی تناسب کے ساتھ کئی حصہ زیادہ ترقی ہو جاتی۔ اور حضرت ظلِ سبحانی یقین فرمائیں کہ اگر انگریزی گورنمنٹ کو اپنے ملک میں جب کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہے تو اس نے اپنے جاگیرداروں کے ساتھ ہرگز بھی ایسی رعایت نہیں کی بلکہ موجودہ محاصل سے یکمشت معاوضہ دیکر آئندہ کی تمام ترقیات محاصل کی خود مالک ہو گئی ہے۔ لیکن فدوی نے ملک کی حالت کا خیال کر کے اس قسم کی رائے قائم کرنے سے قطعاً اجتناب کیا اور جاگیرداروں کو آئندہ کے اضافہ میں بھی برابر شریک رہنا تجویز کیا جس سے زیادہ مفید تجویز ان کے

حق میں اور کوئی ہو نہیں سکتی تھی۔

سر ڈینس فٹز پیٹرک صاحب بہادر رزیڈنٹ وقت نے بھی اس وقت سکندر آباد و حوالی سکندر آباد کے انتظامات آبکاری پر غور کرتے وقت جو رائے اپنی تحریر فرمائی تھی اور جو دفتر میں موجود ہے اس سے بھی فدوی کی رائے کی تائید ہوتی تھی۔ لیکن اسی عرصہ میں چیچلی پلوڈن صاحب ریزیڈنسی پر تشریف لے آئے جن کی پالیسیوں کا سمجھنا ہر ایک کے لئے کوئی آسان کام نہیں تھا اُن سے جب بعض جاگیرداروں نے ہنگام ملاقات بالمشافہ اس انتظام کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمادیا کہ آپ کو اپنی جاگیرات کے انتظام آبکاری کی نسبت جو آزاد اختیارات قدیم سے حاصل رہے ہیں آیندہ بھی آپ مستحق ہیں کہ آپ کی وہ آزادی باقی رہے بس پھر کیا تھا "دیوانہ را ہوئے بس ست"، ہر شخص نے یہی خیال کرلیا کہ ہمارے ساتھ کوئی بڑی ناانصافی ہو رہی ہے اور کسی نے یہ نہ سمجھا کہ خود اس کا مالی نفع کس میں ہے۔ اس غلط فہمی کے رفع کرنے کے لئے نواب آسمان جاہ مرحوم و مغفور نے بہ تحت میر مجلسی معین المہام مالگزاری بڑے بڑے جاگیرداروں کی ایک مجلس قایم کی تھی جو ان معاملات پر غور کرکے کوئی فیصلہ قرار دے۔ اور اس مجلس میں جاگیرداروں کے سوا اور بھی متعدد سرکاری عہدہ دار شریک تھے اور ایک اجلاس بھی اُس کا منعقد ہوچکا تھا اور ہر طرح یقین تھا کہ بہت عمدگی کے ساتھ وہ غلط فہمی رفع ہوجائے گی کہ اسی عرصہ میں فدوی حیدرآباد سے چلا آیا۔ اور وہ انتظام ویسا ہی ناکمل چھوڑ دیا گیا جس کی وجہ سے ریاست کو تقریباً نصف کروڑ کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، اور جاگیردار علیحدہ نقصان میں ہیں۔

مشکلات جو بعض دوسرے عہدہ داروں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں

۵ - کارروائی کی حالت تو یہ تھی جو فدوی نے معروضہ بالا فقرات میں عرض کی اور فدوی کی حالت یہ تھی کہ جو کارروائیاں ایسی ہوتی تھیں جن سے لوگ زیادہ مشکور ہوتے تھے گو کہ وہ فدوی کی رائے بلکہ کوشش کا نتیجہ ہوتی تھیں تو بھی فدوی نے لوگوں سے اُن کی نسبت یہی بیان کیا ہوگا کہ وہ تجویز نواب مدار المہام بہادر کی اپنی ایجاد ہیں جن کو اپنے ملک اور اہل ملک کی بہتری کا

خود ہر وقت سب سے زیادہ خیال ہے اور جو باتیں اتفاق سے ایسی ہو جاتی تھیں جن کی نسبت لوگ شاکی ہونے لگتے تھے اور گو کہ وہ فدوی کی رائے کے صریح مخالف ہی ہوتی تھیں تو بھی جب کہ کوئی شکایت اُن تجویزوں کے متعلق میرے سامنے پیش ہوتی تھی تو میں ہمیشہ ان تجویزوں کی تاویل ہی کیا کرتا تھا کہ خلایق کے دل میں اپنے مدار المہام کی طرف سے بددلی پیدا نہ ہو۔ دوسری طرف بدقسمتی سے بعض اور عہدہ داروں کا یہ حال تھا کہ وہ عام پسند اور عام دل خوش کن تجویزوں کو تو اپنی کوششوں سے منسوب کیا کرتے تھے گو کہ اُن سے اُن کا کچھ بھی تعلق نہ ہوا ہو اور جن تجویزوں کی نسبت وہ لوگوں کو شاکی پاتے تھے اُن کو وہ مشتاق حسین کے سر رکھ دیا کرتے تھے گو کہ وہ تجویزات خود اُن ہی کی ایجاد سے ہوئی ہوتیں اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے اور اس کا کوئی علاج فدوی کے ہاتھ میں نہیں تھا اور اس ہمت نے جو انسان میں اپنے فرایض کو ایمانداری کے ساتھ انجام دینے سے پیدا ہوتی ہے فدوی کی کسی ایسے علاج کی تلاش کی طرف چنداں راغب بھی نہ ہونے دیا اور ہمیشہ فدوی نے اس کو ایک حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔

مدار المہام کے معروضات حضرت خداوندی میں

۶- سب سے زیادہ نازک حالت فدوی کی اُس وقت ہوتی تھی جب کہ فدوی حضرت خداوندی کے جناب قدس میں نواب مدار المہام کی کوئی ایسی درخواست لیکر حاضر ہوتا تھا جو فدوی کی رائے کے خلاف ہوتی تھی اور نواب صاحب کے اصرار کی وجہ سے فدوی کو اُن کے ایماء کے مطابق کام کرنا پڑتا تھا یا جب کہ اس قسم کی عرضداشت کا مسودہ فدوی کو مرتب کرنا پڑتا تھا اور اگرچہ ایسے مواقع کو فدوی نے حتی الامکان اور اکثر ٹالا تاہم بعض اوقات ایسا کرنا ہی پڑا۔ چونکہ فدوی اکثر قیاساً دریافت کر سکتا تھا کہ حضرت ظل سبحانی اُن میں سے کن تجویزوں کو پسند فرماتے ہیں اور کن کو ناپسند۔ لہذا اُس وقت فدوی کو بخوبی اس بات کا موقع حاصل تھا کہ اپنی ناچیز رائے کو بھی فدوی حضرت ظل سبحانی میں ظاہر کر کے اپنی ذاتی سرخروئی حاصل کر لیتا۔ لیکن اس سخت امتحان کے موقع پر فدوی نے ہمیشہ اپنے دل کو یہ سمجھا کر اپنے قابو میں رکھا کہ اگر مجھ سے بھی ایسا ہی وقوع میں آئے اور مدار المہام کی طرف سے سفارت

کے فرایض ادا کرتے وقت مشتاق حسین بھی اپنے ذاتی فوائد کو مدنظر رکھے تو آیندہ کون آقا اپنے کسی ملازم پر اعتماد کریگا مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ہرگز نہ تھا کہ جس بات کو فدوی غلط سمجھتا اسکو حضرت ظل سبحانی میں بطور اپنی رائے کے صحیح قرار دیکر عرض کرتا کیونکہ ایسا کرنا بھی فدوی کے نزدیک کفر کے قریب ہی قریب مضمون تھا اور اس لیے فدوی کی کارروائی کا طرز ہمیشہ یہ رہا کہ جو گزارش جن دلائل کے ساتھ مدار المہام کی طرف سے فدوی کے سپرد ہوتی تھی اُس کو فدوی بجنسہ عرض کردیتا تھا اور جب تک فدوی کی ذاتی رائے کسی معاملہ کی نسبت دریافت نہیں فرمائی جاتی تھی اُس وقت تک فدوی اپنی طرف سے اور کچھ عرض کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اور یہ حضرت پیر و مرشد کو خود معلوم ہے کہ حضرت پیر و مرشد مدار المہام کے معروضات کو سماعت فرماتے وقت فدوی کی ذاتی رائے بہت ہی کم کبھی دریافت فرماتے تھے بہ استثناء مقدمہ الماس کہ اس میں البتہ اپنی ناچیز رائے کے طور پر بھی فدوی کو بہت کچھ عرض و معروض کا اتفاق ہوا۔ اور اس کی نسبت فدوی اس عرضداشت میں آیندہ علیحدہ عرض کریگا اور گو یہ سب کچھ احتیاط کام میں لائی گئی مگر اس میں شک نہیں کہ فدوی کی یہ حالت بہت نازک تھی اور فدوی ہی پر منحصر نہیں جو کوئی ملازم بھی اس طرح پر انتہا درجہ کی خیرخواہی اور وفاداری اپنے آقا کی نسبت صرف کریگا وہ ضرور اپنے آپ کو اس قسم کے خطرات میں مبتلا کرے گا اور اب اس بات کا تصفیہ حضرت ظل سبحانی سے بہتر اور کون کرسکتا ہے کہ آیا یہ جو کچھ تھا عیب تھا یا ہنر تھا۔ اور اگر عیب تھا تو حضرت خطاپوش ہی سے عیب پوشی کی توقع ہو سکتی ہے۔

<u>فتح نواز جنگ سے دوستی</u> ۷۔ دوسری ایک شہرت فدوی کی نسبت وہاں یہ ہو رہی تھی کہ فتح نواز جنگ بہادر سے دوستی ہے اور محسن الملک بہادر سے دشمنی۔ اور اس شہرت نے بھی فدوی کی نسبت لوگوں میں بسا اوقات غلط فہمی کا موقع دیا حالانکہ حیدرآباد بھر میں سرکاری تعلقات کے لحاظ سے فدوی نہ کسی کو اپنا ذاتی دوست سمجھتا تھا اور نہ ذاتی دشمن۔

مدار المہام اور سلطنت کے ساتھ جو اشخاص وفاداری اور خیرخواہی سے پیش آتے

تھے اُن سے فدوی کے تعلقات بھی دوستانہ رہتے تھے اور جن کا وتیرہ اس کے برخلاف تھا وہ فدوی سے بھی صاف نہیں رہ سکتے تھے۔ فتح نواز جنگ میرے رشتہ دار نہ تھے، ہم قوم نہ تھے ہم وطن نہ تھے، ہم مذہب نہ تھے، آوردہ نہ تھے، اور حیدرآباد سے پہلے میں نے اُن کو صرف ایک دفعہ علی گڑھ میں تھوڑی دیر کے واسطے دیکھا تھا لیکن چونکہ فدوی نے اُن کو کسی وقت سلطنت کا اور مدار المہام کا بدخواہ نہ پایا تھا لہٰذا فدوی کے تعلقات اُن کے ساتھ ایک حد تک دوستانہ سمجھے جاتے تھے۔ باایں ہمہ جب کبھی مدار المہام نے ان کے علاقوں کی مثلوں میں مجھ سے رائے لی تو میری اور فتح نواز جنگ کی رائے میں اکثر اختلاف ہوا ہے جس کی تصدیق خود اُن کے دفتر کی مثلوں سے ہو سکتی ہے۔

حیدرآباد میں یہ بڑی مشکل ہے کہ وہاں دو شخصوں کی نسبت جن میں باہم کوئی تعلق ہو یا تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ باہم دوست ہیں یا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ باہم دشمن ہیں۔ تیسرا درجہ جو کہ دوستی اور دشمنی دونوں سے خالی ہے وہ وہاں کسی کے خیال میں نہیں گزرتا۔

محسن الملک بہادر سے دشمنی

۸۔ محسن الملک بہادر کے ساتھ فدوی کے تعلقات کی کیفیت یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ مرزا نذیر بیگ کی شادی کی دعوت میں محسن الملک بہادر نے مہربانی سے میری نسبت اپنے دوستانہ خیالات کا اظہار کیا اور مجھ کو اس کا جواب دینا ناگزیر ہی ہو گیا تو میں نے اس مجمع میں جس میں قریباً قریباً تمام اعلیٰ عہدہ دار اور اکثر عمائد شریک تھے صاف لفظوں میں یہ بیان کر دیا تھا کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں محسن الملک بہادر کو اپنا ایک بزرگ اور اُن کی تعظیم و تکریم کو اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں اور جہاں تک کہ سرکاری معاملات کا تعلق ہے وہاں تک میرے تعلقات اُن کے ساتھ ایسے ہی ہونگے جیسے کہ اُن کے تعلقات مدار المہام کے ساتھ۔ اور جو کچھ کہ اس موقع پر فدوی نے بیان کیا اس میں ایک ذرہ برابر بھی تصنع نہیں تھا۔ محسن الملک بہادر کا علم و فضل اور سن و سال اُن کی تعظیم و تکریم کو میرے اوپر واجب کرتا تھا لیکن خداوند نعمت! انسان جس سرکار کا نمک کھاتا ہے اُس کے فرائض اُس پر مذکورہ بالا تعظیمی و

تکرمیں فرائض سے بہت زیادہ ہوا کرتے ہیں اور اس لیئے جو حالت کہ وہاں گزر رہی تھی اس کے لحاظ سے میری اور اُن کی کارروائیوں میں جہاں تک کہ وہ سرکاری کاروبار سے متعلق تھیں اختلاف کا ہونا لازمات سے تھا اور سرکاری معاملات سے اگر علیحدہ دیکھا جائے تو ہم دونوں کے غیر سرکاری تعلقات اُن تعلقات غیر سرکاری کے مقابلہ میں جو میرے اور فتح نواز جنگ کے باہم تھے بہت زیادہ دوستانہ حیثیت رکھتے تھے۔ محسن الملک بہادر جب ایک دفعہ سخت علیل اور اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو انھوں نے فدوی ہی کو اپنا وصی مقرر کیا اور اپنی بی بی کو اور اپنے دیگر تعلقات کی حفاظت فدوی کے سپرد کی تھی چال کے زمانہ میں جب فدوی کے فرزند محمد احمد مرحوم نے انتقال کیا اور دوسرے مصائب اسی قسم کے فدوی پر نازل ہوئے تو محسن الملک بہادر ہی برسم تعزیت فدوی کے پاس امروہہ آئے۔ فتح نواز جنگ بہادر نے کبھی شاید اس کا خیال بھی نہیں کیا۔ ایک روز جب سر ڈینس فڑ پیٹرک صاحب مجھ سے دریافت کر رہے تھے کہ تم کیوں ابھی سے وظیفہ لینا چاہتے ہو جب کہ تم ایسے ضعیف نہیں ہوئے اور کسی کی مرضی بھی نہیں ہے تو میں نے اُن کو یہ جواب دیا تھا کہ میرے عہدے کے فرائض ایسے خراب ہیں کہ میں وظیفہ لے کر اس عہدہ سے علیحدہ ہی ہونا بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ کوئی انسانیت کی بات نہیں ہے کہ میں ظاہر میں تو محسن الملک بہادر سے دوستانہ ہاتھ ملاؤں اور باطن میں اُن کی کارروائی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھوں اور یہ خیال کروں کہ وہ مدار المہام اور سلطنت کے سچے خیر خواہ نہیں ہیں اور اپنا ذاتی مقصد سب پر مقدم رکھتے ہیں۔

الحب للہ والبغض للہ

۹- خلاصہ گزارش یہ ہے کہ حیدرآباد میں نہ میرا کوئی دوست تھا اور نہ دشمن، اور میرا عمل اس پر تھا کہ "الحبّ للسلطان والبغض للسلطان" اور جو لوگ میرے وہاں دشمن سمجھے جاتے تھے وہ میرے دشمن نہ تھے بلکہ وہ صرف اپنی اغراض کے بندے تھے اور جس طرح وہ مجھ کو کسی موقع پر اپنی اغراض میں ہارج سمجھ کر وہاں سے ہٹانا چاہتے تھے اسی طرح وہ اپنے حقیقی بھائی کو بھی اگر اپنے اغراض میں ہارج سمجھتے تو اُن کے برخلاف بھی وہ

ایسی ہی کوشش کرتے۔ میں تو اپنا دشمن اُس کو سمجھتا ہوں جو آج بھی امروہہ میں مجھ کو چین سے اور اطمینان سے نہ بیٹھنے دیتا اور الحمدللہ ایسا ایک شخص بھی وہاں موجود نہیں ہے۔

خیرخواہوں کے اقسام | ۱۰۔ تیسری ایک اور بات بھی ہے جو فدوی کے معاملات پر غور ہوتے وقت پیش نظر رہنے کی مستحق ہے اور وہ فدوی کا طرز خیرخواہی اور ادب اپنے آقا اور اپنے مالک کی نسبت تھا۔ آقاؤں کو اپنے دو قسم کے خیرخواہ ملازموں سے سابقہ ہوتا ہے ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو باوجود ہر طرح کی خیرخواہی کے اس بات کو بھی ہمیشہ پیش نظر بلکہ اس کو سب پر مقدم رکھتے ہیں کہ اُن کا آقا اُن کی کسی کارروائی اور اُن کی کسی گزارش کو ناپسند نہ کرے اور جس قدر اس قسم کا مادّہ کسی ملازم میں کم یا زیادہ ہوتا ہے اُسی تناسب سے اُس کو اس کی ضرورت بھی کم یا بہت کم محسوس ہوتی ہے یا بالکل نہیں ہوتی کہ اُس کا آقا خداوند تعالیٰ اور مخلوقِ خدا کی نگاہ میں عزیز بھی رہے۔ دوسری قسم کے ملازم وہ ہوتے ہیں جن کو بہت زیادہ خواہش صرف اس بات کی ہوتی ہے کہ اُن کا آقا اور اُن کا مالک خدا اور مخلوق خدا کی نگاہ میں ہر طرح عزیز رہے گو کہ اُن کا کوئی مشورہ جو وہ اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے عرض کریں ناپسند ہی کیا جائے۔ اُسی کے ساتھ بلاشک اُن کی یہ خواہش اور کوشش بھی ضرور ہوتی ہے کہ حتے الوسع اُن کی گزارش آقا کو ناگوار بھی نہ ہو لیکن بالآخر جب وہ دیکھینگے کہ ایک طرف اصلی خیرخواہی اور نمک حلالی اور وفاداری اصلی حقیقت کے اظہار اور واجبی اور صحیح مشورہ عرض کرنے پر مجبور کرتی ہے اور دوسری طرف اس بات کا اندیشہ ہے کہ اُن کا مالک اس کو ناپسند نہ کرے تو وہ خطرہ میں پڑنا پسند کرینگے بجائے اس کے کہ اپنے آقا کی نسبت اپنی خیرخواہی کو ہاتھ سے دیں اور گو کہ اپنی زبان و قلم سے اپنی نسبت اس قسم کی تعلّی پسندیدہ امر نہیں ہے لیکن گزارش بدون چارہ بھی نہیں ہے اور فدوی بہت ادب سے یہ عرض کر سکتا ہے کہ محض بتوفیق ایزد متعال فدوی کا طرز خیرخواہی اُن دوسرے قسم کے ملازموں کا سا رہا ہے۔ جس زمانہ میں کہ ظلِّ سبحانی نے الماس کے مقدمہ میں ادائے شہادت کے متعلق جریدۂ غیر معمولی میں اشتہارِ عام جاری فرمایا

ہے تو فدوی سے بعض اہل الرائے نے اُس وقت یہ کہا کہ یہ بادشاہ لوگ ہیں آج اس کارروائی کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن آیندہ اگر کسی وقت اُس کو ناپسند کیا تو اُس وقت تم کو بہت مشکل پیش آئیگی۔ فدوی نے اُن کو جواب دیا کہ یہ بالکل صحیح ہے اور میں بھی اس سے غافل نہیں، لیکن کیا میں اس اندیشہ سے سچائی کے ساتھ اپنے بادشاہ کا فرض جو میرے ذمہ ہے ادا نہ کروں؟ اور اگر آج میں اپنی خود غرضی کو اپنے بادشاہ کی اصلی خیر خواہی پر مقدم کردوں تو کل کو خدا کے سامنے کیا منھ لیکر جاؤنگا۔ اسی طرح فدوی اپنے ہر ایسے فعل کو اپنی اس گزارش کے ثبوت میں پیش کرنے کو موجود ہے جن پر لوگ معترض ہوتے ہوں وہ افعال خود بتلادینگے کہ اُن میں فدوی کی کوئی خود غرضی شامل تھی یا وہ محض ملک اور سلطنت کی اصلی خیر خواہی اور اصلی وفاداری پر شامل تھے۔ ہاں یہ دوسرا امر ہے کہ کسی وقت رائے نے کوئی خطا کی ہو کہ "ہیچ نفسِ بشر خالی از خطا نہ بود" اور خطا اجتہادی جس طرح عند اللہ قابل عفو ہے اسی طرح بادشاہوں سے بھی جو ظل اللہ و خلیفۃ اللہ ہیں اس کی معافی کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

بعض تفصیل طلب واقعات

۱۱۔ گزارشات معروضہ بالا پر غور کرنے کے بعد اُن اعتراضات کا اکثر حصّہ خود بخود دفع ہو جاتا ہے جو اس زمانہ میں فدوی کی نسبت عائد ہوتے تھے لیکن بعض بعض معاملات اب بھی وہ باقی رہ جاتے ہیں جو اُس وقت فدوی کی نسبت حضرت ظلِ سبحانی کی توجہ میں لائے گئے تھے اور اُن کی نسبت فدوی بہت ادب کے ساتھ کسی قدر تفصیل سے عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے اور اُن میں سب سے اوّل مسٹر رودرا بیرسٹر کے معاملہ کی نسبت عرض کریگا۔

مسٹر رودرا بیرسٹر کا معاملہ

۱۲۔ مسٹر رودرا کو ایک وقت میں مجلس عالیہ عدالت نے سرکار

۱ے اعلیٰ حضرت نے سر آسمان جاہ کی عرضی اور نواب وقار الملک کے خلیفہ کی درخواست کے جواب میں سر آسمان جاہ کو جو خط عتاب آمیز لکھا تھا، اُس میں بھی الزامات لگائے تھے، جن کے متعلق آگے چل کر نواب وقار الملک تفصیلی بحث کرکے، اصلی حقیقت ظاہر کرتے ہیں۔

عالی کی عدالتوں میں کام کرنے سے ممنوع کر دیا تھا، اور وہ اس فکر میں تھے کہ حضرت پیر و مرشد کے حضور میں اپنی بحالی کے لیئے پیروی کریں۔ اُس وقت نواب سر آسماں جاہ مرحوم و مغفور نے فدوی کے ذریعہ سے حضرت ظلِ سبحانی میں عرض کرایا کہ ان صاحب نے ہماری عدالتوں کو رزیڈنسی کی عدالتوں کے سامنے بہت بدنام کیا ہے، ایسے شخص کی بحالی مناسب نہ ہوگی اِس معروضہ کے کچھ عرصہ کے بعد مدار المہام مرحوم نے مسٹر رودرا کو خود بحال کر دیا بغیر اس کے کہ حضرت پیر و مرشد میں کچھ بھی اس معاملہ کے متعلق عرض کیا ہو، اور خود ظاہر ہے کہ جس وقت حضرت ظلِ سبحانی کو یہ اطلاع ہوئی ہوگی تو جس قدر بھی تعجب اُس کی نسبت حضرت کو ہوا ہو وہ کم ہے اور اس ناخوشی خاطر اقدس کا اثر اگر فدوی پر عائد ہوا تو حق بجانب تھا، مگر واقعات کی صورت کچھ اور ہی تھی جس کو فدوی نے اپنی طرف سے اُس عرصہ میں ظاہر کرنا اس خیر خواہی کے لحاظ سے مناسب نہیں سمجھا جو فدوی پر مدار المہام کے متعلق واجب تھی، اور معاملات کی حالت اگر وہی رہتی جو اُس وقت تھی تو اب بھی فدوی کی زبان و قلم سے اُن واقعات کی اصل حقیقت ظاہر نہ ہوتی۔ اصل واقعہ اس کا یہ ہے کہ فدوی کو مسٹر رودرا کی بحالی کی اطلاع اُس وقت ہوئی جب کہ اور سب کو اُس کی اطلاع ہوئی، اور اخباروں میں اُن کی بحالی مشتہر ہوئی، اور جب ہی کہ فدوی کو اُس کی اطلاع ہوئی فوراً نواب مدار المہام کے پاس حاضر ہوا اور اُن سے دریافت کیا کہ آیا اس کی اجازت یا اطلاع حضرت ظلِ سبحانی میں بھی ہے یا نہیں۔ جواب ملا کہ نہیں۔ اُس وقت فدوی نے عرض کیا کہ آپ کو یاد ہے کہ اس باب میں حضرت خداوندی سے آپ نے کیا عرض کرایا تھا۔ یہ سنتے ہی نواب آسماں جاہ بہادر پر ایک عجیب حالت طاری ہوگئی اور اُس وقت دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ بعض سرکاری عہدہ داروں نے ہی جو کہ مسٹر رودرا کے طرفدار تھے نواب سر آسماں جاہ بہادر کے پاس حاضر ہو کر اُن سے مسٹر رودرا کی بحالی کے لیئے سفارش کی، اور بحالی کا حکم حاصل کیا، اور یہ ایک یقینی بات تھی کہ نواب صاحب کو اُس وقت یہ بات بالکل یاد نہ رہی تھی کہ وہ اس باب میں حضرت پیر و مرشد سے

کیا عرض کر اچکے ہیں اور اس غلطی پر مطلع ہوتے ہی مدار المہام نے فرمایا کہ حکم کو رد کو، معلوم ہوا کہ حکم جس کو صادر ہوئے دو دن گزر چکے تھے صبح جاری ہو چکا تھا، اس وقت نواب صاحب کی حالت ناگفتہ بہ تھی اور ان کو حد درجہ کا اس پر قلق تھا اور کئی دن تک وہ اس کو سوچتے رہے کہ کیا کرنا چاہیئے اور بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ کسی روز حضرت پیر و مرشد میں بالمشافہ اس کل واقعہ کو عرض کر کے اپنی غلطی کی معافی چاہینگے لیکن ابھی اس کا موقع پیش نہ آنے پایا تھا کہ فدوی نے اپنے وظیفہ کی درخواست پیش کی اور اس سے تقریبًا ایک مہینہ کے بعد جب حضرت پیر و مرشد نے فدوی کی درخواست وظیفہ کے جواب میں مسٹر رو درا کے معاملہ کا ذکر ارشاد فرمایا تو نواب سر آسماں جاہ بہادر کی ندامت کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی، اور جب نواب صاحب نے دیکھا کہ یہ الزام مشتاق حسین پر عاید ہوتا ہے تو انھوں نے اپنے امیرانہ اخلاق کو کام فرما کر فدوی کو حکم دیا کہ ایک مسودہ عرضداشت تیار کیا جائے اور اس میں تمام واقعات مسٹر رو درا کے متعلق صاف صاف عرض کر دیئے جائیں اور جو غلطی ہوئی ہے اس کا مدار المہام کی طرف سے اعتراف کیا جائے اور معافی چاہی جائے۔ فدوی نے عرض کیا کہ اس وقت جو حالات گزر رہے ہیں اُن کے لحاظ سے اس کا اندیشہ ہے کہ حضرت پیر و مرشد کی ناخوشی میں آپ کی نسبت کچھ اور ترقی نہو جائے، اور میں ایک غریب الدیار مسافر آدمی ہوں۔ آج مرا کل دوسرا دن میرا خیال نہ فرمائیے۔ آپ کے البتہ بہت سے تعلقات حضرت ظل سبحانی کے ساتھ ہیں اور اُن تعلقات کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے۔ خلاصہ یہ کہ فدوی کے بہت ہی اصرار پر نواب سر آسماں جاہ بہادر نے اپنا ارادہ اس عرضداشت کے بھیجنے کا ملتوی فرمایا، اور فدوی اس اطمینان کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوا کہ یہ بھی ایک اخیر قربانی تھی جو فدوی سر آسماں جاہ کے مقاصد کی غرض سے اپنے آپ کو قربان کرنے سے بجالا سکا، اور جس کے بعد اس بات کی ہر طرح پر اُمید تھی کہ حضرت ظل سبحانی اپنے ایک ایسے خیر خواہ بلا اشتباہ کو جیسے کہ سر آسماں جاہ تھے بالضرور بہت جلد اپنی شاہانہ نوازشات سے عفو فرماوینگے۔

وقارالامراء کی واقفیت کا حوالہ

۱۳- یہ ہیں مسٹر رودرا کے معاملہ کے واقعات جن سے نواب سر وقارالامراء بہادر بخوبی واقف ہیں۔ اور یہ علم ان کو اُس وقت حاصل ہوا تھا جب کہ مسٹر رودرا بحال کر دیئے گئے تھے اور خود اُن سے بھی فدوی نے ذکر کیا تھا کہ مدارالمہام صاحب سے یہ کیسی بھاری غلطی ہوگئی ہے اور پھر بعد اس کے جب کہ حضرت ظل سبحانی نے فدوی کی درخواست وظیفہ کے جواب میں مسٹر رودرا کے معاملہ کی طرف اشارہ فرمایا اور اس وقت اُن میں اور مدارالمہام میں بارہا اس باب میں بالمشافہ گفتگو رہی لیکن آج کا زمانہ اور ہے اور فدوی اس وقت یہ عرض نہیں کر سکتا کہ نواب وقارالامراء بہادر فدوی کے اس معروضہ کی تصدیق فرما دینگے یا نہیں۔ دوسرے گواہ ان واقعات کے مولوی ابوالحسن صاحب ہیں جو اس وقت عدالت دیوانی بلدہ کے ناظم ہیں اور اُس زمانہ میں وہ نواب سر آسماں جاہ بہادر کی پیشی میں تھے اور یہ مدارالمہام کے صیغہ راز سے کامل طور پر تعلق رکھتے تھے اور سب سے زیادہ تو خود وہ صاحب گواہ ہیں جنھوں نے فدوی سے بالا بالا سفارش کر کے مدارالمہام سے مسٹر رودرا کو بحال کرایا[۱] اور یہ وہ صاحب ہیں کہ اُن کا شمار بھی حضوری ہی کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اور اگر ضرورت ہوگی تو فدوی اُن کا نام بھی عرض کر سکیگا گو کہ اُن کی نسبت بھی فدوی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں تک ان حالات کی تصدیق کرینگے اور حقیقت امر تو یہ ہے کہ وہ سفارش کرنے والے اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ مدارالمہام اس معاملہ میں حضرت ظل سبحانی میں عرض کرا چکے ہیں اُنھوں نے سادہ دلی سے اور محض معمولی سی بات سمجھ کر اس بہتے دریا میں ہاتھ دھوئے اور مدارالمہام کو نادانستہ ایک ایسی بھاری غلطی میں مبتلا کر دیا۔ اور اب ان تمام شہادتوں اور گواہوں سے قطع نظر کر کے نہایت ادب سے ساتھ فدوی حضرت ظل سبحانی کا دامن مبارک تھامے گا کہ حضرت ظل سبحانی خود ہی اس کا شاہانہ فیصلہ فرمائیں یعنی جس قدر علم کہ حضرت ظل سبحانی کو اپنے اس ملازم کی فہم و ادب اور احتیاط کی نسبت حاصل ہے اُس کے لحاظ سے حضرت ظل سبحانی ہی اس بات کا فیصلہ فرما سکتے

---

[۱] نواب مہدی حسن نے بحال کرایا تھا۔

ہیں کہ آیا مشتاق حسین سے بھی ایسی بڑی بھاری غلطی کا امکان تھا یا دوسری کوئی اور اس قسم کی نظیر اس کی کارروائی میں کبھی سننے میں بھی آئی ہے اور صرف اس شاہانہ فیصلہ کی بنیاد پر اگر فدوی ملزم قرار دیا جائے تو جو سزا فدوی کی نسبت تجویز ہو فدوی اس کی تعمیل کے لیے بسر و چشم قدم مبارک میں اپنے آپ کو ڈال دیگا وکفی باللہ شہیداً اور یوں ملازم ہر وقت قصوروار ہے اور مالک کے ترحم ہی سے اس کا نباہ ہوتا ہے۔

الماس کا مقدمہ

۱۴۔ الماس والے مقدمہ کا ذکر بھی اس وقت درمیان میں آیا تھا جب کہ فدوی اپنی خدمت سے علیحدہ ہوا تھا اور چونکہ اس مقدمہ کی کل کارروائی سے حضرت پیر و مرشد ظل سبحانی کو ذاتی علم ہے لہذا اس کی نسبت کچھ زیادہ عرض کرنے کی فدوی کو ضرورت نہیں ہے بجز اس کے کہ فدوی اس وقت حیدرآباد میں موجود بھی نہ تھا بلکہ اپنی بیماری کی وجہ سے کوہ مہابلیشر پر تھا۔ اور جب ہی کہ فدوی کو مہابلیشر پر اطلاع ہوئی کہ اس قسم کی معاملت پیش ہے تو فدوی نے مدار المہام کی خدمت میں لکھا کہ اگر بنک کو دونوں طرف سے ضامن کر دیا جائے تو سب اطمینان کے ساتھ کارروائی ہو سکے گی لیکن میری یہ گزارش حیدرآباد میں اس وقت پہونچی جب کہ مسٹر جیکب روپیہ لے کر حیدرآباد سے روانہ ہو چکے تھے اس کے کچھ عرصہ بعد فدوی حیدرآباد اس وقت آیا جب کہ سر ڈینس فٹز پٹرک کو اس کارروائی کی اطلاع ہو چکی تھی اور انھوں نے بذات خود حضرت پیر و مرشد کو بالمشافہ مشورہ دیا اس وقت ان کو مدار المہام کی طرف سے ایک طرح کی ناخوشی سی بھی تھی کہ مدار المہام نے رزیڈنٹ صاحب کو کیوں اس معاملہ سے بے خبر رکھا۔ حضرت پیر و مرشد کو سر ڈینس کی وہ حلفی شہادت یاد ہوگی جو اس مقدمہ میں انھوں نے کمیشن کے سامنے دی تھی اور اس سوال کے جواب میں کہ آیا یہ اطلاع رزیڈنٹ کو مشتاق حسین کے ذریعہ سے ہوئی، انھوں نے صاف صاف کہا کہ یہ اطلاع مجھ کو مشتاق حسین سے نہیں ہوئی بلکہ دوسرے کے ذریعہ سے ہوئی تھی اور اس کے بعد سے جو کچھ کارروائی الماس کی واپسی اور مقدمات کے دائر ہونے کی ہوئی وہ سب رزیڈنٹ صاحب اور حضرت ظل سبحانی کے باہم مشورہ

اور ارشاد پر ہوئی۔ فدوی اگر ذمہ دار ہے تو اس مشورہ اور اُس گزارش کا ذمہ دار ہے جسکی وجہ سے وہ جریدہ غیر معمولی حضرت پیر و مرشد کے اظہار قلمبند ہونے کے متعلق جاری ہوا لیکن حضرت پیر و مرشد کو یہ یقیناً یاد ہوگا کہ وہ جریدۂ قلمبندیِ اظہار کی بنیاد نہیں تھا بلکہ اظہار قلمبند ہونے کی تجویز مقدمہ دائر ہونے کے بعد کلکتہ میں ہو چکی تھی، کمیشن جاری ہو کر حیدرآباد میں آچکا تھا۔ مسٹر وڈرف بیرسٹر "حضرت" کی طرف سے اور مسٹر انورارٹی جیکب کی طرف سے حیدرآباد پہنچ گئے تھے، اظہار لئے جانے کی تاریخ وغیرہ سب مقرر ہو چکی تھی۔

مسٹر وڈرف پیر و مرشد کے حضور میں باریاب ہو چکے تھے اور اظہار لئے جانے میں صرف دو روز باقی رہ گئے تھے جب کہ فدوی کو اس غیر معمولی جریدہ کا خیال پیدا ہوا۔ پس جریدہ غیر معمولی اگر جاری نہ ہوتا تو بھی اظہار قلم بند ہی ہوتا۔ جریدہ کی اجرا سے تو صرف یہ غرض تھی کہ ایک طرف تو عامہ رعایا کو اطمینان حاصل ہو جائے اور حضرت پیر و مرشد کے اظہار قلم بند ہونے کو وہ ایک مسلمان بادشاہ کے درجہ کے خلاف نہ سمجھیں۔ اور دوسری طرف اہل ملک کو جو کہ عدالتوں کو اکثر تحقیر کی نظر سے دیکھنے کے خوگر رہے تھے، ایک نہایت مفید سبق ملے۔ اور تیسری طرف دیگر اقطاع ملک اور گورنمنٹ آف انڈیا اور اخباروں میں جو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ مسٹر جیکب کو ایک کثیر رقم بغیر کسی ضمانت کے حوالہ کر دی گئی اور اسی قسم کے دوسرے خیالات جو پیدا ہو گئے ہیں وہ سب دفعتہً ایسے خیالات کے ساتھ بدل جائیں کہ ہر طرف سے حضرت پیر و مرشد کی نسبت تعریف ہی تعریف کے نعرے بلند ہوں۔ اور یہ ایک ایسی خیر خواہانہ رائے تھی کہ نواب سر آسمان جاہ اور سر ڈینس فٹز پیٹرک اور مسٹر وڈرف نے اُس سے اتفاق کیا اور حضرت پیر و مرشد نے بھی اُس سے اتفاق فرمایا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ یہ جملہ مراتب بوجہ احسن حاصل ہوئے اور حضرت پیر و مرشد کے لیئے اس قدر دعائیں مخلوق کے دل سے نکلیں کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور ہندوستان سے لے کر انگلستان تک اور رعایا سے لے کر گورنمنٹ آف انڈیا تک اور تمام اخباروں میں بھی بالاتفاق تحسین و آفرین کے سوا دوسری بات کوئی سنائی نہیں دی۔ اور اس عام مسرت

کی وجہ سے اُس سال ہی حضرت پیر و مرشد کی سال گرہ مبارک کے موقع پر رعایا نے اسی حیدؔ وغیرہ کی کارردائی کے شکریہ میں بہت کچھ غیر معمولی طور پر اپنے جوشِ خیر خواہی کا اظہار کیا تھا۔ پھر حتی الامکان اس کوشش میں بھی غفلت نہیں ہوئی ہے کہ اظہار کے قلم بند ہونے کی نوبت ہی نہ پہونچے اور معاملہ بہ صلح فیصل ہو جائے۔ چنانچہ اسی لیئے مسٹر انور اریٹی کی فیس دو روز تک سرکار عالی کی طرف سے ادا کی گئی اور مقدمہ بار بار ملتوی کیا گیا۔ اور کوشش کی گئی کہ مسٹر جیکب بذاتِ خود حاضر ہو جائیں جس کے بعد فیصلہ آسان ہو جائیگا۔ لیکن مسٹر جیکب اس وقت کسی طرح حاضر نہ ہوئے۔ اور اُس کے بعد ہوا جو کچھ ہوا۔ اور گو کلکتہ ہائی کورٹ پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا تھا لیکن انجام کار اس قدر تو ضرور ہوا کہ نصف قیمت پر الماس سرکار عالی کے ہاتھ آیا اور گو حضرت پیر و مرشد کو تکلیف ضرور ہوئی لیکن دنیا نے اس وقت کی فرمانروائی میں مدتوں کے بعد ایک ایسا نمونہ دیکھ لیا جو اپنے ملک کی خدمت گزاری میں زبان اور قلم سے ویسا ہی کام لے سکتے ہیں جیسا کہ ضرورت کے وقت اپنی تلوار سے، اور یہ پُر مشقت خدمت اُن خدمات سے کسی طرح دوئم درجہ کی خدمت نہ تھی جو حضرت پیر و مرشد کے اجداد امجاد رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین نے اپنے ملک کے مقاصد کی غرض سے میدان ہائے جنگ میں ادا کی تھیں اور بیس بائیس لاکھ کی رقم بھی اگر نقد بچ رہی تھی تو وہ بھی مجھ جیسے ایک محدود شخص کے خیال سے کوئی ایسی قلیل رقم نہیں تھی جس کو نظر انداز کر دیا جاتا۔ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی کی رعایا جب صبح سے شام تک سال بھر محنت کرتی ہے تب بھی سرکار عالی کو بعد منہائی اخراجات سلطنت اس قدر رقم پس انداز نہیں ہوتی۔ اور جہاں تک فدوی کی گزارشات کا تعلق اس معاملہ سے ہے فدوی بادب تمام عرض کرنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ کوئی گزارش بھی جو کہ فدوی نے کی ہوگی ایک شمہ برابر بھی اس میں کوئی امر خلاف واقعہ نہ ہوگا اور نہ کبھی فدوی نے کوئی غلط اُمید دلائی ہوگی غلام سبز باغ دکھانے والا آدمی نہیں رہا ہے۔ فدوی کا ہمیشہ خیال رہا ہے کہ وقت نکل جاتا ہے اور بات ہی باقی رہ جاتی ہے۔

سردار دلیر الملک اور معدنیات کا مقدمہ

۱۵- سردار دلیر الملک مرحوم کا ایک معاملہ بھی قابل ذکر ہے جس کے متعلق فدوی کی علٰحدگی کے وقت بیان کیا گیا تھا کہ مدار المہام صاحب نے اوّل تو سردار صاحب پر الزامات عائد کیے اور بعد میں پھر خود ہی اُن کو بری کر دیا اور بدون اس کے کہ ریاست کی بدنامی کا خیال کیا جاتا ستر ہزار پونڈ کے حصص معدنیات سرکار عالی کے واسطے قبول کر لیئے۔ اگرچہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو کچھ بھی نواب سر آسمان جاہ بہادر اس وقت کرتے تھے اُس سب کی جوابدہی فدوی سے متعلق ہو۔ اور غالباً حضرت ظلِ سبحانی کو یہ بھی بخوبی یاد ہوگا کہ سردار دلیر الملک کی معطلی کی تجویز حضرت ظلِ سبحانی کی منظوری حاصل کرنے کی غرض سے مدار المہام کی طرف سے لیکر نواب محسن الملک بہادر حضرت ظلِ سبحانی کی حضور میں حاضر ہوئے تھے نہ کہ فدوی۔ اور حقیقت امر بھی یہی ہے کہ جس وقت تک نواب محسن الملک بہادر اس مقدمہ کی پیروی کی غرض سے انگلستان کو روانہ ہوئے ہیں تمام تر کارروائی اس مقدمہ کی زیادہ تر اُن ہی کے مشورہ اور اُن ہی کے ہاتھوں سے چلتی رہی تھی۔ لیکن بایں ہمہ فدوی نہایت جرأت سے مگر ادب کے ساتھ یہ عرض کر سکیگا کہ جو کچھ کارروائی اس مقدمہ میں من اوّلہ الی آخرہ نواب سر آسمان جاہ مرحوم و مغفور کے وقت میں ہوئی، وہ بالکل واجبی تھی اور اُس کے خلاف جس قدر بھی خیالات عوام میں پھیلائے گئے تھے وہ سب نہایت ہوشیاری کے ساتھ خود سردار صاحب اور اُن کے دوستوں کے پھیلائے ہوئے تھے جس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ ایک طرف تو حضرت پیر و مرشد کے ذہن مبارک میں یہ امر جاگزیں ہو کہ سردار صاحب کے ساتھ جو کارروائی ہوئی وہ دشمنی کی راہ سے تھی۔ اور دوسری طرف یہ کہ حصص معدنیات کو جو آخری معاہدہ میں سرکار عالی کے واسطے تجویز ہوئے تھے اُن کو ایک ناجائز اور لوٹ کا مال قرار دیدیں تاکہ حضرت پیر و مرشد دق ہو کر حکم فرمائیں کہ ہم کو ایسی ناجائز چیز منظور نہیں، اور لاکھوں روپیہ کی یہ قیمتی چیز بہت ہی آسانی سے اُن کے ہاتھ لگ جائے۔

سب سے آخر کارروائی جو سردار صاحب کے مقدمہ کے متعلق ہوئی وہ عدالت دیوانی میں سرکار عالی کی طرف سے مقدمہ کا دائر ہونا تھا اور ہر قسم کی احتیاط اس میں کر لی گئی تھی اور اگر یہ دعوے

عدالت میں دائر نہ ہوتا تو صاحب عالی شان بہادر اور گورنمنٹ آف انڈیا اور تمام دنیا کے نزدیک یہی بات سمجھ میں آتی کہ سرکار عالی نے محض بے پروائی اور غفلت سے اپنا نقصان کرلیا اور دوسرے ملازموں کو بھی جو لالچی مزاج رکھتے ہوتے یہ جرأت ہوجاتی کہ جب موقع پاتے بے دھڑک سرکاری مال کی لوٹ مچاتے۔ المختصر عدالت دیوانی میں مقدمہ دائر ہوا اور اس وقت تک کسی کو کچھ نہ معلوم تھا کہ سردار صاحب کی طرف سے کیا جواب دہی ہوگی۔ یہاں تک کہ جواب دعویٰ داخل ہوا جس میں بعض تحریرات مدار المہامان سابق کی اور بعض تحریرات کرنل مارشل صاحب کے زمانہ کی پیش کی گئیں جن کی نسبت کہا گیا تھا کہ یہ تحریرات حضرت ظل سبحانی کی منظوری سے ہوئی ہیں اور اب یہ مشکل پیش آئی کہ نواب سر سالار جنگ مرحوم اول و ثانی کا انتقال ہوچکا تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ کرنل مارشل صاحب کیا بیان کرینگے اور سب سے زیادہ مشکل یہ تھی کہ سردار صاحب کی دستاویز پیش کردہ کے لحاظ سے جن کا کوئی علم ہم میں سے کسی کو بھی اس سے پہلے نہیں ہوا تھا حضرت ظل سبحانی کا اظہار باضابطہ قلمبند ہونا لازم ہوا جاتا تھا اس وقت سر ڈینس فٹز پیٹرک کی رزیڈنسی کا آخر زمانہ تھا۔ نواب سر آسمان جاہ بہادر نے اُن کی رخصتی دعوت کی شب کو بشیر باغ میں اُن سے اس باب میں مشورہ کیا، اور اُن سے کہا کہ الماس والے مقدمہ کی حالت اور تھی اور وہ ایک والیِ ملک کے خرید و فروخت کا معاملہ تھا جس میں بہت سے اُمور حضرت ظل سبحانی کے علم پر منحصر تھے لیکن سردار صاحب کا معاملہ محض ایک سرکاری مقدمہ ہے اور میں کسی طرح جائز نہ رکھونگا کہ ایسے معاملات میں حضرت پیر و مرشد کو بار بار تکلیف دی جائے لہذا میرے نزدیک اس مقدمہ میں سردار صاحب سے مصالحت ہوجانا مناسب ہے۔ سر ڈینس فٹز پیٹرک صاحب بہادر نے اس رائے کو بہت پسند کیا یہی رائے پھر حضرت ظل سبحانی کے حضور میں بھی عرض کی گئی اُس پر حضرت ظل سبحانی نے بھی اتفاق فرمایا اور اسوقت سے نواب وقار الامراء بہادر کے ذریعہ سے مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی۔ اس عرصہ میں سر ڈینس تشریف لے گئے اور سر پلوڈن صاحب بہادر تشریف لائے اور اُن کی رائے یہ ہوئی کہ صلح نہ کی جائے اور مقدمہ چلایا جائے

اور اگر حضرت پیر و مرشد کے اظہار قلم بند ہونے کی ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اظہار ہونا چاہیئے لیکن سر آسمان جاہ بہادر کسی طرح اس پر رضامند نہ ہوئے اور سب سے پہلا امر جو سر بلوڈن صاحب بہادر اور نواب سر آسمان جاہ مرحوم و مغفور میں اختلاف شدید کا باعث ہوا وہ یہی معاملہ تھا۔ مدار المہام صاحب مرحوم یہ کہتے تھے کہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی نتیجہ مشتبہ ہے اور ایسی حالت میں میں کبھی مشورہ نہ دونگا کہ حضرت پیر و مرشد کو اظہار کی تکلیف دی جائے اور سر بلوڈن صاحب بہادر کو اُس پر اصرار تھا، اور فدوی ہی اُن تمام گفتگوؤں میں مدار المہام صاحب اور رزیڈنٹ صاحب کے باہم متوسط تھا۔

حصص معدنیات سرکار عالی

۱۶- حصص معدنیات جو سرکار عالی میں لیئے گئے اُن کی نسبت بھی اس قدر اور عرض کرنا ضرور ہے وہ اگر ناجائز تھے تو سردار صاحب کے واسطے تھے جنھوں نے سرکار عالی سے مخفی مخفی اُن کو اپنی ذات کے لیئے حاصل کیا تھا۔ سرکار عالی کا تو وہ اپنا مال تھا اُس کے لیئے وہ کیونکر ناجائز ہو سکتا تھا، اگر ایک ملازم اپنے آقا کے جواہرات سرقہ کے ذریعہ سے حاصل کرے تو وہ اُس ملازم کے لیئے مال مسروقہ اور مال ناجائز کہا جاویگا لیکن اگر آقا وہ جواہرات اُس سے واپس لے تو آقا کا تو وہ اپنا مال ہے۔ اس قسم کے معروضات اگر حضرت ظل سبحانی تک پہنچائے گئے تو وہ مغالطہ دہی کی غرض سے تھے اور اعتراض کرنے والوں کی حالت تو یہ ہے کہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی ان ہزاروں صفحات میں سے جو ان مقدمہ کی مثلوں سے متعلق ہیں خیر سے دس صفحہ بھی شاید ہی کبھی مطالعہ کیئے ہوں۔

ظفر یاب خاں مجرم انگریزی

۱۷- ظفر یاب خاں ایک انگریزی مجرم کی پناہ دہی بھی فدوی سے اُن وقتوں میں منسوب کی گئی تھی وہ اصل واقعہ یہ ہے کہ ظفر یاب خاں حیدرآباد میں اُس وقت آئے تھے جب کہ مہاراجہ نریندر پرشاد بہادر کی دیوانی کا زمانہ تھا اور عماد نواز جنگ بہادر کے ذریعہ سے وہ نواب منیر الملک بہادر کے پاس باریاب ہوئے اور جو کچھ کارروائی اُن کے متعلق ہوئی سب اسی وقت میں ہوئی۔ اور حضرت پیر و مرشد پر بخوبی روشن ہے کہ مہاراجہ

صاحب کے زمانہ میں اور اُس کے بعد میں ایک عرصہ تک فدوی کا کوئی خاص رسوخ مدار المہامانِ وقت کے سامنے نہ تھا اور نواب سر آسماں جاہ بہادر کے زمانہ میں ظفریاب خاں کے متعلق اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کہ رسالہ مُقنن دکن کی چھپائی کا کام مُحمّد علی کے نام سے جو پہلے سے اُن کے متعلق چلا آتا تھا وہ بدستور جاری چلا آیا۔ فتح نواز جنگ بہادر نے البتہ ایک مرتبہ غلطی سے اُن کو نواب سر آسماں جاہ کے وقت میں اپنے دفتر کا ایک عہدہ دیا تھا اُس کی اطلاع جب فدوی کو ہوئی تو فدوی نے خان مذکور کے کل حالات نواب صاحب مرحوم سے عرض کئے۔ جہاں تک فدوی کو معلوم ہے مرحوم موصوف نے فوراً اُن کو اس خدمت سے علیحدہ کر دیا اور فتح نواز جنگ بہادر کی نسبت بھی ناخوشی کا اظہار کیا کہ کیوں ایسے شخص کی نسبت سفارش کی گئی تھی۔

قتل ممتازبی

۱۸۔ ممتاز بی ایک فاحشہ نو عیسائیہ کے قتل کے بعد محض گمنام طور پر یہ بیان کیا گیا کہ قاتل کے فرار ہو جانے میں جو کہ ایک مسلمان شخص تھا فدوی نے بھی چشم پوشی کی لیکن یہ سفید جھوٹ نہیں بلکہ نہایت سیاہ جھوٹ تھا اور یہ صرف اُن ہی لوگوں کی کوشش کا ایک شگوفہ تھا جو فدوی کو اپنے مقاصد کے لحاظ سے اپنی جگہ سے کسی نہ کسی طرح ہٹانا چاہتے تھے۔ جو شخص قاتل بیان کیا گیا تھا وہ نہ میرا کوئی رشتہ دار تھا نہ ہم قوم نہ ہم وطن بلکہ برار کا ایک باشندہ تھا جس کو غالباً میں پہچانتا تک بھی نہ تھا اگر یوں کسی سے کوئی الزام منسوب ہو جایا کرے تو اس دنیا میں کوئی شخص بھی اپنی عزت کو محفوظ نہیں رکھ سکتا اور آخر الامر وہ بیان اس قدر پایۂ صدق سے گرا ہوا تھا کہ کسی نے بھی اُس پر کچھ اعتنا نہ کیا۔

سالار جنگی اسٹیٹ کے معاملات

۱۹۔ سالار جنگی اسٹیٹ کے بعض معاملات کی نسبت بھی اس زمانہ میں اشارات ہوتے کہ مدار المہام کے مشیروں کی کارروائی اُن کے متعلق قابل اطمینان نہ تھی۔ اور جہاں تک فدوی خیال کر سکتا ہے غالباً اس سے فتح نواز جنگ مراد ہونگے۔ کیونکہ کورٹ آف وارڈس کی حیثیت سے یہ صیغہ انھیں سے متعلق تھا اور فدوی اس

موقع پر نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کر سکتا ہے کہ جہاں تک فدوی کا تعلق اس اسٹیٹ کے معاملات سے کبھی رہا ہے فدوی نے ہمیشہ اس کی نسبت وفادارانہ برتاؤ کیا ہے جس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ سر سالار جنگ مرحوم و مغفور اول نے ہی فدوی کو حیدرآباد بلایا تھا اور پھر رفتہ رفتہ اُن ہی کے یادگار زمانہ میں فدوی نے معتمد عدالت و کوتوالی کے درجہ تک ترقی پائی تھی۔

فدوی نے اس ڈیوڑھی کو جس کو خدا ہمیشہ قائم رکھے صدق دلی سے اپنے آقائے ولی نعمت کی ڈیوڑھی ہی سمجھا۔ خاص خاص بیگمات سے اور خصوصاً دلھن بیگم صاحبہ سے دریافت کیا جاوے تو اُمید ہے کہ وہ فدوی کو اب بھی نیکی ہی کے ساتھ یاد فرماوینگی نواب سر آسماں جاہ مرحوم و مغفور کی خدمت میں کئی مرتبہ فدوی کو یہ عرض کرنے کا موقع ملا تھا کہ فدوی کی خیرخواہی جہاں تک کہ فدوی کے عہدہ کے فرائض اجازت دے سکینگے سالار جنگی ڈیوڑھی کے مقابلہ میں اول نمبر پر ہوگی اور آپ کی نسبت دویم نمبر پر۔ اس لیے کہ سالار جنگ مرحوم و مغفور ہی نے فدوی کو سر آسماں جاہ مرحوم و مغفور کے پاس متعین فرمایا تھا اور یہ فرق مدارج میں بھول نہیں سکتا تھا۔ فدوی نے جب ایک مرتبہ اپنی صوبہ داری صوبہ شرقی کے زمانہ میں سنا کہ نواب بہرام الدولہ بہادر صوبہ داری چاہتے ہیں اور صوبہ داری کوئی خالی نہیں ہے تو فوراً فدوی نے اپنی تحریری درخواست مدارالمہام کے سامنے پیش کی کہ نواب بہرام الدولہ بہادر فدوی کی جگہ صوبہ دار بنا دیئے جائیں اور فدوی بہت خوشی کے ساتھ اُن کی مددگاری کو اپنی عین عزت سمجھیگا یہ کیا تھا؟ یہ صرف ایک جوشِ وفاداری اس گھر کی نسبت تھا جس کی بدولت فدوی حیدرآباد آیا تھا اور جس کا مدۃ العمر فدوی احسان مند رہیگا۔

کرنل مارشل صاحب کے خیالات فدوی کی نسبت

۲۰۔ فدوی کی علیحدگی کے زمانہ میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ کرنل مارشل صاحب کے خیالات فدوی کی نسبت اچھے نہیں تھے اس کی نسبت فدوی صرف اسی قدر گزارش کافی سمجھتا ہے کہ وہ بھی سرکار عالی کے ایک عہدہ دار تھے اور فدوی بھی۔ اور کرنل صاحب کی رائے اس وقت فدوی کی نسبت کسی خاص امتیاز کی

مستحق نہیں ہیں اُن کے خیالات اگر فدوی کی نسبت اچھے نہ تھے تو اُن کے خیالات اُن کو مبارک رہیں۔ اس پاک پروردگار کے فضل سے فدوی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ کرنل صاحب کی بہ نسبت فدوی اپنے سرکار کا شاید کچھ زیادہ ہی خیر خواہ اور وفادار تھا اور اس کے متعلق حضرت ظل سبحانی سے بہتر دوسرا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

سر رچرڈ میڈ صاحب بہادر کے خیالات فدوی کی نسبت

۲۱۔ کہنے والوں نے اس وقت میں فدوی کی نسبت کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی لیکن طلائے خالص کو جس قدر بھی آگ پر رکھا جاویگا خالص تر ثابت ہوگا۔ غرضکہ ایک پرانی بات یہ بھی دہرائی گئی تھی کہ سر رچرڈ میڈ صاحب سابق رزیڈنٹ کے خیالات فدوی کے نسبت اچھے نہیں تھے۔ سر رچرڈ میڈ صاحب گورنمنٹ آف انڈیا کے قایم مقام تھے اور اس لیے ان کی رائے اور اُن کے خیالات بلاشبہ ہر وقت میں وقعت کے مستحق ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضرور ہوگا کہ جس وقت کے وہ خیالات ہیں اُس وقت کی حالت بھی پیش نظر رہے۔ اس وقت کی یہ حالت تھی کہ عنان سلطنت نواب سر سالار جنگ اوّل کی ہاتھ میں تھی اور اُن کے اور سر رچرڈ میڈ صاحب کے تعلقات دوستانہ نہیں رہے تھے اور نواب رشید الدین خاں مرحوم و مغفور سر سالار جنگ مرحوم کی مرضی کے برخلاف بطور کو ریجنٹ کے اُن کے ساتھ انتظام میں شریک کر دیے گئے تھے اور نواب رشید الدین خاں مرحوم اور اُن کے بھتیجوں نواب محتشم الدولہ مرحوم و نواب بشیر الدولہ مرحوم (حال نواب سر آسمان جاہ مرحوم) میں خانگی نزاعات ترقی پر تھے اور ایک طرف رزیڈنٹ صاحب وقت سر رچرڈ میڈ اور دوسری طرف نواب سر سالار جنگ مرحوم دونوں اس فکر میں رہتے تھے کہ شریک مدار المہام کو جس طرح ممکن ہو اپنا ممنون اور اپنا طرف دار بنا کے رکھیں اور نواب بشیر الدولہ بہادر اس وقت میں صدر المہام عدالت تھے اور فدوی اُن کا معتمد تھا اور اگرچہ فدوی کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ خواہ مخواہ بھی اپنے عہدہ کے سوا دوسرے کاموں میں دخل دے مگر جب اعلیٰ الحکام نے خود ہی فدوی سے دوسرا کام لینا چاہا تو تعمیل ارشاد کے سوا فدوی کے لیے اور کچھ چارہ نہیں تھا۔ جو جھگڑے

کہ اس وقت چچا بھتیجوں کے مابین پیش تھے ان میں خود نواب سالار جنگ مرحوم اول نے فدوی کو اپنی طرف سے نواب بشیر الدولہ کے پاس پیامات لے کر بھیجا اور فدوی کے ذریعہ سے نواب بشیر الدولہ مرحوم بھی ان پیاموں کے جوابات بھیجتے رہے یہ بنیاد تھی کہ ایک معتمد محکمہ صدر المہام عدالت یعنی فدوی کا تعلق ان اُمرا کے خانگی معاملات سے ہو گیا اور جب ایسا تعلق ہو گیا تو پھر اس کو ایمانداری کے ساتھ بجا لانا یہ فدوی کا فرض تھا۔ ایک دفعہ نواب سر سالار جنگ مرحوم نے فدوی سے فرمایا کہ تم بشیر الدولہ بہادر سے جاکر کہو کہ میں اور نواب رشید الدین خاں میرے شریک جو فیصلہ آپ کے معاملات کا کر دینگے گورنمنٹ آف انڈیا اس میں دخل نہیں دے سکتی۔ فدوی نے جواب میں عرض کیا کہ بہت خوب، لیکن نواب بشیر الدولہ بہادر کی عادت ہے کہ فدوی سے فدوی کی رائے بھی دریافت کیا کرتے ہیں لیکن اس موقع پر بھی اگر انھوں نے رائے دریافت کی تو فدوی کیا عرض کرے؟ نواب سر سالار جنگ بہادر نے فرمایا کہ "تم اپنی ہی رائے بیان کرنا" میں نے عرض کیا کہ "میری یہ رائے ہی نہیں" نواب صاحب نے فرمایا کہ "پھر تمھاری کیا رائے ہے" میں نے عرض کیا کہ "آپ کا یہ ارشاد اُس وقت ٹھیک ہو سکتا تھا جب کہ عنانِ حکومت خود والیِ ملک کے ہاتھ میں ہوتی اور آج تو گورنمنٹ آف انڈیا اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا ولی اور محافظ قرار دے کر سب کچھ دخل دے سکتی ہے" یہ سُن کر نواب صاحب نے فرمایا کہ ہم دونوں گورنمنٹ آف انڈیا کو اس کا موقع اور یاوری نہ دینگے تو وہ دخل کس طرح دیگی میں نے عرض کیا کہ اس کی یاوری اس کی گرجتی ہوئی توپوں اور چمکتی ہوئی سنگینوں سے ہے نہ کہ مدار المہام اور شریک مدار المہام کی منظوری سے۔ جس نے خاص بڑودہ کی سلطنت میں مہاراجہ بڑودہ پر فوجداری کے الزام کی تحقیقات کے لیے کمیشن قایم کر دیا۔ کیا آپ اس کو اس سے روک سکینگے کہ وہ آپ کی بعض اُمراء ریاست کی فریاد کو سُنے جو صرف یہ کہ رہے ہیں کہ ہمارے اوپر ہمارے چچا جو شریک مدار المہام ہیں ظلم کر رہے ہیں اور مدار المہام ان کی خاطر سے ہماری داد نہیں دیتے اور ہمارے بادشاہ کے ہاتھ میں جو کہ ہمارے مالک ہیں اس وقت اختیار نہیں ہے" فدوی کے اس جواب کو

سُن کر سر سالار جنگ مرحوم نے فرمایا کہ "اب معلوم ہوا کہ آپ ہی باہم صلح نہیں ہونے دیتے"۔ فدوی یہ سن کر خاموش چلا آیا! ور اسی گھنٹہ میں اپنی خدمت سے استعفا لکھ کر مرحوم و مغفور کی خدمت میں بھیجدیا اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ اس استعفا سے میرا یہ مطلب نہیں ہو کہ میں نواب بشیر الدولہ بہادر کی ملازمت اختیار کروں بلکہ میں کل ہی کو وطن اپنے کو روانہ ہو جانا چاہتا ہوں اس کاغذ کو پڑھ کر نواب صاحب نے فدوی کو یاد فرمایا اور جب میں وہاں پہونچا تو اوّل مولوی مہدی علی صاحب نے اور اُن کے بعد نواب مکرم الدولہ بہادر نے جہاں تک اُن سے ممکن تھا فدوی کو سمجھایا کہ فدوی اپنا استعفا واپس لے اور جب یہ دونوں کوششیں بے سود ثابت ہوئیں تو نواب سر سالار جنگ مرحوم نے فدوی کو خود اپنے سامنے بلایا اور مجھ سے فرمایا کہ جو کچھ مولوی مہدی علی اور مکرم الدولہ نے تم سے کہا وہ اُنھوں نے میرا کہا ہوا نہیں کہا یہ اُن کی اپنی رائے تھی۔ میں نے تم کو کچھ اور ہی کہنے کو بلایا ہو اور وہ یہ ہو کہ جو کچھ اس وقت میں نے تم سے کہا وہ میری غلطی تھی مجھے کوئی حق نہیں تھا جو میں تم سے کہتا کہ جو کچھ تمھاری رائے نہ ہو اُس کو تم اپنی رائے کے طور پر بیان کرو اور میں اب تم سے اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہوں"۔ اس وقت فدوی پر ایک رقت کا عالم طاری ہو گیا جس کے اثر سے نواب صاحب مرحوم خود بھی اس وقت محفوظ نہ رہ سکے۔ اور جس محبت و نوازش کا اظہار اس وقت مرحوم و موصوف کی طرف سے ہوا وہ کبھی میرے دل سے محو ہونے والا نہیں ہو اور جب وہ وقت یاد آجاتا ہو تو بے اختیار اُن کی مغفرت کے لیئے دل سے دعا نکلتی ہو۔

حیدر آباد سے علیحدگی اور پھر اسی خدمت پر بحال ہونا

۲۲- نواب رشید الدین خاں مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کی عزت فدوی کو کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ فدوی کی خاصیت مزاج سے واقف ہونے پائے اُنھوں نے جیسا سنا ویسا ہی صحیح سمجھا اور بالآخر اُن کی خواہش یہ ہوئی کہ فدوی اپنی خدمت سے علیحدہ کیا جائے تاکہ نواب بشیر الدولہ بہادر کو فدوی سے مدد نہ مل سکے سر رچرڈ میڈ صاحب نے اُن کی اس خواہش کی تائید کی سر سالار جنگ بہادر بہت عرصہ تک اس کو ٹالتے رہے۔ اس عرصہ میں فدوی بحصولِ رخصت اپنے وطن کو آیا ہوا تھا اور فدوی کر نل

ٹوئیڈی صاحب رزیڈنٹ گوالیار سے بھی بلایا تھا جو کہ ایک وقت میں حیدرآباد کے فرسٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ رہے تھے اور نواب بشیرالدولہ بہادر کے دوست سمجھے جاتے تھے جب اس کی اطلاع نواب رشیدالدین خاں اور سر رچرڈ میڈ صاحب کو ہوئی تو ان کو یہ ایک کافی موقع مل گیا اور انھوں نے دوبارہ سرسالار جنگ سے میری علیحدگی کے متعلق تقاضہ کیا اور یہاں تک اس پر زور دیا کہ آئندہ ان میں اور مدارالمہام میں باہم تعلقات کا دوستانہ حالت میں رہنا صرف اسی پر منحصر ہے۔ فدوی ابھی رخصت کی تقریب سے اپنے وطن ہی میں تھا فدوی کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو فدوی نے فوراً نواب سرسالار جنگ کی خدمت میں تحریراً عرض کیا کہ میں نہیں چاہتا کہ مشتاق حسین وہ شخص قرار پائے جس پر مدارالمہام اور ان کے شریک اور رزیڈنٹ صاحب کے باہم نااتفاقی کی بنیاد قایم ہو اور ریاست کے کاروبار میں خلل آئے۔ آپ بے تامل اس وقت شریک مدارالمہام کی خواہش پوری کر دیجئے اور مجھ کو اس سے کچھ رنج نہ ہوگا۔ بلکہ خوشی ہوگی کیونکہ میں سمجھونگا کہ یہ بھی مجھ سے اپنی سرکار کی ایک عمدہ خدمت ادا ہوئی نواب سرسالار جنگ مرحوم نے اس تحریر کے ساتھ کہ شریک مدارالمہام کو شکایت ہے کہ یہ ہماری خانگی نزاع میں ہمارے بھتیجوں کو مدد دیتے ہیں فدوی کی علیحدگی کا حکم دیا لیکن ساتھ ہی چار سو روپیہ ماہوار کلدار بطور مدد خرچ کے سکریٹ سروس فنڈ سے مقرر کر دئے اور فدوی کو مطمئن کر دیا کہ جب موقع ملیگا تم بحال کر دیئے جاؤ گے چنانچہ اس طرح ساڑھے تین برس گزرنے کے بعد جب ان کو موقع ملا تو اول موقع ہی پر فدوی کو یاد فرمایا اور اول ان ہی نواب بشیرالدولہ بہادر کے پاس اور اسی معتمدی صدرالمہام عدالت پر مقرر کیا اور پھر بہت جلد گلبرگہ کا صدر تعلقدار مقرر فرمایا اس صدر تعلقداری کی نذر پیش کرنے کے لیئے فدوی جب مرحوم موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ خیر اس وقت تو یہ نذر لیتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں تم کو حیدرآباد سے باہر بھیج نہیں سکتا تمہارے گلبرگہ تشریف جانے کی خبر سنکر اس قدر لوگوں نے مجھ سے تمہاری نسبت کہا ہے کہ میں بلدہ ہی میں تمہارے لیئے کچھ اور فکر کرتا ہوں اور میں زیادہ تر اس سے خوش ہوا ہوں کہ زیادہ تر غریب لوگ تمہارے

باہر جانے سے ناخوش ہیں ۔ خیراب تم جاؤ اور صدر تعلقداری کا جائزہ لو اور ایک دن کام کرکے پھر بلدہ کو واپس چلے آؤ اور فدوی کو ایک تحریر کے ذریعہ سے بھی نواب صاحب کے یہ خیالات اس وقت ظاہر ہو گئے تھے جو شاید اب تک کہیں میرے کاغذات میں ہو بہرحال ایسا ہی ہوا اور اسی مہینہ میں نواب صاحب مرحوم نے فدوی کو اپنا خاص معتمد عدالت و کوتوالی مقرر کیا اور مرحوم و موصوف کے اخیر وقت تک فدوی اسی عہدہ پر تھا۔

زمانہ بیکاری کی تنخواہ

۲۳ - اسی عرصہ میں نواب سرسالار جنگ مرحوم و مغفور اول نے فدوی کے تمام زمانہ بیکاری کی تنخواہ کا حساب محاسبی سے پیش ہونے کا حکم دیا اور جب وہ پیش ہوا تو معلوم نہیں کن خیالات سے اس پر یہ لکھدیا کہ بالفعل ملتوی رہے ۔ اس کے چند ہی ہفتہ کے بعد مرحوم موصوف نے اس جہان سے انتقال کیا اور مہاراجہ نرندر بہادر نے تمام حالات پر غور کرنے اور کاغذات کا ملاحظہ فرمانے کے بعد یہ تصفیہ کردیا کہ جو کچھ سکریٹ سروس فنڈ سے مل چکا تھا وہ مجرا کرکے باقی سالم تنخواہ تمام زمانہ بیکاری فدوی کو دلادی جائے ۔ لیکن جب اس کی اطلاع رزیڈنسی میں ہوئی تو وہاں سے اس پر اعتراض ہوا اور اس پر سرجرڈ میڈ صاحب کی کارروائی کا حوالہ دیا گیا اور پیشکار صاحب نے وہ تنخواہ فدوی سے واپس لے لی ۔ اس کے کئی سال کے بعد جب ہاول صاحب رزیڈنٹ ہو کر آئے اور نواب سرآسمان جاہ مرحوم و مغفور نے اُن کی توجہ اس معاملہ کی نسبت چاہی تو انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو ایک خاص رپورٹ بھیجی اور اس میں ثابت کیا کہ سرجرڈ میڈر کے وقت میں مشتاق حسین کے متعلق جو کچھ ہوا وہ انصاف کے خلاف تھا ہاول صاحب کی اس رپورٹ کے ساتھ کرنل ٹوڈی صاحب رزیڈنٹ گوالیار کی ایک چھٹی بھی شامل تھی جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ مشتاق حسین نے جس وقت گوالیار میں مجھ سے ملاقات کی تو اس میں مشتاق حسین نے ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا تھا جو نامناسب ہو یا مناسب نہ ہو، اور ختم ملاقات کے وقت مشتاق حسین نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ میں اس ملاقات کا ذکر نواب سرسالار جنگ سے بھی کردونگا ۔ سر اسٹورٹ بیلی صاحب کی

ایک چٹھی بھی اس رپورٹ کے ساتھ بھیجی گئی جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ نواب سر سالار جنگ نے اس زمانہ میں جب کہ میں حیدرآباد کا رزیڈنٹ تھا مجھ سے مشتاق حسین کا ذکر کیا تھا اور میری اتفاق رائے سے پھر اُن کو اپنے پہلے عہدہ پر بلا کر بحال کیا گیا تھا - اُن کاغذات کے مطالعہ کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا نے ہاول صاحب کی رائے سے اتفاق کیا اور فیصلہ کر دیا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو مشتاق حسین کی تنخواہ دلانے میں کچھ عذر نہ ہوگا - اس وقت فدوی کو فدوی کے زمانہ بیکاری کی وہ واپس شدہ تنخواہ پھر مرحمت ہوئی -

یہ ہے سر رچرڈ میڈ کے وقت کا قصہ - لوگ یا تو واقعات سے واقف نہیں ہوتے یا دانستہ اچھی بات کو بھی دوسرے پیرایہ میں بیان کر دیتے ہیں - نواب سر سالار جنگ مرحوم و مغفور نے جب کہ معروضہ بالا مجبوریوں سے فدوی کی علیحدگی کا حکم دیا تھا تو اس کے بعد بارہا لوگوں نے اُن کو یہ کہتے سنا کہ میں نے مشتاق حسین ہی کے ساتھ یہ ناانصافی نہیں کی بلکہ خدا کا گناہ کیا ہے -

اصل وجہ اپنی علیحدگی کی فدوی کو آخر وقت تک معلوم نہ ہوئی

۲۴ - یہ ہے فدوی کے منسوبہ قصورات کی فہرست جو کہ سابق کے وقتوں میں فدوی سے منسوب کیے گئے تھے لیکن کوئی خیر خواہ سے خیر خواہ اور وفادار سے وفادار ملازم بھی دنیا میں ایسا نہیں گزرا ہوگا جس پر لوگ معترض نہ ہوئے ہوں اور یہ تو بہت چھوٹی سی فہرست ہے فدوی جس قدر اپنے معائب سے آگاہ ہے ایسا کوئی دوسرا شخص کیا ان سے آگاہ ہو سکتا ہے خدائے ستار العیوب اور دانائے پنہاں و آشکارا کی شان ستاری اور غفاری سے بندہ کا صرف گزارا ہو سکتا ہے اور بادشاہانِ وقت بھی چونکہ خلیفہ فی الارض ہیں وہی شان اُن کو بھی اللہ عزوجل نے مرحمت فرمائی ہے اور اسی کی بدولت اس عالم اسباب میں خلقت کا نباہ ہو جاتا ہے ورنہ ہمارے افعال کے لحاظ سے ہمارے ساتھ برتاؤ ہوا کرتا تو نہ اس دنیا میں کبھی ہم ایک دن عزت و مسرت کے ساتھ بسر کر سکتے اور نہ اس دوسرے جہان ہی میں جو ضرور ایک دن سب کے سامنے آنے والا ہے کسی طرح ہم نجات کے اُمیدوار ہو سکتے

تھے الغرض یہ تو فدوی کبھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ فدوی کا کوئی قصور نہ تھا ملازم کے لئے قصور مند ہونا اور ہر وقت اعتراف قصور اور عفو تقصیرات کا ملتجی رہنا لازم و ملزوم ہی لیکن پیر و مرشد ظل سبحانی فدوی نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ اس قدر عرض کرنے کی اجازت اس مقام پر ضرور چاہتا ہی کہ معروضہ بالا تقصیرات کا فدوی ملزم تھا خواہ دوسری اسی قسم کی بہت سی خطائیں فدوی سے سرزد ہوئی تھیں۔ مگر یہ تمام امور اس قابل ضرور تھے کہ فدوی سے ان کے متعلق کوئی جواب تو طلب فرمایا جاتا اور کوئی موقع تو فدوی کو صفائی کے حاصل کرنے کا دیا جاتا۔ حضرت ظل سبحانی کا ترحم و انصاف اور درگزر کی شان جو غفور الرحیم نے حضرت ظل سبحانی میں ودیعت رکھی ہی ہرگز بھی اس بات کی مقتضی نہیں ہو سکتی کہ یوں فدوی کی خیر خواہی حرف غلط کی طرح دفعتہً حضرت ظل سبحانی کے دل صفا منزل سے محو ہو جائے اور کوئی وقت بھی اس کام زمانہ میں فدوی کے لیے اس فکر سے خالی نہیں گیا ہی کہ ضرور کوئی نہ کوئی بات اور ہی جو فدوی کی ان تمام بدقسمتیوں کا باعث ہوئی ہی اور جس کا اظہار کسی خاص مصلحت کی وجہ سے نہیں فرمایا گیا۔ اگر فدوی کے وظیفہ کی منظوری ہو گئی ہوتی جس کے لئے فدوی نے خود درخواست پیش کی تھی اور جس درخواست میں خود ہی فدوی نے یہ گزارش کر دیا تھا کہ اس منظوری کے بعد فدوی اپنے وطن کو روانہ ہو جانا چاہتا ہی تب بھی فدوی اپنے دل کو سمجھا سکتا تھا لیکن اسی کے ساتھ چونکہ یہ حکم بھی شامل تھا کہ چار دن کے اندر فدوی حیدرآباد سے چلا جاوے تو اس چار دن کی قید نے ضرور اس بات کو ثابت کر دیا کہ کوئی نہ کوئی بات اور بھی ہی جس کی وجہ سے حضرت ظل سبحانی کو جو کہ ایک چیونٹی کا دل بھی بلا وجہ دکھانا پسند نہیں فرماتے فدوی کی بدقسمتی سے ناخوشی خاطر اقدس کے لیے کوئی تحریک پیدا کر دی ہی اور یہ تمام زمانہ درحقیقت اس وجہ ناخوشی کی تجسس و تلاش میں فدوی نے گزارا ہی اور مثل مشہور ہی کہ جوئندہ یابندہ آخر کار رہ گوہر مقصود فدوی کے ہاتھ آگیا ہی جس کو فدوی اس راز سربستہ کی کلید فتح سمجھ سکتا ہی ہر ایک کام کا اللہ جل شانہ کے ہاں ایک وقت مقرر ہوا کرتا ہی اور کیا بعید ہی کہ فدوی کی اس عقدہ کشائی

کا بھی اس نے یہ ہی وقت مقرر کر رکھا ہو۔

اعلیٰ حضرت کی نارضامندی کا سبب معلوم ہونا

۲۵- دسمبر گزشتہ میں جب کہ فدوی اپنی بیوہ بہو مسز محمد احمد کو انگلستان رخصت کرنے کی غرض سے بمبئی گیا ہوا تھا تو وہاں سے واپسی کے وقت علی گڑھ کے مقام پر نواب سرور الملک بہادر سے فدوی کی ملاقات ہوئی اور پندرہ سولہ گھنٹہ فدوی اور وہ ایک ہی جگہ رہے اور اس عرصہ میں سب ہی قسم کی باتیں ان سے رہیں اُسی وقت میں جب کہ فدوی ان سے یہ ذکر کر رہا تھا کہ اصل وجہ حضرت ظل سبحانی کی ناخوشی خاطر کی مجھ کو اب تک معلوم نہیں ہو سکی کہ کیا تھی تو اُنھوں نے بے ساختہ جواب دیا کہ وہی سیزدہ سالہ رپورٹ جو نواب سر آسمان جاہ بہادر کی مدار المہامی میں ریاست کے مداخل و مخارج کی نسبت مرتب ہو کر سر ڈینس فٹز پٹرک صاحب کو دی گئی اور اس میں حضرت کی فضول خرچیوں کا ثبوت بہم پہونچایا گیا تھا۔ وہی رپورٹ تمھاری نسبت حضرت ظل سبحانی کی ناخوشی کی بنیاد تھی۔ نواب سرور الملک بہادر کی یہ صاف صاف تقریر اور اُن کا بے تصنع لب ولہجہ ایسا تھا کہ جو کچھ اُنھوں نے کہا فدوی کے دل میں بیٹھ گیا۔ اور اپنے دل میں فدوی نے کہا کہ الحمد للہ مرض تشخیص میں آگیا ہے اور ظاہر میں فدوی نے اپنی حالت اس وقت ایسی قایم رکھی کہ گویا کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوئی اور اب فدوی نہایت ادب سے یہ عرض کرتا ہے کہ اس سیزدہ سالہ رپورٹ کے معاملہ میں فدوی ایک ذرہ برابر بھی قصوروار نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ ایک ایسا بڑا معاملہ ہے کہ صرف اس قدر عرض کر دینا کہ فدوی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا اور اس لیئے بہت کچھ غور کے بعد فدوی نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ قبل اس کے کہ اس باب میں حضرت ظل سبحانی کے حضور اقدس میں کچھ عرض کروں سر ڈینس فٹز پٹرک صاحب سے جن کے وقت کی یہ کارروائی ہے خط وکتابت کر دوں چنانچہ فروری گزشتہ میں جس کو سات مہینہ سے زیادہ عرصہ ہونے آیا ہے فدوی نے سر ڈینس کو جو کہ اس وقت سکرٹری آف اسٹیٹ ہند کی کونسل کے ایک

ممبر اور رکن تھے ایک چٹھی لکھی اِس چٹھی میں فدوی نے ان تمام واقعات کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو ان سیزدہ سالہ تخمینہ جات مداخل و مخارج کی تیاری سے متعلق اس وقت وقوع میں آئے تھے اور اب تک فدوی اس کے جواب کا منتظر رہا لیکن جواب نہیں آیا اور نہ آئندہ اب اس کے جواب ملنے کی اُمید ہے لہٰذا بغیر کسی زیادہ انتظار کے اور بغیر اس کے کہ ان واقعات کو اس عرضداشت میں جو پہلے ہی سے بہت زیادہ طویل ہو گئی ہے درج کروں - اپنی اس چٹھی مورخہ دہم فروری ۱۸۹۸ء موسومہ سر ڈینس فٹز پیٹرک کی بجنسہ ایک نقل معہ اُس کے ترجمہ کے حضرت ظل سبحانی کے ملاحظہ کی غرض سے عرضداشت ہذا کے ساتھ گزرانتا ہوں اس کے ملاحظہ سے حضرت ظل سبحانی کو تمام کیفیت ان سیزدہ سالہ کاغذات کے متعلق روشن ہو جائے گی مع فدوی کی بے گناہی کے -

سر ڈینس کی ایک چٹھی فدوی کی نسبت

۲۶ - فدوی جس زمانہ میں حیدر آباد سے علیحدہ ہو کر اپنے وطن میں پہونچا تو سر ڈینس فٹز پیٹرک صاحب سے جو اس وقت پنجاب کے لفٹنٹ گورنر تھے درخواست کی کہ ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر صاحب کو جس صوبہ میں کہ فدوی کا وطن ہے ایک ملاقاتی چٹھی لطف فرما دیں - اُس پر صاحب ممدوح نے وہ چٹھی تحریر فرمائی اور اُس کی ایک مصدقہ نقل مہربانی سے فدوی کے پاس بھی بھیج دی چنانچہ ایک مطبوعہ کاپی اس چٹھی کی معہ ترجمہ فدوی اس

۱؎ یہ چٹھی حسب ذیل ہے :-

میرے پیارے کراسٹویٹ، مولوی مشتاق حسین رئیس امروہہ یا نواب وقار الملک نے جیسا کہ اُن کو حیدر آباد سے خطاب ملا ہے مجھ سے درخواست کی ہے (میں اُن کا خط ملفوف کرتا ہوں) کہ میں اُن کو آپ سے ملنے کے لیے ایک تعارفی چٹھی دوں میں خیال کرتا ہوں کہ اس قسم کا خط ٹرپور پلوڈن کے پاس سے آتا تو زیادہ مناسب تھا جو میرے بعد حیدر آباد میں رزیڈنٹ ہوئے، اور جن کا اُس وقت تک کا علم مجھ سے زیادہ ہے لیکن میرے حیدر آباد کے زمانہ میں چونکہ وہ وزیر کے بازوئے راست تھے اور وہی شخص تھے جن سے میرا اکثر کام پڑتا تھا اور چونکہ

عرضداشت کے ساتھ منسلک کرتا ہی (منسلکہ حرف ب) اور اس سے فدوی کے دو مقصد ہیں اول تو یہ کہ سر ڈینس نے اُس وقت میں جو کچھ فدوی کی نسبت اپنی معلومات ذاتی کا اظہار کیا ہی وہ ملازمان حضرت ظل سبحانی کے ملاحظہ سے گزر جاوے اور دوسرے یہ کہ سر ڈینس ایک معمولی قسم

(بقیہ نوٹ ص ۳۵۷) :-

میں نے حیدرآباد میں کافی مدت تک رہ کر اُن کے چال چلن کا اندازہ کر لیا ہی لہذا میں جانتا ہوں کہ اپنے اس رائے کا اظہار کرنے سے جو میں نے اُن کے چال چلن کی نسبت قایم کی تھی انکار کرنا معقول نہیں ہی۔

آپ واقف ہیں کہ حیدرآباد کی حالت برٹش انڈیا کی سی نہیں ہی، وہاں وزیر کی ہمیشہ شدید اور تلخ مخالفت رہتی ہی اور اس حالت میں جو اس مخالفت کا نتیجہ ہوتا ہی، آپ یہ ہرگز امید نہیں کر سکتے کہ وزیر کا معتبر ترین معتمد ٹھیک وہی طریقہ اختیار کریگا جو ایک اعلیٰ افسر برٹش انڈیا میں کرتا ہی، خاص حد تک اس کو اپنے خاص خاص مددگار و معین سے بہ عنایت اور اپنے خاص خاص مخالفین سے بناراضی پیش آنا ضرور ہوگا، اس کام کی تہمت مشتاق حسین پر بھی لگائی جاتی تھی اور اگرچہ جو کچھ اس موقع پر کہا جاتا تھا (میں اپنے ہی زمانہ کی بابت کہتا ہوں) اس میں بہت مبالغہ ہوتا تھا اور جیسا کہ خیال کیا جاسکتا ہی اُس میں کسی قدر سچ بھی تھا، لیکن ان خیالات کے علاوہ جو کہ ایک حد تک قابل معافی ہیں، میں مشتاق حسین کے چال چلن کو جب تک میں حیدرآباد میں تھا ہر طرح سے قابل تعریف سمجھتا رہا۔

میں نے اُن کے بدترین دشمن کو بھی اس کے سوا اور کچھ کہتے نہ سنا کہ اُن کا دامن برائی سے بالکل پاک ہی، اس ملک کے لوگوں میں جن سے مجھے واسطے پڑا ہی وہ سب سے زیادہ ایماندار اور کارگزار ہیں، اور اُن کی وہ دانائی جو اُنھوں نے وزیر نظام اور رزیڈنٹ کے تعلقات درست رکھنے میں کی ہی، تعریف سے باہر ہی۔

مجکو اسقدر اور اضافہ کرنا ہی کہ اگرچہ وہ نہایت ہی گہرے مذہبی مسلمان ہیں، لیکن اپنی

کی خط وکتابت میں کس قدر حد سے زیادہ محتاط ہیں۔ چنانچہ حضرت ظل سبحانی اُن کی اس چٹھی میں ملاحظہ فرمائینگے کہ اُنھوں نے اوّل اپنی چٹھی کا مسودہ سر لوٹڈن صاحب بہادر کے دیکھنے کے لیئے بھیجا اور جب اُن کا جواب اُس کی نسبت منگا لیا تب وہ چٹھی اُنھوں نے مرسل کی اور جو شخص محض معمولی خط وکتابت میں اس قدر محتاط ہو وہ میری دسویں فروری گزشتہ کی چٹھی کا جواب کب کسی آسانی کے ساتھ دے سکتا ہے اور اُن کے جادہ طبیعت سے تو کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اُنھوں نے میری چٹھی وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں بھیجدی ہو یا سکرٹری آف اسٹیٹ کو دکھلائی ہو اور فدوی کے نزدیک تو اصل وجہ اُن کی طرف سے اُس کے جواب نہ ملنے کی یہ ہے کہ جو واقعات کہ فدوی نے اپنی ۱۰ ر فروری کی چٹھی میں بیان کیئے ہیں اُن کی تردید تو وہ فرما نہیں سکتے پھر اگر وہ اس کا کچھ جواب لکھیں تو لا محالہ اس سے ان سیزدہ سالہ کاغذات کے مرتب کرنے کی ذمہ داری اُس دوسرے کسی افسر پر آجاتی ہے جس نے سر ڈینس کی فرمایش سے اُس وقت میں اُن کاغذات کو مرتب کیا تھا فدوی کو تو اس بات کا علم کبھی نہیں ہونے پایا کہ سر ڈینس ہی کی فرمایش سے کسی افسر نے وہ کاغذات مرتب کیئے تھے۔ لیکن اب جو سر وقار الملک بہادر کے مفلٹ میں خود سر ڈینس کی تحریر میں سے یہ فقرہ پڑھنے میں آتا ہے کہ "جو افسر اعلیٰ حضرت کی وقعت وعظمت کے محافظ تھے اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ اسراف کے ثبوت میں ایک تحریری یادداشت تیرہ سال کے مداخل ومخارج کی پیش کریں" تو اس فقرہ سے صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرور سر ڈینس فٹز پٹرک کے ایما سے وہ کاغذات مرتب ہوئے جس سے نہ صرف فدوی ہی مطلقاً

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۵۸) :- رائے میں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے تعلقات رکھنے میں وہ نہایت آزاد اور وسیع ہیں۔

جب میں اسقدر لکھ چکا تھا مجھے خیال ہوا کہ اس خط کو مسٹر لوٹڈن کے ملاحظے کے لیئے بھیجدینا چاہیئے قبل اس کے کہ میں اُس کو آپ کے پاس بھیجوں۔ جو خط مسٹر لوٹڈن کا اس کے ساتھ آیا ہے وہ بھی ملفوف کرتا ہوں۔

آپ کا نہایت صادق دوست، ڈی، فٹز پٹرک

بے خبر رہا بلکہ غالباً نواب سر آسماں جاہ بہادر کو بھی اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ ورنہ فدوی سے ضرور اس کا ذکر فرماتے اور آپ بحیثیت ایک رزیڈنٹ کے سر ڈینس کی یہ کارروائی جائز کارروائی تھی اور خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ اس بات کو شامل کر لیا جائے کہ سر ڈینس فٹزپیٹرک صاحب کی نیت اس میں حضرت ظل سبحانی اور ریاست حیدرآباد کے متعلق نیک تھی اور وہ ایک مخلصانہ مشورہ دینے کے لیئے حسابات دیکھنا چاہتے تھے۔ اور جو چیز کہ اس میں ناجائز تھی وہ یہ تھی کہ سرکار عالی کے کسی عہدہ دار کو یہ جائز نہ تھا کہ رزیڈنٹ صاحب کے آئیے منشا کی تعمیل اس طرح بالا بالا عمل میں لاوے کہ مدار المہام کو بھی اصل حقیقت پر اطلاع نہ ہو اور پھر جب وہ حسابات مرتب ہوں تو ایسے پیرایہ میں مرتب ہوں جس سے نصیب اعدا حضرت ظل سبحانی کے اخراجات پر کوئی اعتراض عائد ہوتا ہو۔ فدوی نے اپنی ۱۰ر فروری کی چٹھی میں اس کو بہت تفصیل سے ثابت کیا ہی کہ یہ تمام کارسازی اس غرض سے ہوئی تھی کہ حضرت ظل سبحانی اور نواب سر آسماں جاہ کے فی مابین صفائی نہ رہے اور حضرت ظل سبحانی اپنے مدار المہام کو اپنا خیرخواہ نہ سمجھیں اور یہ ایک تدبیر تھی انقلاب وزارت کی غرض سے بعض ہمارے ہی عہدہ داروں کی طرف سے اور وہ ایسی ہوشیاری کے ساتھ عمل میں لائی گئی کہ سر ڈینس فٹزپیٹرک سا بیدار مغز مدبر بھی اُس پر پے نہ لے جا سکا۔ اور اب ایک غلطی میں وہ خود ہی مبتلا ہو گئے جس کو فدوی نے اُن کی موسومہ چٹھی میں صاف صاف بتلا دیا ہی۔

سر بلوڈن کی چٹھی فدوی کے نام

۲۷- سر بلوڈن صاحب بہادر نے بھی فدوی کو ایک چٹھی عین اس وقت لکھی تھی جب کہ فدوی دو تین گھنٹہ کے بعد حیدرآباد کو الوداع کہنے والا تھا۔ اس چٹھی[۱] کی ایک نقل مطبوعہ بھی معہ اس کے ترجمے کے فدوی اس عرضداشت کے ساتھ منسلک کرتا ہی۔ اس چٹھی سے حضرت ظل سبحانی کو یہ بھی معلوم ہو سکیگا کہ رزیڈنسی کے دفتر میں فدوی کی طرف سے کوئی بدنما دھبہ موجود نہیں ہی اور نہ فدوی کی اس علٰحدگی کو رزیڈنسی کے کسی

[۱] یہ چٹھی اُس موقع پر نقل ہو چکی ہی جہاں حیدرآباد سے نواب وقار الملک کی روانگی کا ذکر ہی ۱۲

اپنا ہے کوئی تعلق رہا ہو۔

فدوی کے کان میں ایک آواز پڑی کہ حضرت ظلّ سبحانی ارشاد فرماتے ہیں کہ "سر آسماں جاہ تو اچھے ہیں لیکن اُن کے مشیر اچھے نہیں"۔ صرف اسی ایک اشارہ کی بنیاد پر فدوی نے خود ہی وظیفہ کی درخواست پیش کی اور اس دن کے بعد سے آخر وقت تک کبھی رزیڈنسی کے دروازہ میں بھی قدم نہیں رکھا۔ سر لوڈن صاحب کی اس چھٹی میں میرے اسی نہ ملنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ فدوی کے درخواست وظیفہ کی اطلاع مسٹر فریدوں جی جمشید جی پرائیوٹ سکرٹری نے مدار المہام صاحب کی طرف سے رزیڈنٹ صاحب کو کی جس کو رزیڈنٹ صاحب نے بہت تعجب کے ساتھ سُنا اور اُن کو مشکل سے اس بات کا یقین آیا کہ یہ درخواست پیش ہوئی ہوگی غرض کہ جو کچھ بھی اُس وقت ہوا وہ فدوی کی درخواست پر اور حضرت ظلّ سبحانی کے حکم سے ہوا نہ رزیڈنسی کی کسی خواہش پر اور اس لیے فدوی کا معاملہ آئندہ بھی بفضل ایزدی حضرت ظلّ سبحانی ہی کے ید قدرت اور حضرت ظلّ سبحانی ہی کی مرضیِ مبارک پر منحصر ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

اخیر معذرت و استدعائے ترحم شاہانہ

۲۸- اور اب نہایت ادب کے ساتھ اس تمام طویل گزارش کی معافی چاہنے کے بعد جو کہ دل کی بے چینی میں بے ساختہ قلم سے نکلتی چلی گئی ہو اور حضرت ظلّ سبحانی کے شاہانہ ترحم پر بھروسہ کر کے دو جداگانہ درخواستیں اس کے ساتھ فدوی گزرانتا ہو تاکہ اگر حضرت ظلّ سبحانی کا دریائے رحمت جوش میں آئے تو ان درخواستوں میں سے (اوّل) متعلق علاقہ آسمان جاہی (دوم) متعلق ضروریات ذاتی فدوی نسبت مکان وغیرہ جس پر بھی فدوی کی خوش قسمتی سے حضور ظلّ سبحانی مناسب خیال فرمائیں کوئی حکم صادر فرمائینگے۔ آئندہ میں ایک موسم تک کی گھوڑ دوڑ کا بھی آتا ہو جب کہ بغیر کسی مزید توضیح اور تصریح کے گھوڑ دوڑ کا ایک چھوٹا سا زرد ٹکٹ فدوی کی آئندہ قسمت کا فیصلہ کر دے سکتا ہو اور فدوی کی خوش قسمتی میں ایک تازہ روح پھونک سکتا ہو یا اور جو

کوئی طریقہ کہ خدام حضرت ظل سبحانی کے نزدیک مستحسن ہو سہ

کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

اور سہ رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

اور فدوی کے لیئے تو منتہائے آرزو اب صرف یہ باقی ہو کہ اس دنیاسی میں اس طمینان کے ساتھ عالمِ آخرت کا سفر اختیار کردں کہ میرے بادشاہ کا اطمینان میری وفاداری کی نسبت بدستور قایم تھا۔ فدوی کو اپنی اس بدقسمتی کے زمانہ میں ایسی ایسی مصیبتوں کا سامنا رہا ہے جس کو انسان کی اعلیٰ درجہ کی مصیبتوں سے تعبیر کیا گیا ہو جس پر نتیز ادجوان اور لائق فرزند کی موت نے گویا گھر ہی کو بے چراغ کردیا۔ خدا علیم ددانا ہو کہ میں نے اُن میں سے ہر ایک مصیبت کو اس کامل استقلال کے ساتھ برداشت کیا ہو کہ جو خداوند تعالیٰ جلشانہ نے ان نازک مواقع پر فدوی کو بخشا لیکن جو چیز کہ فدوی کی برداشت سے باہر ہو وہ صرف یہ ہو کہ حضرت ظل سبحانی جیسے مالک اور خاوند کے خیالِ مبارک میں **مشتاق حسین** جیسا غلام بدخواہ اور ناوفادار سمجھا جاوے جس کے بعد یہ دوروزہ زندگی وبالِ جان معلوم ہوتی ہو اور موت اس زندگی سے بدرجہا خوشتر ہو کیونکہ وہاں یہ تکلیف تو نہ ہوگی اور معاملہ سیدھا خدائے علام الغیوب کے ساتھ ہوگا۔ اور وہ ہر ایک نہاں وآشکارا سے واقف اور اُس کے دربار میں کبھی کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ اور اس عرضداشت کے ذریعہ سے فدوی نے بھی اس قدر سامان ضرور مہیا کردیا ہو کہ میرے اس جہان سے سفر کرجانے کے بعد اگر وہ خلقت کی نگاہ سے گزرے تو آیندہ کی دنیا میری نسبت یہ صحیح رائے قایم کرسکے کہ میں اپنے بادشاہ کا ناوفادار ملازم نہیں تھا اور جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے اپنے فرایض کو نہایت ایمانداری کے ساتھ انجام دیا تھا اور اب اس سے زیادہ کچھ عرض نہیں کیا جاسکتا کہ دل بھرا چلا آتا ہو اور حدادب مانع عرض ہو۔ اور پھر ایک دفعہ اپنے قصور کی معافی چاہ کر اور ترحم کی استدعا کے ساتھ اس دعا پر ختم گزارش ہو کہ :۔

آفتابِ دولت و اقبال و نیّرِ مدارج روز افزوں تاباں و درخشاں باد بحرُمَتِہ النَّبیِ وَاٰلِہ الاطہار و اصحابہ الکبار ؒ

عرض

فدوی سراپا تقصیر مشتاق حسین وقار الملک

مقام امروہہ ۔ ممالک مغربی و شمالی

معروضہ چہار دہم جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۱۶ھ

یوم شنبہ ۱ اکتوبر سنہ ۱۸۹۸ء)

خدماتِ حیدرآباد پر ایک عام تبصرہ

سر سالار جنگ اعظم کے زمانہ سے سر آسمان جاہ کے عہد تک نواب وقار الملک کا تمام زمانہ ملازمت نہایت مصروفیت کی حالت میں گزرا، اگر وہ چاہتے تو اکثر دوسرے بڑے بڑے عہدہ داروں کی طرح ایک حد تک آرام و راحت کے ساتھ رہ سکتے تھے لیکن وہ درحقیقت کام کے لیئے پیدا کیئے گئے تھے اور کام ہی اُن کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ لہذا اُنھوں نے کام کو آرام پر ترجیح دی، بلکہ خود اپنے لیئے کام پیدا کیئے۔ ابتدا سے انتہا تک جن عہدوں پر اُنھوں نے کام کیا، اُن عہدوں پر اُن سے ماقبل و مابعد بہت سے لوگ مقرر ہوئے مگر کسی کو وہ شہرت، عزت اور ناموری نصیب نہیں ہوئی جو نواب وقار الملک نے حاصل کی تھی۔ وہ جس عہدہ پر پہونچتے تھے اپنی ہمہ گیر اور محنت پسند طبیعت کی وجہ سے اُس عہدہ کے کام کو اس قدر وسعت دیتے تھے کہ بعد میں کام کرنے والوں کے لیئے اُن کی تقلید کرنا قریباً ناممکن ہو جاتا تھا۔ صوبہ دار اور معتمد مالگزاری بہت لوگ مقرر ہوئے لیکن نواب وقار الملک کی صوبہ داری اور معتمدی کا سکّہ لوگوں کے دل پر ایسا بیٹھ گیا تھا کہ پھر کوئی دوسرا اُنکی نگاہ میں نہیں جچتا تھا۔

اُن کی قابلیت اور حُسن کارگزاری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہی کہ ہر مدار المہام نے اپنے اپنے زمانہ میں نہایت شاندار الفاظ میں اُن کی خدمات کا اعتراف کیا ہی، خصوصاً سر سالار جنگ اعظم تو اُن کی، دیانت، کارگزاری اور اصابت رائے پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ کسی دوسرے شخص پر اُنھوں نے ایسا اعتماد کبھی نہیں کیا۔ اگر وہ کچھ مدّت اور زندہ رہتے تو نواب وقار الملک کی قابلیت سے دولتِ آصفیہ کو اور زیادہ فائدہ پہونچتا لیکن اُن کی اچانک وفات نے ہوا کا رُخ بدل دیا۔ جدید مدار المہام کے زمانہ میں حریفوں کو عروج ہوا اور اُنھوں نے نواب وقار الملک کو باہر ٹالا یعنی وہ صوبہ داری پر بھیجدیئے گئے۔ جب سر آسمان جاہ

نے عہد میں دوبارہ حیدرآباد آئے تو زمانہ نہایت پرآشوب تھا، ہر طرف سازش کا بازار گرم تھا۔ اُن کے حریف معمولی لوگ نہ تھے بلکہ بڑے بڑے پولیٹکل شاطر تھے، جن کی ساری عمر جوڑ توڑ میں گزری تھی، اُمراء کا بھی اس زمانہ میں بڑا دبدبہ تھا، اور یہ لوگ غیرملکی عہدہ داروں کے اقتدار کو ایک لمحہ کے لیئے بھی پسند نہ کرتے تھے، ان اُمراء کے لیئے یہ امر ناقابل برداشت تھا کہ غیرملکی عہدہ دار اُن پر حکومت کریں۔ ان سب سے بڑھ کر مغربی سیاست کی نیرنگیاں تھیں جن کا مقابلہ سہل نہ تھا۔ غرض ان تمام حالات نے ملکر ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ کام کرنا نہایت مشکل تھا، لیکن باوجود ان سب مشکلات کے اُنھوں نے ایسے شاندار طریقہ سے کام کیا کہ حریفوں کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔

آخر زمانہ میں جب وہ معتمد مال گزاری تھے خود اُن کے عہدہ کے فرائض اسقدر وسیع تھے کہ اُن کو صبح سے شام تک کام کرنا پڑتا تھا، لیکن ان فرائض کے علاوہ مشیر مدارالمہام کی حیثیت سے اُن کو جو کام کرنا پڑتا تھا وہ اور بھی زیادہ اہم تھا، اور یہی حصہ اُن کے کام کا سب سے زیادہ قابل قدر و لایق ستایش ہے۔ لیکن افسوس کہ یہی حصّہ سب سے زیادہ مخفی اور عام دسترس سے باہر ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا گویا بالکل صحیح ہے کہ انکا اصلی کارنامہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حیدرآباد کے مخصوص حلقوں میں اب تک بہت سے نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب واقعات نواب وقار الملک کے متعلق بیان کیئے جاتے ہیں جو زیادہ تر اُن کی پولیٹکل کارروائیوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اوّل تو بغیر کافی ثبوت کے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، دوسرے کوئی شخص اس کے لیئے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنی روایت اور ذمہ داری پر ان واقعات کو شائع اور مشتہر کرنے کی اجازت دے۔

حیدرآباد میں معمولی معمولی باتوں کے متعلق ایسی احتیاط برتی جاتی ہے،

اور ہر اجنبی ایسی مشکوک اور مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے کہ کسی اہم یا پولیٹکل معاملہ کی اصلی حقیقت معلوم کرنے کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا، احتیاط کی انتہا یہ ہے کہ جو واقعات عام طور پر لوگوں کو معلوم ہیں اور جن کی صحت و واقعیت میں کچھ بھی شبہ نہیں، وہاں کے مصنفین اُن واقعات کو بھی جب لکھتے ہیں تو اس طرح لکھتے ہیں کہ حقیقت پر اور پردہ پڑ جاتا ہے۔ مثلاً یہ واقعہ عام طور پر اکثر لوگوں کے معلوم ہے کہ اعلیٰ حضرت آصف جاہ سادس کے زمانہ میں، سر سالار جنگ ثانی سر آسمان جاہ اور سر وقار الامراء نے جو یکے بعد دیگرے حیدرآباد کے وزیر اعظم مقرر ہوئے اعلیٰ حضرت کی نارضامندی کی وجہ سے مجبور ہو کر استعفا دیا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اُن سے استعفا لے لیا گیا۔ لیکن حیدرآباد کا کوئی مصنف ان واقعات کی طرف اشارہ بھی نہیں کریگا بلکہ ہمیشہ یہ لکھے گا کہ ان امراء نے بوجہ علالت استعفا دیا (یا چھ ماہ کی رخصت حاصل کی) اور اعلیٰ حضرت نے ازراہ مراحم خسروانہ اُن کا استعفا قبول فرمایا، ان حالات کے ماتحت کیوں کر توقع کی جا سکتی ہے کہ جو اہم پولیٹکل معاملات نواب وقار الملک کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور سلطنت کے صیغہ راز سے متعلق ہیں عام طور پر معلوم ہو سکینگے۔

البتہ بعض واقعات ضرور ایسے ہیں جو معلوم ہیں اور اُن کے متعلق ایک حد تک کاغذی شہادت بھی موجود ہے۔ لیکن ان واقعات کی کڑیاں دوسرے واقعات سے اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ جب تک پورا سلسلہ نہ بیان کیا جائے واقعہ ذہن نشین نہیں ہو سکتا، اور اس پورے سلسلہ کے بیان کرنے میں بہت سے ایسے واقعات درمیان میں آجاتے ہیں کہ اُن کو بیان کرنا گویا فتنہ خوابیدہ کو بیدار کرنا ہے۔ لہذا نواب وقار الملک کی پولیٹکل خدمات کا جس قدر ذکر بھی اشارۃً یا صراحۃً کیا گیا ہے ناظرین کو اسی پر قناعت کرنا چاہیئے۔

پولیٹکل خدمات کے علاوہ وہ خدمات ہیں جن کا تعلق اُن کے عہدہ کے فرائض سے ہے، ان خدمات کی حالت یہ ہے کہ صوبہ داری کے زمانہ میں اس زمانہ کے نظام حکومت

کے مطابق بہت سے صیغے اور محکمے اُن کے متعلق تھے یعنی وہ صوبہ کے ہر صیغے کے افسرِ اعلیٰ تھے، اس لیئے اُن کے پاس کام کی کثرت تھی اور چونکہ وہ اپنی عادت کے مطابق جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے، اس لیئے کام اور بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ان سب کاموں کے علاوہ اُن کو دورہ کرنا پڑتا تھا، اور اُن کی عادت تھی کہ دورہ میں شدید محنت کرتے تھے اور نہایت آزادی سے عام رعایا سے مل کر اُن کی شکایات سنتے اور اُن کا انسداد کرتے تھے، اور واپس آکر اپنے دورہ کی نہایت مفصل و مکمل رپورٹ میں مرتب کر کے مدار المہام کی خدمت میں بھیجتے اور اصلاح طلب اُمور پر توجہ دلاتے تھے، لیکن وہ رپورٹ بھیجکر اپنے کو ذمّہ داری سے سبکدوش نہیں خیال کرتے تھے، بلکہ جب تک اصلاح طلب امور کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا وہ برابر وزیر اعظم سے مراسلت کرتے رہتے تھے: ان مراسلات اور رپورٹوں کے ہزاروں صفحے اُن کے دست و قلم کے لکھے ہوئے آج بھی حیدر آباد کے دفاتر میں موجود ہیں۔

معتمدی کے زمانہ میں کام اور زیادہ بڑھ گیا تھا، بڑے بڑے مستقل محکمے اُن کے ماتحت تھے اور ہر محکمہ کے متعلق کام کی کثرت تھی اور یہ کام کسی ایک صوبہ کے ساتھ محدود نہ تھا، بلکہ تمام سلطنت سے تعلق رکھتا تھا: اس زمانہ میں اُنھوں نے ہزاروں احکام جاری کیئے ہزاروں مقدمات کا فیصلہ کیا، اور تمام ماتحت دفاتر کی اصلاح و تہذیب کر کے کام میں سہولت اور باقاعدگی پیدا کی۔

اُن کی دماغی قابلیت کا حال مقدمات کے اُن فیصلوں سے معلوم ہوتا ہے جو اُنھوں نے صوبہ داری اور معتمدی کے زمانہ میں کیئے، صوبہ شرقی (ورنگل) اور خاص حیدر آباد میں سرکاری دفاتر میں ان فیصلوں کا اتنا بڑا انبار ہم نے بچشم خود دیکھا ہے کہ صرف ان کے پڑھنے کے لیئے کئی مہینے درکار ہیں لیکن اس کتاب کی محدود ضخامت کے لحاظ سے ایک فیصلہ کا نقل کرنا بھی دشوار ہے اس لیئے صرف چند اصلاحی احکام کا تذکرہ کرنے پر قناعت کی گئی ہے۔

ان سب فرائض کے علاوہ وہ قریباً ہر کمیٹی اور ہر مجلس کے ممبر تھے، مختلف انتظامی

امور کے سلسلہ میں یہ کمیٹیاں قایم ہوتی تھیں، اور نواب وقار الملک اپنی قابلیت و تجربہ کی بنا پر اُن کے ممبر بنائے جاتے تھے۔ اُن کی ممبری رسمی طریقہ کی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ سب ممبروں سے زیادہ باقاعدہ طور پر کام کرتے تھے، چنانچہ وہ مجلس آب پاشی کے ممبر تھے جہاں اُنھوں نے بڑی قابلیت سے کام کیا۔ بعض اوقات اہم مقدمات کے فیصلہ کے لئے کسی کمیشن کا تقرر ہوتا تھا اور مخصوص قابلیت کے لوگ اس میں انتخاب کیے جاتے تھے۔ تو نواب وقار الملک کی شرکت اُس میں بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ غرض سلطنت کا کوئی اہم اور قابل توجہ کام ایسا نہ تھا جس میں اُن کی شرکت ضروری نہ سمجھی جاتی ہو۔ کام کی اس وسعت و کثرت کا یہ نتیجہ تھا کہ اُن کو صبح سے رات کے دس بجے تک فرصت نہیں ملتی تھی۔

ملک کو سرسبز و شاداب بنانے، مالی وسائل کو ترقی دینے، رعایا کے ادنیٰ اور مظلوم طبقہ کے اُبھارنے، اور مظالم کا استیصال کرنے میں اُنھوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ وہ خود ایک اعلیٰ عہدہ دار تھے لیکن غریب رعایا کی خاطر، گورنمنٹ سے لڑتے تھے، اور ضلع تعلقہ کی اس عاجز و درماندہ مخلوق کی اس قدر حمایت و اعانت کرتے تھے کہ اُن کا کوئی منتخب کردہ وکیل بھی اس قدر نہ کرسکتا۔

عدالتیں اُنہی کے زمانہ میں آزاد ہوئیں اور اُن کی عزت و وقعت لوگوں کی نگاہ میں قایم ہوئی، اُمرا کا ناجائز اقتدار اور زور اُنہی کے زمانہ میں ٹوٹا اور قانون کی نگاہ میں امیر و غریب عملاً یکساں قرار دیئے گئے، بڑی خوبی یہ تھی کہ اُنھوں نے حکومت کا رعب داب بھی قایم رکھا بلکہ اُس میں اضافہ کیا اور رحم و انصاف کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اُن کے زمانہ میں کسی بڑے سے بڑے عہدہ دار کو بھی یہ جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ رعایا کے کسی ادنیٰ فرد پر ظلم کرسکے۔ کیونکہ مشتاق حسین کے بے لاگ انصاف سے ہر شخص خائف و لرزاں رہتا تھا، اسی عدل و انصاف کا نتیجہ تھا کہ رعایا اُن سے بے حد محبت کرتی تھی۔ خصوصاً صوبہ شرقی میں تو آج تک لوگ اُن کو بے حد محبت سے یاد کرتے اور اُن کے رحم و شفقت کی داستانیں سناتے ہیں

ایک بوڑھے ہندو نے دورنگل میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ایسے الفاظ کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ انتصار جنگ ایک اوتار یا خدا رسیدہ بزرگ تھے جو اس صوبہ میں صرف اس لیے بھیجے گئے تھے کہ مظالم کا خاتمہ کریں اور رعایا کو آزاد کرائیں؛ اسی طرح ایک پنشنر تحصیلدار کو جو ہندو ہیں میرے صوبہ شرقی کے سفر میں جب یہ معلوم ہوا کہ میں نواب وقار الملک کی سوانح عمری لکھ رہا ہوں، تو انھوں نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا صرف اس خیال سے کہ ان کے نزدیک یہ ایک مقدس کام تھا، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے حسن عمل کا کیسا گہرا اثر لوگوں کے دلوں پر چھوڑا ہے۔

ان کا ایک سب سے زیادہ قابل ستایش کارنامہ یہ ہے جیسا کہ خود سر ڈینس فٹز پٹرک نے بیان کیا ہے کہ نواب وقار الملک نے حضور نظام، مدار المہام اور رزیڈنٹ کے مابین خوشگوار تعلقات قایم رکھنے میں سخت کوشش کی اور اس میں وہ بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے، خود نواب وقار الملک نے ایک موقع پر سر آسمان جاہ کو لکھا تھا کہ حیدرآباد میں سب سے زیادہ بہتر و مبارک وہ زمانہ سمجھا جاتا ہے جب کہ حضور نظام، وزیر اور رزیڈنٹ کے باہمی تعلقات عمدہ حالت میں ہوں، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے ان تعلقات کو عمدہ حالت میں رکھنے کی جو کوشش کی وہ کس قدر لائق تحسین و ستایش ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر نواب وقار الملک کی حیدرآباد کی زندگی کے متعلق کسی ایسے شخص کا بیان پیش کیا جائے جس نے بچشم خود ان کو اس عروج و اقتدار کی حالت میں دیکھا ہو۔ اس بنا پر ہم مولوی بشیر الدین احمد صاحب خلف شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب

لہ صوبہ شرقی میں نواب صاحب اب تک انتصار جنگ ہی کے نام سے مشہور ہیں، جب میں نے دفتر صوبہ داری میں محافظ دفتر سے یہ کہا کہ میں نواب وقار الملک کے متعلق مواد فراہم کر رہا ہوں، تو اس نے دوسرے دن کسی قدر تلاش و جستجو کے بعد کہا کہ ان کے متعلق یہاں کچھ نہیں، لیکن جب اتفاقیہ اس کو تھوڑی دیر بعد میری گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ میری مراد نواب انتصار جنگ سے ہے تو اسکو تعجب ہوا کہ انتصار جنگ اور وقار الملک دونوں ایک ہیں، پھر تو بہت سے کاغذات تلاش کر کے دیے

محمد اکرام اللہ خاں ندوی

دہلوی کا ایک مضمون جو دلچسپ تبصرہ کی حیثیت رکھتا ہے، اس حصہ کے خاتمہ پر نقل کرتے ہیں۔ صاحب موصوف نواب وقار الملک کے زمانہ میں حیدرآباد میں تھے اور ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھے۔ مولوی صاحب موصوف کا بیان حسب ذیل ہے:۔

نواب صاحب مرحوم کی لائف کا وہ حصہ جو سرکار عالی نظام کی ملازمت میں گزرا خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے۔ میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ سنی سنائی باتیں نہیں ہیں ؎

"شنیدہ کے بود مانند دید"

بلکہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ حیدرآباد کی ریاست بلحاظ وسعتِ ملک و کثیر المحاصل ہونے کے اوّل درجہ کی اسٹیٹ ہے اور خوش نظمی کے اعتبار سے بھی وہ کسی ریاست سے دوسرے درجہ پر نہیں ہے۔ سالار جنگ دی گریٹ بسمارک آف انڈیا نے نظم و نسق کی بنا ڈالی جس کے لیے ان کو عمدہ اور لایق اور تجربہ کار عہدہ داروں کی ضرورت تھی۔ اُنھوں نے ملک دکن کے باہر سے بہت سے نامور اصحاب کو بلا کر ریاست کی کل کو از سر نو درست کیا۔ ان کا انتخاب ہمیشہ لاجواب ہوتا تھا۔ ہندوستان کے شمالی حصہ سے اُنھوں نے بمشورت سر سید علیہ الرحمۃ کریم آف انڈین سوسائٹی کو چن لیا۔ اور ایسے ایسے نامور لوگوں کو منتخب کر کے بلا لیا جو برٹش گورنمنٹ کے بھی چمکتے ہوئے ستارے تھے۔ مثلاً مولوی سید حسین بلگرامی، مولوی مہدی علی مولوی چراغ علی، مولوی مشتاق حسین، مولوی نذیر احمد وغیرہ حیدرآباد کی ریاست کے یہ لوگ ستون تھے اور سب کے سب سر سید کے حواری تھے اب ان سب میں صرف مولوی سید حسین بلگرامی باقی ہیں اور سب یکے بعد دیگرے چل بسے اور ایسے گئے کہ ان کی جگہ آج تک پُر نہ ہو سکی ان بزرگان قوم نے نہ صرف دکن میں نام پیدا کیا اور اپنا سکہ بٹھا دیا بلکہ وہاں سے چلے آنے کے بعد بھی جب تک جئے ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے۔ مجھ کو اس آرٹیکل میں صرف مولوی مشتاق حسین صاحب مرحوم کے وہ حالات لکھنے مقصود ہیں

جو حیدرآباد کے زمانہ قیام سے متعلق ہیں۔ حیدرآباد کی ریاست میں ہمیشہ سے خاطر، مروت پاسداری، اور سفارش ہی کا بول بالا رہا ہے۔ اور کچھ وہی لوگ وہاں بن گئے جو پالیسی برتتے تھے ورنہ جس شخص نے ایک قدم بھی اس احاطہ سے باہر رکھا وہ خود خطرے میں پڑا۔ نواب صاحب مرحوم ہی ایک ایسے شخص تھے جنھوں نے اوکھلی میں سر دیدیا اور حیدرآباد کی پولیٹکل ہسٹری میں ایک نیا ورق کھولا نواب صاحب مختلف حیثیتوں سے حیدرآباد میں رہے اور ایک دفعہ درمیان میں ملازمت سے قطع تعلق[1] کرکے چلے بھی آئے مگر یہ پھر دوبارہ بلائے گئے اور اس دفعہ وہ پوری آزادی اور بڑی آن وبان سے گئے ان کی سب سے زیادہ با اقتدار خدمت معتمد مال گزاری یعنی ریونیو سکریٹری کی تھی جس طرح سر سالار جنگ کی مدار المہامی نواب اکبر جنگ کی کوتوالی ڈاکٹر لاری کی طبابت مولوی مہدی علی کا عالم گیر تسلط مشہور ہے ویسی ہی نواب صاحب کی معتمدی کی بھی دھاک ہے

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نواب بشیر الدولہ مدار المہام وقت کے وہ نفس ناطقہ تھے اور کہنے کو معتمد مالگزاری تھے مگر دراصل چیف سکرٹری تھے یعنی ہر صیغہ میں اُن کو دخل کلی تھا اور کوئی اہم کام خواہ وہ کسی صیغہ کا ہو ان کی مشورت کے بغیر نہیں ہوتا تھا اور انھوں نے ایسی قوت اور اقتدار کے زمانے میں بھی کبھی خود غرضی کو دخل نہیں دیا بلکہ اُن کے ہر کام میں انصاف اور راست گوئی کی جھلک تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ روز بروز ان کا اعتماد بڑھتا جاتا تھا اور دکن میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ اور بالعموم (حقیقی وزیر) سمجھے جاتے تھے اور عملاً ان کا مرتبہ ریاست کے اراکین میں کسی سے درجۂ دوم پر نہ تھا۔ یوں تو سالار جنگ کے چنے ہوئے لوگ سب ہی چوٹی کے تھے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر لیکن مولوی مشتاق حسین کی بات ہی کچھ اور تھی۔ اس جامعیت کا آدمی دیکھنے

---

[1] خود قطع تعلق نہیں کیا تھا بلکہ امیر کبیر کی خواہش پر برخاست کردیے گئے تھے، اور اُن کی وفات کے بعد پھر بلائے گئے۔ (زبدی)

میں نہیں آیا باوجودیکہ وہ فقیر منش، نہایت منکسر المزاج متواضع اور بے انتہا خلیق اور ہمدرد تھے لیکن پھر بھی ان کی خودداری، ان کا رعب داب، دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا جس نے وہ آن بان اور وہ شان و شوکت دیکھی ہو وہی اس کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے۔ ان کا دربار ہر کہ و مہ کے واسطے ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ کسی وقت کی روک ٹوک کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کے واسطے بھی نہ تھی ہر شخص ان تک بآسانی پہنچ کر اپنا درد دکھ کہہ سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کی کوٹھی کا وسیع کمپونڈ صبح سے گیارہ بجے رات تک گاڑیوں اور اہل غرض کے ہجوم سے بھرا رہتا تھا لیکن وہ فرداً فرداً سب سے ہی ملتے تھے اور کبھی اُن کا دل اکتاتا نہ تھا۔ اکثر ملنے والوں کو وہ کمرے کے دروازے سے لیتے اور وہیں تک پہونچاتے تھے سب کی بات نہایت غور اور توجہ سے سنتے تھے اور فوراً دوٹوک جواب ہست نیست کا دیتے تھے وہ کسی کو بھول کر بھی جھوٹی اُمید نہ دلاتے تھے۔ بعض ناعاقبت اندیش ان کی اس صاف گوئی سے ملول بھی ہو جاتے تھے۔ مگر "سختی سے سوم بھلا جو جلدی دے جواب"۔

حیدرآباد کی اُمیدواری میں لوگوں کی عمریں بسر ہو گئی ہیں۔ یہی مال گزاری عمر گزاری مشہور تھی۔ لیکن مولوی صاحب کے عہد میں "کار امروز بہ فردا مگزار" کا اُصول تھا اگرچہ وہ خلق مجسم اور بالکل ہندوستانی وضع کے سر گھٹے ملا تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ کسی کا دل دُکھے۔ مگر پھر بھی حق بات کہنے میں مطلقاً پس و پیش نہ کرتے تھے۔ آج کل کے زمانہ میں بھلا اس پُرانی طرز کے آدمی کا کیا رعب ہو سکتا ہے مگر اللہ اکبر ان کا رعب داب کہ اُن کے سامنے جاتے کلیجا کانپ جاتا تھا اور کبھی کسی کو جھوٹی خوشامد یا غیر مستحق ادعا کرنے کی جراُت ہوتی تھی۔ ان کی "ہاں" اور "نہیں" پتھر کی لکیر تھی وہ بے جا خاطر و مروت کی آڑ میں کبھی دفع الوقتی کے طور پر کوئی بات زبان سے نکالنا اخلاقی جرم سمجھتے تھے۔ فلاں کے فلاں ہونا یا سفارش اُن کے نزدیک کچھ بھی وقعت نہ رکھتی تھی بلکہ سفارش سے اور چڑ جاتے تھے جو انصاف اور خالص انصاف ہوتا تھا وہی کرتے تھے ان کے پاس دوادوش بالکل بے کار تھی جس کا

حق ہوتا تھا اُسے گھر بیٹھے بے منت پہونچتا تھا اُن کے زمانہ میں ملازموں کے حقوق اُن کی ترقیاں کبھی سعی و سفارش خاطر مروت سے نہیں ہوتیں بلکہ محض استحقاق اور لیاقت ذاتی سے۔

اُنھوں نے یہ بھی التزام رکھا تھا کہ کسی بڑے عہدے پر ایکدم کسی کو مامور نہ کرتے تھے جس سے حکام تحت کی حق تلفی اور حرمان ترقی لازم آتی تھی بلکہ چھوٹے سے چھوٹے درجہ سے سلسلہ شروع کرتے تھے اور اس طرح ایک خالی شدہ جائداد کے سلسلہ میں بعض وقت پچاس پچاس آدمیوں کو ترقی ملی ہے۔ اور اس طرح سب کی حق رسی اور اشک شوئی کرتے تھے۔ اِن کے اس بے لوث طرزِ عمل نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال راسخ کر دیا تھا کہ اگر ہم دیانت کے ساتھ دل دہی سے اچھا کام کرینگے تو ہماری قدر ہوگی۔ خائن لوگوں نے کچھ ڈر سے اور کچھ مصلحت وقت سے اپنی طرزِ روش بدل دی اگر کسی کو باوجود گریڈ کے ترقی نہیں دیجاتی تھی تو فوراً اُسے صیغۂ راز سے اطلاع بھی دی جاتی تھی کہ تمھاری نسبت فلاں امر سدراہ ہے جب تک اس عیب کو رفع نہ کروگے ترقی سے محروم رہوگے۔ اپنے قول کے ایسے پکے تھے کہ دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے مگر اُن کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا تھا۔ اگر احیاناً غلطی واقعات کی بنا پر کوئی غلط حکم نکل چکا ہو تو سمجھانے سے اپنے حکم کو فوراً معذرت کے ساتھ واپس بھی لے لیتے تھے۔

میں نے عموماً یہ دیکھا ہے کہ بڑے بڑے عہدہ دار بڑے بڑے عہدہ داروں کے حال سے واقف رہتے ہیں۔ کیوں کہ انھیں کی رسائی اُن تک ہے مگر چھوٹے چھوٹے ملازموں کی انھیں کچھ خبر نہیں رہتی حتیٰ کہ تحصیلدار اور پیشکار تحصیل کو بھی نہیں جانتے اور جانیں کیسے جب ان بیچاروں کے پر وہاں جاتے ہوئے جلتے ہوں۔ مگر ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مرحوم نے کون سا ڈیڈ لیٹر ڈپارٹمنٹ رکھا تھا کہ تحصیلدار تو ایک بڑا عہدہ دار ہے بلا مبالغہ و بلا خوف تردید میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مفصلات کے دس دس اور بیس بیس روپیے کے عملوں کے حالات سے ایسی ذاتی واقفیت تامہ رکھتے تھے کہ ہم رات دن کے ملنے والوں کو خبر نہ تھی وہ اپنے

ماتحتوں کی پرائیوٹ لائف اور طرز روش کے سخت نگراں تھے اور اس وجہ سے بد روش اشخاص سے سخت متنفر تھے وہ اکثر خانگی معاملات میں بھی دخل دیتے تھے اور نہ صرف دخل دیتے تھے بلکہ سرکاری طور پر اثر ڈالتے تھے میں نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے قلم خاص سے صیغہ راز میں اس طرح کہ اُن کے اور مکتوب الیہ کے سوا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو مشفقانہ اور بزرگانہ تنبیہ کرتے تھے اور موقع دیتے تھے کہ فلاں عادت بد چھوڑ دی جائے اور فلاں بات کی اصلاح کر کے مجھے مطمئن کیجئے ورنہ میں سرکاری طور پر نوٹس لینے پر مجبور ہونگا۔ ایسی عام اور زبردست نگرانی اور باخبری کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک ایسی دہشت بیٹھ گئی تھی کہ وہ راتوں کو چونک چونک پڑتے تھے اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ مشتاق حسین ہر دو میں کا تیسرا موجود ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خبر ہو جائے تو بس شامت آئی دھری ہے۔

غریب عایا سے انھیں ہمدردی نہیں عشق تھا دورے کے زمانہ میں سب سے پہلے وہ چماروں کی جھونپڑیوں، بڑھئی، لوہار، دھوبی معمولی سے معمولی کاشتکاروں کے مکانوں میں بہ نفس نفیس جاتے اور وہاں اُن کی ٹوٹی کھٹیا یا کمبل یا بوریئے پر بیٹھ کر گھنٹوں ان کے حالات پوچھ کر نوٹ کرتے۔ کہیں بیگار تو مفت نہیں لی گئی بنیوں پر عہدہ داروں کا ظلم تو نہیں یا سامان رسد کے دام برابر خوش خریدی دیئے جاتے ہیں یا حکومت کے دباؤ سے کام نکلتا ہے۔ رعایا کے ساتھ عہدہ داروں کا سلوک کیا ہے۔ جہاں کہیں شکایت ہو بس جان کو آجاتے تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے کئی ملازموں کو ایسی ہی شکایت پر موقوف کر دیا۔ ایک دوم تعلقہ دار (جنٹ مجسٹریٹ) کو محض اس بات پر برخاست کیا کہ وہ رعایا کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تھے اور صاف کہہ دیا کہ سرکار ایسے درندہ خصلت عہدہ داروں سے اپنی سروس کو پاک کرنا چاہتی ہے۔ ایک سوم تعلقہ دار (ڈپٹی کلکٹر) کو دورے کے غلط اور فرضی مقامات لکھنے میں موقوف کیا ایک اہلکار کو جس کی تنخواہ صرف دس بارہ روپئے تھی سنا کہ اس نے کوئی طوائف رکھی ہے۔ اور سواری کے لئے ایک ٹٹوانی بھی رکھی ہے موقوف کر دیا۔ غرض سزا اور جزا

دونوں کا دروازہ کھلا ہوا تھا دورہ کے زمانے میں بڑی دیکھ بھال کرتے تھے۔ بیگار کے پیسے اپنے سامنے دلواتے تھے۔ گاؤں سے چارپائیاں منگوانے کی قطعی ممانعت کر دی تھی حتیٰ کہ بنیئے بقال قصابوں کی دکانات کیمپ میں لانے کا حکم نہ تھا بلکہ ہر شخص کو بازار سے سامان خریدنے کا حکم تھا ان کا اصول اور صحیح اصول تھا کہ ؎

بہ نیم بیضہ جو سلطاں ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

اگر حیدرآباد میں بڑے بڑے امرا کے صاحبزادے اور خود مرشد زادے ملازم ہیں اور بعض ان میں سے وسائل کے گھمنڈ میں بہت آزادی برتتے ہیں مگر مولوی صاحب کے زمانہ میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے۔ اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوتا تھا جس کی ہزاروں مثالیں ہیں۔ مولوی مہدی علی کا جو عروج حیدرآباد میں تھا وہ کون نہیں جانتا تمام ہندوستانی انھیں کی بدولت حیدرآباد میں ٹکڑے کے سر لگے۔ اور اس میں مولوی مشتاق حسین[1] بھی تھے مولوی مہدی علی کے چچیرے بھائی بندوبست میں ملازم تھے انھوں نے بوجہ ضعف بصارت سررشتہ مال میں آنا چاہا اگر مشتاق حسین کا دور نہ ہوتا تو سر آنکھوں پر بٹھا کر ان کو لاتے لیکن یہ زمانہ ہی اور تھا اسی لحاظ سے مولوی مہدی علی نے سفارش کرنے سے انکار کر دیا لیکن بیگم صاحبہ نے مولوی علی حسن کو بھیجا مولوی مشتاق حسین نے کہا کہ بیگم صاحبہ قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت آداب عرض کرنا اور کہنا میں ضرور آپ کی سفارش پر رفیق حسن کو مال کے صیغہ میں لے لیتا مگر کیا کروں سخت مجبور ہوں جب ان کی بصارت میں نقص ہے اور وہ بندوبست میں کام نہیں کر سکتے تو مال میں کیا کریں گے صیغہ مال کوئی اندھوں کا محکمہ نہیں ہے۔ مولوی علی حسن صاحب بیچارے اپنا سا منھ لے کر چلتے ہوئے۔

---

[1] مولوی مشتاق حسین سرسید کی تحریک و سفارش سے حیدرآباد گئے تھے، مولوی مہدی علی خاں کا ان کے معاملہ میں کچھ تعلق نہ تھا نہ اس وقت مولوی مہدی علی خاں کا اس قدر اثر تھا۔ (ن۔ ن ی)

ممکن ہے کہ بیگم صاحب کو بھی یہ رکھائی ناپسند ہوئی ہو لیکن مولوی مشتاق حسین جیسے ایک آدمی سے یہ کب ممکن تھا کہ وہ اپنے کانشنس کے خلاف کوئی کام کرتے۔ خواہ اس میں مہدی علی کا قدم درمیان ہو یا کسی اور کا۔ خود میری نسبت ایک مرتبہ صوبہ داری (کمشنری) سے تبادلہ کی تحریک محض مولوی چراغ علی کی خاطر سے اُن کے بھائی ولایت علی صاحب کے خوش کرنے کو کی گئی اور وجہ یہ لکھی گئی کہ سنگاریڈی کی آب وہوا ناقص ہے اور بیدر کی آب وہوا بہ لحاظ عمدگی مشہور مجھے بیدر سے سنگاریڈی ولایت علی صاحب کے ساتھ بدل دیا جائے۔ مرحوم نے اس کا جواب یہ دیا کہ ولایت علی صاحب نے ایسی کیا کارگزاری کی ہے کہ وہ ایک خوش آب وہوا مقام پر بدلے جائیں۔ اور بشیر الدین احمد نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ وہ بے وجہ اپنے مقام سے ہٹائے جائیں سرکار کے نزدیک دونوں عہدہ دار برابر ہیں یہ ترجیح بلا مرجح کیوں۔ جب تک بشیر الدین احمد کی ترقی نہ ہو (جو عنقریب ہونے والی ہے) وہ بیدر سے ہٹائے نہیں جا سکتے۔

اسی طرح ایک تعلقہ دار صاحب (کلکٹر ضلع) اور صوبہ دار صاحب سے کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی۔ تعلقہ دار بڑے طنطنہ کے آدمی تھے گرم دکھانہ سرد جھٹ استعفا ہی دے گھسیٹا۔ مولوی صاحب نے تعلقہ دار کو تو یہ لکھا کہ آپ کا استعفا پہنچا اسے دیکھ کر مجھے افسوس ہوا لیکن قبل اس کے کہ میں آپ کے استعفے کو سرکار کے ملاحظہ میں پیش کروں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ سرکار کو آپ کے استعفے کے منظور کرنے میں غالباً کچھ بھی تامل نہ ہوگا۔ سرکار کو بہتر سے بہتر تعلقہ دار ہر وقت مل سکتا ہے۔ لیکن آپ کو براہ مہربانی غور کر لینا چاہیئے کہ آپ کو بھی تعلقہ داری کہیں اور مل سکے گی یا نہیں اور اسی طرح صوبہ دار صاحب کو بھی چشم نمائی کی کہ تعلقہ دار ضلع کے عہدہ کی وقعت کا خیال آپ کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے تعلقہ دار کا عہدہ ایسا نہیں ہے کہ محض صوبہ دار کی مرضی پر وہ ہٹایا جا سکے بالا دستوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے حسنِ سلوک سے پیش آئیں اور پھر لطف یہ کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں کہ کیا لکھا گیا۔ نتیجہ یہ کہ دونوں حد اعتدال پر آگئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

میں ایک رخصت کے سلسلہ میں عارضی طور پر قایم مقام کرکے بھیجا گیا مجھے چند روز کے واسطے نقل وحرکت ضرور ناگوار رہوئی مگر کس کا حوصلہ تھا کہ چون وچرا کر سکتا سنگ آمد وسخت آمد گیا پر گیا، جاتے دیر نہوئی تھی کہ روزانہ یہ ڈر اور کھٹکا رہتا تھا کہ آج مستقل صاحب آتے ہیں، کل آتے ہیں۔ ناچار میں نے مولوی صاحب کو لکھا اُنھوں نے میرے خط ہی کی پشت پر لکھ دیا کہ آپ اطمینان سے جہاں بیٹھے ہیں بیٹھے رہیے اور اپنا کام کیے جائیے اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ جب عہدہ دار گھوڑے کی دُم کی طرف منھ کر کے بیٹھا کرتے تھے اور دیکھتے جاتے تھے کہ کوئی ان کے پیچھے تو نہیں آتا اور ایسا ہی ہوا کہ میں اسی جگہ مستقل ہو گیا۔ ایسی بیسوں مثالیں میں پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن بخوف طوالت اختصار کرتا ہوں۔ مولوی صاحب کی نماز کی پابندی اللہ اکبر! میں نے دیکھا ہے کہ حضور نظام کی اسپشل نماز کے وقت روک دی جاتی تھی مولوی صاحب اپنا مصلےٰ لیکر جب پلیٹ فارم پر نماز پڑھ لیتے تھے تو آگے بڑھتی تھی۔

خلاصہ یہ کہ دکن میں اس سطوت وجبروت اس دیانت وراستبازی اور مستقل مزاجی کا عہدہ دار دیکھنے میں نہیں آیا اور گو برسوں ان کو دکن چھوڑے ہوئے ہوئے مگر ان کا زمانہ ہر اعتبار سے اب تک ضرب المثل ہے اور مدتوں رہیگا۔

جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی صاحب مستعفی ہو کر چلے آئے میں سمجھتا ہوں کہ شاید کچھ سہو ہوا ہو وہ مستعفی نہیں ہوئے بلکہ وہ خود پنشن کی درخواست دے کر ملازمت سے دست بردار ہوئے چنانچہ میں اس زمانہ میں وہیں تھا اور میں نے ایک عریضہ بہ اظہار افسوس اور اپنی بے وسیلگی اور کس مپرسی لکھا تھا جس کا جواب یہ ملا کہ یہ خبر صحیح ہے کہ میں نے پنشن کی درخواست کر دی اور جہاں تک مجھ کو علم ہے وہ منظور بھی ہو جائے گی۔ آپ کو دل برداشتہ ہونے کی وجہ نہیں ، اگر میں نے آپ کو آپ کا حق (جو بہت افسوس ہے کہ بدیر ملا) پہونچا دیا تو یہ میرا فرض عین تھا میں اس کے لیے کسی شکریہ کا مستحق نہیں ہوں میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اپنی لیاقت اور دیانت کی بدولت بہت جلد کسی ضلع کی کرسی کو رونق دیجیے۔

جیساکہ آگے چل کر ہوا۔

مولوی صاحب نہایت زود قلم اور صاف صاف لکھنے والے تھے اُن کے حروف چھوٹے چھوٹے خاص روش کے تھے جس کی پوری پوری تقلید شمس العلمار نواب عزیز جنگ بہادر نے ایسی کی ہے۔ (جو مولوی صاحب کی پیشی میں کام کرتے رہے ہیں) کہ مشکل سے دونوں خطوں میں تمیز ہوسکتی ہے۔

یہ بات جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب نے بالکل صحیح لکھی ہے کہ وہ بڑے لکھنے والے تھے صفحہ کے صفحہ خود اپنے قلم سے لکھتے تھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ جزو کے جزو حیدر آباد کے دفاتر ان کی ہزار ہا تجاویز احکام اور رپورٹوں سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ لکھنے کی ایک مشین تھے۔ ان کے پیشی کے اہلکاروں کو مشکل سے اتنا وقت تھا کہ وہ اُن کے لکھے ہوئے مسودہ کو صاف کرسکیں۔

مولوی صاحب جہاں خدا کے برگزیدہ اور نیک نہاد بندے تھے ایک بات اُن میں یہ بھی نادر تھی کہ وہ ہر شخص کے خط کا جواب بہ واپسی ڈاک اپنے قلم سے دیتے تھے گو وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو لیکن سوال کا مکمل جواب ضرور ہوتا تھا۔ یہ پابندی ایک ایسے جلیل القدر عہدہ دار کے لیئے جس کے اتنی بڑی ریاست کا کل کام سپرد ہو اور جس کا ایک ایک منٹ کام میں گتھا ہوا ہو ایک ایسا مشکل کام ہے کہ جس کی نظیر ملنا محال نہیں تو فقید المثال ضرور ہے وہ اپنے اوپر اپنی طاقت سے زیادہ بار اُٹھاتے تھے اور میرا خیال یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے اوپر کام کا اس قدر بوجھ لاد لیا کہ ایسا انہماک اُن کی تندرستی کے لیئے ہارج دمخل تھا اور قوم کے کام پر اُنھوں نے اپنی جان کو قربان کردیا۔

تمت بالخیر